سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۳۷

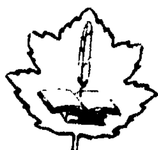
سیر العارفین

تالیف

حامد بن فضل اللہ جمالی

مترجمہ و مرتبہ

محمد ایوب قادری



مرکزی اردو بورڈ ○ گلبرگ لاہور

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۴۷

بار اول : اپریل ۱۹۷۶ء
قیمت : پندرہ روپے
صفحات : ۴۵۱

ناشر
اشفاق احمد
ڈائرکٹر، مرکزی اردو بورڈ
گلبرگ ، لاہور

طابع
یونائیٹڈ پرنٹرز (رجسٹرڈ)
۸ - بی ، میلا رام روڈ
دربار مارکیٹ، لاہور

ترتیب مضامین

سلطان العارفین برہان الواصلین شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ

شیخ المشائخ و الاولیاء فرید الدین مسعودؒ

سلطان المشائخ و الاولیاء شیخ نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ

حضرت شیخ المشائخ نصیر الملت والدین محمود اودھیؒ

حضرت سلطان المشائخ شیخ نجیب الدین متوکلؒ

شیخ الاسلام حضرت بہاء الملۃ والدین زکریا ملتانیؒ

حضرت سلطان المشائخ والاولیاء شیخ صدرالدین عارفؒ

حضرت شیخ المشائخ شیخ رکن الملت والدین ابوالفتح

شیخ محمد حمید الدین ناگوری

سید جلال الدین بخاری معروف به مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ

سلطان المشائخ شیخ جلال الدین تبریزیؒ

شیخ المشائخ شیخ سماء الدینؒ

ضمیمہ

بخدمت شریف

استاذی المحترم جناب ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفے خان صاحب مد ظلہ العالی

(سندھ یونیورسٹی - حیدرآباد سندھ)

جن کی بزرگانہ شفقتیں ہمیشہ میری رہنمائی اور رہبری فرماتی ہیں -

محمد ایوب قادری

ابتدائیہ

حامد بن فضل اللہ جمالی (متوفی ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ع) اپنے زمانے کے نامور شاعر، ادیب، سیاح اور صوفی گزرے ہیں۔ انھوں نے علم و ادب کی مجلسوں کو رونق بخشی، مشایخ و صوفیہ کے معتقد و معتمد اور امراء و سلاطین کے جلیس و ندیم رہے۔ ان کی شاعری کی داد حضرت جامیؒ نے دی۔ انھیں ''خسرو ثانی'' کا لقب سزاوار ہوا۔ وہ صاحب دیوان شاعر ہیں، انھوں نے مراۃ المعانی اور مہرو ماہ جیسی بلند پایہ مثنویاں لکھیں۔

فارسی نثر میں ان کی یادگار ''سیرالعارفین'' ہے جو برصغیر پاک و ہند کے اجل مشائخ و صوفیہ کا اولین تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے ہمیں صوفیہ کا کوئی مستقل تذکرہ نہیں ملتا۔ سیرالعارفین کی تالیف کے متعلق خود جمالی لکھتے ہیں کہ جب میں بلاد اسلامی کے سفر سے واپس آیا اور وہاں کے عجائب و آثار، علما و صلحاء کی ملاقات اور انبیاء و اولیاء کی زیارات کے حالات و واقعات احباب کو سنائے تو محبین و مخلصین اور ارباب صدق و صفا نے مجھ سے خواہش کی کہ یہ علمی و روحانی روداد سفر قلم بند کر دی جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی کچھ فوائد و برکات حاصل کر سکیں۔ چونکہ یہ روداد طویل تھی اور اس کے لکھنے کے لیے وقت چاہیے تھا لہذا جمالی نے اس کا بدل یہ تجویز کیا کہ برصغیر پاک و ہند کے مشائخ عظامؒ کا ایک تذکرہ لکھا جائے اور ارباب صدق و صفا کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں جمالی نے ایک خاص بات کی طرف اور بھی اشارہ کیا ہے کہ

جاہل مجاور اور نااہل معتقد ناواقف عوام سے ان بزرگوں کے متعلق خلاف واقعہ باتیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[1] :

''زیرا کہ بیشترے احوال و اعمال اسلوب و منوال ایں بزرگان اہل کمال بعضے مجاوران سہل و معتقدان نا اہل در صفوف افواہ مردمان ناوقوف سخنان مختلف غیر واقع انداختند و مستمعان مبہوت و نا ثبوت کہ بداں کلمات اعتقاد و اعتماد می نمایند ، باز دارم''۔

جمالی نے مستند ماخذ کی روشنی میں یہ تذکرہ مرتب کیا اور ''سیرالعارفین'' اس کا نام رکھا۔ انھوں نے یہ تذکرہ نصیرالدین ہمایوں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے لہذا اس کا زمانۂ تالیف بھی متعین ہو جاتا ہے۔ ہمایوں ۹۳۷ھ میں تخت نشیں ہوا اور جمالی کا انتقال ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ع میں ہوا لہذا یہ تذکرۂ صوفیہ 'سیرالعارفین'' ۹۳۸ھ/۱۵۳۱ع اور ۹۴۱ھ/۱۵۳۵ع کے درمیان مرتب ہوا اگرچہ مؤلف نے اس سلسلے کا کچھ مواد پہلے سے بھی لکھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[2] :

''بنا بر ایں معنی ہرچہ معلوم دانستہ و مرقوم یافتہ بودم مسودہ نمودم و ایں مجموعۂ معرفت را کہ اکثر احوال و اعمال صورت و سیرت عارفان صاحب کمال است، سیرالعارفین نام نہادم''

جمالی نے اس تذکرہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی ہے وہ یہ ہیں : طبقات ناصری ، تاریخ فیروز شاہی (برنی)، سیرالاولیاء ، خیرالمجالس ، فوائدالفواد ، طرب المجالس ، مناقب قطبی ، خزانۂ جلالی وغیرہ۔ انھوں نے بعض ثقہ اور واقف حال بزرگوں کی روایات اور یادداشتوں سے بھی مدد لی ہے اور مشائخ چشت کے ملفوظات ، سیرالاولیاء ، فوائد الفواد اور خیرالمجالس سے استفادہ کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ چشت سے منسوب ملفوظات انیس الارواح، دلیل العارفین ، فوائدالسالکین ، اسرارالاولیاء ، راحت القلوب ، افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین وغیرہ یا تو وجود میں نہیں آئے تھے یا ان کو جمالی نے خود ہی مسترد کر دیا اور ان کا ذکر بھی مناسب نہیں سمجھا۔

جمالی نے سیرالاولیاء ، خیرالمجالس اور فوائدالفواد سے سب سے زیادہ استفادہ

---

۱ - سیرالعارفین ص ۴ -

۲ - سیرالعارفین ص ۴-

کیا ہے اور ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ سیرالعارفین میں منقول روایتوں کی ان کتابوں سے نشاندہی کر دیں۔

جمالی کا یہ تذکرہ عہد سلاطین کے مشائخ و صوفیہ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اس وقت تک برصغیر میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلے کے مشائخ نے اپنا کام شروع کیا تھا اور یہ مشائخ مسلم معاشرہ کی تعمیر و تہذیب میں مشغول تھے ان کی سرگرمیاں لاہور و ملتان سے لے کر بنگال و بہار تک برگ و بار لا رہی تھیں اور مسلم معاشرے کو استحکام بخش رہی تھیں۔ سیرالعارفین میں چشتیہ سلسلے کے چھ مشائخ (۱) خواجہ معین الدین چشتیؒ (۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (۳) بابا فریدالدین گنج شکرؒ (۴) خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۵) شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ (۶) شیخ نجیب الدین متوکلؒ ـــاور سہروردی سلسلے کے سات شیوخ (۱) شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ (۲) شیخ صدرالدین عارفؒ (۳) شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ (۴) شیخ حمیدالدین ناگوریؒ (۵) مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (۶) شیخ جلال الدین تبریزیؒ (۷) شیخ سماء الدین کمبوہؒ کے حالات شامل ہیں۔

ان تیرہ مشائخ کے حالات مستقل ابواب کے تحت ہیں لیکن ضمنی طور سے بہت سے مشائخ و صوفیہ کے حالات و واقعات اس کتاب میں آ گئے ہیں۔

پاکستان کی علمی و روحانی اور ثقافتی و تہذیبی تاریخ کے اعتبار سے سیرالعارفین ایک اہم تذکرہ ہے۔ پاکستان کے ممتاز اجل مشائخ (۱) بابا فریدالدین گنج شکرؒ (۲) بہاءالدین زکریا ملتانیؒ (۳) صدرالدین عارفؒ (۴) شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ (۵) مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (اوچ) (۶) نجیب الدین متوکلؒ برادر بابا فرید گنج شکرؒ اور (۷) شیخ سماءالدین کمبوہؒ (ملتانی) نیز اور بہت سے دوسرے پاکستانی مشائخ کی روحانی و تبلیغی کوششوں اور مساعی جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ گویا سیرالعارفین پاکستان کے عہد سلطنت کے مشائخ و صوفیہ کی روحانی سرگرمیوں کا ایک مرقع ہے۔

سیرالعارفین میں جمالی نے اپنے سفر کی جو مختصر سی روداد جا بجا قلم بند کر دی ہے اس سے اس کی قیمت میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔ علمی و ثقافتی تاریخ کی تدوین کے سلسلے میں یہ اشارات نہایت قیمتی ہیں۔ برصغیر کی علمی و ثقافتی، روحانی اور معاشرتی زندگی کے متعلق بھی ہمیں سیرالعارفین میں بعض قیمتی

اشارے ملتے ہیں اور یہ اشارے علمائے تاریخ کے لیے مستقل دعوت فکر دیتے ہیں۔ جمالی، قلندروں اور حیدری و طوسی درویشوں کا بالخصوص ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ باطنیوں اور قرامطیوں کے سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ سیرالعارفین میں چشتیہ سلسلے کی صابری شاخ کے شیوخ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ تاریخ تصوف کا یہ المیہ ہے کہ عہد سلطنت کے تاریخی ماخذ یا بعض دوسرے سوانحی ادب و ملفوظات میں شاہ صابر اور ان کی شاخ کا مطلق ذکر نہیں ملتا۔ سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں یہ شاخ برگ و بار لاتی ہے۔ جمالی پر تعصب کا بھی الزام عائد نہیں ہوتا کیونکہ وہ سہروردی سلسلے سے منسلک ہیں اور ایک باخبر اور غیر جانبدار تذکرہ نویس اور وقائع نگار ہیں۔

سیرالعارفین سے بعد کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے خاصا استفادہ کیا ہے۔ تاریخ فرشتہ کے آخر میں مشائخ کے جو حالات شامل ہیں، وہ سیرالعارفین کی کامیاب تلخیص اور انتخاب ہے۔ دور جدید کے تذکروں مثلاً آب کوثر اور بزم صوفیہ وغیرہ میں اس دور کے مشائخ کے حالات کے لیے تذکرہ سیرالعارفین ایک خاص ماخذ رہا ہے۔ غرض برصغیر کے عہد سلطنت کے مشائخ و صوفیہ کی تذکرہ نویسی کے سلسلے میں سیرالعارفین کی اہمیت مسلمہ ہے[1]۔

سیرالعارفین کا فارسی متن صرف ایک مرتبہ ۱۳۱۱ھ میں رضوی پریس دہلی میں طبع ہوا تھا۔ ہم نے اسی نسخے سے ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ کے اصل صفحے کا حوالہ دے دیا ہے۔ ترجمہ میں اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ اصل متن کی پوری ترجمانی ہو، زبان سلیس اور سادہ اختیار کی ہے تاکہ پاکستان کے ہر علاقے کے لوگ مستفید ہو سکیں۔ حسب ضرورت مختصر حواشی بھی اضافہ کیے ہیں اور پیراگراف اور سرخیاں بھی۔

سیرالعارفین کا اردو ترجمہ ۱۳۱۹ھ میں شیخ غلام احمد (ف ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) ولد غلام محمد سنبھلی نے ایک فارسی خطی نسخے سے کیا تھا جو ۱۱۲۷ھ کا مکتوبہ تھا۔ یہ ترجمہ صرف دو سو کی تعداد میں شمس المطابع و عرش المطابع

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' میں سیرالعارفین پر تنقیدی اشارے کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو خیرالمجالس کا مقدمہ از خلیق احمد نظامی ص ۱۲-۱۷۔

مرادآباد سے شائع ہوا تھا ۔ ترجمہ پرانے انداز کا ہے ۔ مترجم نے بعض جگہ تلخیص سے بھی کام لیا ہے ۔ انہوں نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ۔ پہلے حصے میں (۱) خواجہ معین‌الدین اجمیریؒ (۲) شیخ زکریا ملتانی (۳) خواجہ بختیار کاکی (۴) بابا فریدؒ (۵) صدرالدین عارف (۶) نظام‌الدین اولیاء اور شیخ جمالی کے حالات شامل ہیں ۔ اور دوسرے حصے میں بقیہ سات مشائخ کے ۔ شیخ جمالی کے حالات دوصفحات پر مشتمل ہیں جو مترجم نے خود شامل کیے ہیں لیکن اس اضافہ کی صراحت کہیں نہیں کی ہے ۔ مترجم نے ایک آدھ جگہ اور بھی ایسا اضافہ کیا ہے مثلاً شیخ سماءالدین کے حالات میں پانچ اشعار کا ایک قطعۂ تاریخ شامل کیا ہے جو متن کتاب میں موجود نہیں ہے اور یہ قطعۂ تاریخ مخدوم‌جہانیاں جہاں گشتؒ سے متعلق ہے مگر شیخ غلام احمد سنبھلی نے اس کو شیخ سماءالدین سے متعلق کر دیا ہے ۔

یہ ترجمہ (بار اول) نہایت کمیاب ہے ۔ جناب محمد اقبال مجددی لاہور کے ذخیرۂ علمیہ سے ہمیں یہ نسخہ ملا جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں ۔

مقابلے کے وقت بعض اختلاف نسخ ہم نے اس ترجمے سے بھی دیے ہیں اور اس کو نسخۂ اول سے تعبیر کیا ہے ۔ سیرالعارفین کا ایک فارسی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں بھی محفوظ ہے ۔ کتابت کے اعتبار سے یہ نسخہ بہت اچھا ہے ۔ یہ نسخہ بھی ہمارے پیش نظر رہا ہے ۔ در اصل یہ نسخہ سیرالعارفین کی تلخیص ہے جو ایک صاحب سید عبدالقادر عرف عبدالمقتدر خاں نے کی ہے ۔

میں جناب اشفاق احمد صاحب ڈائرکٹر مرکزی اردو بورڈ (لاہور) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو بورڈ کی مطبوعات میں شامل کرکے علم و ادب اور تاریخ کی ایک اہم خدمت انجام دی ۔

میں مخدومی پیر حسام‌الدین راشدی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک مفصل مقدمہ تحریر فرمایا جس میں انہوں نے جمالی کی سیرت و سوانح پر سیر حاصل بحث کی ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے ۔

مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشیں ساہن پال شریف بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک قطعۂ تاریخ طبع مرحمت فرمایا ۔

میں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، میاں جمیل احمد شرقپوری صاحب اور علامہ اقبال احمد فاروقی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان حضرات نے مفید مشورے دیے ۔

جناب محترم حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری ، جناب حکیم محمود احمد برکاتی، عبدالرؤف عروج ، معین الدین عقیل بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان حضرات کے کتب خانوں سے بعض کتابیں مجھے ملیں -

کتاب کے آخر میں ہم نے عہد سلطنت کے بادشاہوں کی تخت نشینی کی ایک جدول بطور ضمیمہ شامل کر دی ہے - اسی طرح کتابیات اور اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا ہے -

محمد ایوب قادری

اے/۱۷۴/این بلاک ،
نارتھ ناظم آباد ، کراچی ۳۳

۱۴ ستمبر ۱۹۷۵ء
۷ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

مقدمہ

نام :
کتابوں میں جمالی کو مختلف طریقوں سے یاد کیا گیا ہے - درویش جمالی[1] مولانا جمالی[2]، ملا جمالی[3]، شیخ جمالی[4] اور ان کے نام کے متعلق مختلف روایتیں موجود ہیں جن کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں :

۱ - **اخبار الاخیار** کے مصنف نے ان کا اصل نام جلال خاں لکھا ہے - نام کی رعایت سے پہلے انھوں نے جلالی تخلص اختیار کیا اور بعد میں اپنے پیر و مرشد مولانا سماء الدین کے ارشاد پر بدل کر ''جمالی'' کر دیا[5] - صبا نے اپنے تذکرہ روز روشن میں اسی کا تتبع کیا ہے[6] نیز خزینۃ الاصفیاء نے بھی اسی طرح لکھا ہے - مرأۃ المعانی، میں سماء الدین کے مدحیہ اشعار کے آخر میں یہ بیت آئے ہیں :

از جمالش شد جمالی آفتاب	زاں جمالی را جمالی شد خطاب
از جمالش در جمالم نور خاست	نسبت من بر جمالش گشت راست
نسبت من با جمال اوبس است	در جمال من کمال او بس است

شاید ان ہی اشعار کی بنا پر تذکرہ نگاروں نے جمال خاں نام اخذ کیا ہے - اس سے اتنا واضح ہے کہ جمالی تخلص مرشد کا دیا ہوا ہے -

---

۱ - ایتھے ۲۶۳، اسٹوری ص ۹۷۰ -
۲ - مخزن الغرائب ص ۵۱۱، آثار صنادید ص ۴ -
۳ - ریاض الشعراء ورق ۸۲ -
۴ - بدایونی ۱ : ۳۲۳، ہفت اقلیم ۱ : ۳۷۰، اخبار الاخیار ص ۲۲۷، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۸۴، طبقات اکبری ۱ : ۳۴۰، تاریخ مہدی حارثی (اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء) ص ۷۵ -
۵ - اخبار الاخیار ص ۲۳۷، ص ۲۲۸ -
۶ - صبا ص ۱۰۴، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۸۴ -

۲ - **منتخب التواریخ** میں بدایونی نے تین مواقع پر ان کا ذکر کیا ہے :
(الف) : سکندر لودھی کے ساتھ شاعرانہ صحبتوں کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
"صحبت او (سکندر) بشیخ جمالی ازیں رہگذر خوش برآمدہ بود"[1]
(ب) : دوسری مرتبہ شعرائے عہد سکندری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :
"از جملہ شعرائے عصر سکندری شیخ جمالی کنبوی دہلوی مذکور است"[2]
(ج) : آخری مرتبہ ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ
"دریں سال (۹۴۲ھ) جمالی کنبوی دہلوی از عالم فنا بملک بقا رسید"[3]
تینوں مرتبہ ان کا نام نہیں لیا ، فقط تخلص سے یاد کیا ہے - ایک اور جگہ شیخ عبداللہ تلنبی کے ذکر میں ان کے نام آور شاگردوں کے نام گناتے ہوئے لکھا ہے :
"زیادہ از چہل عالم نحریر متبحر از پائے دامن شیخ عبداللہ مثل میاں لادن (عبدالغفور) و جمال خاں دہلوی و شیخ گوالیاری و میراں سید جلال بداؤنی و دیگراں برخاستہ اند" -[4]

جمالی اور شیخ لادن مذکور ایک ہی پیر یعنی شیخ سماء الدین کے مرید تھے اور جمالی نے سیر العارفین میں کئی جگہ ان کا نام لیا ہے - ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے مقالے میں اسی بنا پر قیاس سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ
"قرین قیاس ہے کہ اس جمال خاں دہلوی سے مراد مولانا جمالی ہی ہیں اور اس طرح اخبار الاخیار کی ایک گونہ تائید ہو جاتی ہے" -[5]
ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ میں دو طرح سے نام لیا ہے - جمال خاں اور جلال خاں، اخبار الاخیار میں جلال خاں مرقوم ہے اور بدایونی نے جمال خاں لکھا ہے - ظاہر ہے کہ ڈاکٹر نذیر احمد کا یہ خیال یا قیاس صحیح نہیں ہے -

---

۱ - بدایونی ۱ : ص ۳۲۳ -
۲ - بدایونی ۱ : ۳۲۵ -
۳ - بدایونی ۲ : ۳۴۷ -
۴ - بدایونی ۱ : ۳۲۴ -
۵ - خسرو ثانی شیخ جمالی دہلوی مطبوعہ مجلہ "اردو ادب" ج ۴ شمارہ ۱ ص ۱۱۳
آئندہ جہاں ڈاکٹر نذیر احمد کا نام آئے تو یہی مقالہ سمجھنا چاہیے -

۳ ۔ **تاریخ مہدی حارثی** میں نام شیخ جمالی کنبوی دہلوی شاعر مشہور از مشائخ طریقت مرقوم ہے[1] ۔

۴ ۔ **تذکرۂ حسینی** میں حاجی جلال خاں جمالی کنبوی دہلوی نام آیا ہے[2] ۔

۵ ۔ **شمع انجمن** میں صدیق حسن خاں نے دو نام دیے ہیں :

''نامش شیخ فضل اللہ یا جمال خاں''[3] ۔

۶ ۔ **خزانۂ عامرہ** میں آزاد نے جمال خان یا جلال خان چھوڑ کر ان کا نام فضل اللہ لکھا ہے ۔

''شیخ جمالی دہلوی......نامش شیخ فضل اللہ است''[4] ۔

۷ ۔ **آثار صنادید** میں سرسید نے دو نام دیے ہیں :

''شیخ فضل اللہ معروف بہ جلال خاں مولانا جمالی''[5] ۔

۸ ۔ **مجمع النفائس** میں خان آرزو نے نہ فقط نام فضل اللہ لکھا ہے بلکہ جمالی کا ایک شعر بھی سند کے طور پر دیا ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ شعر کس سلسلے میں شیخ نے لکھا ہے کیونکہ سیر العارفین سے اس کی نفی ہوتی ہے ۔ خان آرزو لکھتے ہیں :

''جمالی دہلوی ، نامش فضل اللہ است''

شعر ہے :

نامم ازاں جمال فضل اللہ آمدہ کز فضل آن جمال ، فزوں شد فضائلم

۹ ۔ **نتائج الافکار** میں ہے :

''مردمک دیدۂ خوش مقالی شاہ فضل اللہ جمالی''[6] ۔

---

۱ ۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء ص ۷۵ ۔

۲ ۔ تذکرہ حسینی ص ۸۳ ۔

۳ ۔ شمع انجمن ص ۱۰۶ ۔

۴ ۔ خزانہ عامرہ ص ۱۷۷ ۔

۵ ۔ آثار الصنادید ص ۱۷۴ - ۲۷۴ ۔

۶ ۔ نتائج الافکار ص ۱۵۳ ۔

۱۰ - اودھ کیٹالاگ میں اسپرنگر نے کتاب ''بیان حقایق احوال سید المرسلین'' کے تحت فضل اللہ جمالی دہلوی نام دیا ہے[1]۔ نذیر احمد کا خیال ہے کہ ''سیر العارفین'' میں شیخ نے ایک جگہ اپنا نام ''جمالی فضل اللہ'' بتایا ہے جس کے درمیان ''ابن'' چھوٹ گیا ہے ۔ اس مغالطہ کی بنا پر اسپرنگر نے یہ نام دیا ہے[2] لیکن اسپرنگر نے جس کتاب کے تحت یہ نام دیا ہے وہ جمالی دہلوی کی نہیں بلکہ جمالی اردستانی کی کتاب ''مصباح الارواح'' (تصنیف ۸۶۸ھ) کا ایک حصہ ہے جس کا ذکر تصانیف کے سلسلے میں آ رہا ہے ۔

۱۱ - سیر العارفین :

اب دیکھنا یہ ہے کہ شیخ جمالی نے ''سیر العارفین'' میں خود اپنا نام کس طرح دیا ہے ۔ ہمارے سامنے اس کا مطبوعہ نسخہ (مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۱ھ) ہے جس کے دیباچہ میں شیخ نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے :

''معتقد اہل اللہ حامد بن فضل اللہ ، الراجی الی حضرۃ المتعالی المعروف بہ درویش جمالی''

سیر العارفین کے جتنے خطی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں یہی نام آیا ہے[3] پس ظاہر ہے کہ شیخ کا نام حامد تھا ، والد کا فضل اللہ اور تخلص جمالی تھا ۔ فہرست نگاروں نے مختلف خطی نسخے دیکھ کر یہی نام لکھا ہے ۔

قوم :

کنبوہ قبیلے سے جمالی کا تعلق ہے جو پنجاب ، یو پی ، اور نواح دہلی میں بکثرت آباد ہے ۔ یہ لوگ بنیادی طور پر زراعت پیشہ تھے ۔ جنھوں نے تعلیم پائی ، وہ دینی اور دنیوی مناصب پر فائز ہوئے جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے :

''خدمات شرعیہ دارالخلافہ دہلی ، مثل قضا و افتا اکثر بہ قوم کنبوہ تعلق داشت و دارد''[4]

---

۱ - اسپرنگر ص ۴۴۶ -

۲ - اردو ادب ص ۱۱۳ - ڈاکٹر نذیر احمد نے یہ حوالہ خطی نسخے کا دیا ہے جو ندوہ کے کتب خانے کی ملک ہے اور اس کے ۴۸ ورق پر یہ نام آیا ہے ۔

۳ - دیکھیے : ایتھے ، ریو ، اسٹوری ۹۶۸ - ڈاکٹر نذیر احمد نے ایک خطی نسخہ میں احمد بن فضل اللہ دیکھا ہے ۔ ظاہر ہے یہ کاتب کی غلطی ہے ۔

۴ - خزانۂ عامرہ ص ۱۷۷ -

جمالی بھی ایک ایسے ہی گھرانے میں پیدا ہوئے جو دینی تعلیم کے لحاظ سے اپنے دور میں معزز و محترم تھا ۔

تولد ، والد ، تعلیم و تربیت :

جمالی کب پیدا ہوئے ، یہ کہیں سے معلوم نہ ہو سکا ۔ اگر وفات کے وقت (۹۴۲ھ) ہم ان کی عمر ۸۰ برس قرار دیں تو ان کی ولادت کا سال ۸۶۲ھ بنتا ہے ایتھے نے سفینۂ خوشگو کی سند پر لکھا ہے کہ وہ دہلی کے نزدیک (نواح میں) پیدا ہوا ۔ اسی نزدیکی اور قیام دہلی کی وجہ سے وہ دہلوی کہلائے ۔

اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اور تعلیم و تربیت سب ان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے :

"او را پدر او یتیم گذاشتہ بود ، بنا بر استعداد و قابلیت کہ داشت ، تربیت یافت و کسب کرد و شاعر شد"[1]

ان کے ظاہری استادوں کا پتہ نہیں چلتا ۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم جہاں بھی اور جس طرح بھی پائی وہ مکمل تھی اور جب سفر کو نکلے ہیں تو دینی اور دنیوی علوم میں ان کو کامل مہارت اور دسترس حاصل تھی ۔ یہی سبب تھا کہ سفر میں اپنے دور کے جید علماؑ ، مشائخ اور شعراء سے وہ برابری کی حیثیت سے ملتے رہے ۔ اور ان سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے ۔ سفر میں مخدوم بلال سندھی نے ان سے "عوارف المعارف" کے چند مقامات پڑھے ، ان کی علمی مہارت کو دیکھتے ہوئے شیخ شہاب الدین سہروردی کے سجادہ نشین نے "عوارف" کا وہ نسخہ انہیں دے دیا جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا ۔ ملتان میں مولانا کمال الدین حسینی سے بیحد تعلقات بڑھے ۔ احیاء العلوم اور عوارف المعارف پر ان کو کامل دسترس تھی ۔ ظاہر ہے کہ دونوں کے مابین بہت سے علمی موضوعات زیر بحث آئے ہوں گے ۔ مولانا جامی سے ملے تو برابری کی حیثیت سے ملے ، شعر سنائے اور ان کے مہمان خانے میں مقیم ہوئے ، لمعات کے سلسلے میں بات نکلی تو جامی سے اختلاف کیا چنانچہ ان کا نظریہ برحق ثابت ہوا ۔ ہرات میں اس وقت جتنے مشاہیر علم و عرفان تھے ان کے

---

۱ ۔ اخبار الاخیار ص ۲۲۸ ۔

ساتھ دوستی اور مخلصانہ روابط قائم کیے ۔ تبریز پہنچے تو وہاں کے لوگ ان کی ادبی استعداد سے متاثر ہوئے اور عصار تبریزی کے پہنچنے پر مثنوی لکھنے کی فرمایش کر دی ۔ چنانچہ مہرو ماہ ، اس فرمایش کا نتیجہ ہے ۔ ان کی شاعری اور ان کی نثری کتاب ان کی ادبی اور دینی مہارت اور عرفانی ذوق کی آئینہ دار ہیں ۔

ظاہری اساتذہ میں بدایوں والے جمال خاں دہلوی کا نام دیکھ کر ڈاکٹر نذیر احمد نے مولانا عبداللہ تلنبی (متوفی ۹۲۲ھ)[1] کو ان کا استاد قرار دیا ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا ، اگرچہ شیخ لاڈن کی دوستی کی وجہ سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مولانا عبداللہ تلنبی جیسے عدیم النظیر عالم سے جمالی کے اگرچہ شاگردی اور استادی کے تعلقات نہ سہی لیکن روابط ضرور ہوں گے اور ان کی صحبتوں سے علمی فائدہ ضرور پہنچا ہوگا ۔

جمالی نے اپنے ترک تعلیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے :

"دراں زماں بخاطرم گزشت کہ فی الحال بعد از ترک تعلیم ظاہر کیرم و بصفائی باطنی کلی مشغول گردم ، این معنی کہ در دلم گزشت فی الحال بدیشاں مکشوف گشت ، برفور فرمودند کہ تعلیم کہ بنائے شرع است و اساس دینی بداں برپا است ، ترک نباید کرد ! از خدای تبارک و تعالی خواستہ ام کہ اصل ظاہر و باطن از تو فائدہ گیرند"[2]

اور ویسے معلوم ہوتا ہے کہ جمالی ابھی تکمیل درس کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا میلان تصوف کی طرف ہو گیا ۔ اور ظاہری تعلیم کو ترک کرکے صفائی باطن کے لیے مرشد کی خدمت میں رہنے کی سوچی چنانچہ ان کے پیر شیخ سماءالدین کنبوہ نے جو ان کے خالو[3] اور بعد میں خسر ہوئے ، ایسا کرنے سے روکا جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے ۔

شیخ سماء الدین پیر طریقت (دہلی)

شیخ سماءالدین کنبوہ ملتان کے رہنے والے تھے ۔ بعد میں ترک وطن کر کے دہلی میں آ کر مقیم ہوئے اور ایک عرصے تک رنتھنبور میں بھی ان کا قیام رہا ۔ اپنے دور کے جید عالم اور برگزیدہ شیخ طریقت تھے ۔ جمالی نے لکھا ہے :

---

۱ ۔ تاریخ وفات ہے اولئک لھم درجات العلیا ۔ بدایونی ۱ : ۳۲۵ ۔

۲ ۔ سیرالعارفین ص ۱۷۵ ۔

۳ ۔ ریاض الشعرا' نسخہ خطی باب ج ۔

''اگرچہ از جملہ مشائخ کبار متاخرین بود ـ فاما از روی علم ظاہر و باطن ، آثار جنید و بایزید در اطوارش می نمود ، در جذب خواطر تصرفے عظیم داشت''[1]

جمالی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خدمت میں مدارج عرفانی اور علوم روحانی طے کر کے مقامات اعلیٰ پر فائز ہوئے ـ جمالی نے سیرالعارفین میں ان کا حال لکھا ہے اور اپنے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے ـ کئی قصائد ان کی مدح میں کہے ہیں اور مثنوی ''مہرو ماہ'' ان ہی کے نام معنون کی ہے ـ اور مثنوی ''مرأۃالمعانی،، میں نہ فقط ابتدا' میں ان کی مدح کی ہے بلکہ پوری مثنوی میں مرشد سے انتساب کیے ہوئے عرفانی کیفیت کا پرتو موجود ہے ـ جمالی نے فقط روحانی اور باطنی علوم اپنے مرشد سے حاصل نہیں کیے بلکہ ان کی مجلس اور صحبت میں رہ کر ظاہری علوم کا استفادہ کرتے رہے ـ جمالی اکثر اپنے پیر کی خدمت میں رہا کرتے تھے ـ سیرالعارفین میں لکھا ہے کہ

''سالہا ایں حقیر بملازمت و خدمت آنحضرت می بود و بدیدۂ ظاہر و باطن معاینہ می نمود و روش و اخلاق آن مرشد آفاق حیرتم می افزود .. ایں حقیر از نماز نیم شب تا نماز اشراق از حضرت ایشاں منفک نمی گشت ، کلوخ استنجا از بیرون شہر در سبدہا نہادہ برسر کردہ می آورد و آب وضو نیز مہیا می داشت و بدست مبارک ایشاں می ریخت ،،[2]

اسی طرح مسلسل حاضری میں وہ وقت بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جس وقت ان کے پیرو مرشد مجلس درس منعقد کیا کرتے تھے ، لکھا ہے :

''بعد از تفرج نماز چاشت و اشراق کہ مشغول سبق و درس علما' و صلحا' می شدند ، نیز حاضر می بود ، بمقدار نیم روز در تدریس اشتغال می نمودند ، بیشترے درس گفتن حضرت ایشاں تفاسیر و احادیث و اصول فقہ بہ بعض طالب علماں کہ پائے دانشمندی داشتند ، بود[3]''

اسی طرح حضرت شیخ سماءالدین کنبوہ نے جمالی کو جہاں روحانی بلندی بخشی

---

۱ ـ سیر الاولیا' ص ۱۷۱-۱۷۲ ـ
۲ ـ سیرالعارفین ص ۱۷۵ ـ
۳ ـ سیرالعارفین ص ۱۸۳ ـ

وہاں ظاہری علوم میں بھی ان کی تربیت کی اور اس طرح دینی اور دنیوی علوم میں ان کو اعلیٰ اور ارفع مراتب پر پہنچا دیا ۔

حضرت شیخ نے ۹۰۱ھ میں وفات پائی ۔ جمالی اس وقت ان کی خدمت میں موجود تھے ۔ وفات سے چند دن پہلے پیر نے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ بیابانی کو دیکھنے کی آرزو کی جو مدت مدید سے ترک دنیا کر کے بیابانوں اور جنگلوں میں زندگی گزار رہے تھے ۔ جمالی ڈھونڈ کر لانے کو تیار ہوئے ۔ اور حضرت شیخ نے محبت آمیز خط لکھ کر دیا جس میں یہ بیت لکھا تھا ۔

طاقت و صبر مرا نیست بریں ہجر طویل   قدم زود بنہہ بر سر این پیر علیل

لیکن دفعتاً جمالی کو جانے سے روک دیا ۔ دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب تھا لہذا پیر نے جمالی کو اپنے جنازے سے دور رکھنا نہ چاہا ۔ چنانچہ ہفتے بھر کے بعد بتاریخ ۱۷ جمادی الاولی حضرت کا انتقال ہو گیا ۔ تاریخ وفات جمالی نے کہی ہے ۔

مرشد انس و ملک شاہ سماءالدین چو رفت
اے جمالی بر سریر عرش آمد جائے او
ہشت خلد آمد بنام او ، اگر پرسد کسے
سال تاریخش بگو : ہشت آمدہ بر نام او[1]

جمالی نے جو بہت درد ناک مراثی بصورت ترکیب بند کہے ہیں ، ان میں سے ایک مرثیے کا ایک بند یہ ہے :

اے دیدہ! خوں بریز کہ دلدار غائب است   یعنی جمال آں مہ رخسار غائب است
اے ظلمت شبم رخ آفاق را بپوش   کاں آفتاب عالم انوار غائب است
شیخے کہ سر حق ، زلبش می شنود حق   اکنوں میان عالم اسرار غائب است
در غار غم روید ، کہ آں یار غار دیں   ہمچوں نبی، کنوں بدل غار غائب است

---

۱ ۔ سماءالدین کے (۱۹۶) ہوتے ہیں اس میں ''ہشت'' کے (۷۰۵) جوڑنے سے ۹۰۱ھ بنتے ہیں ۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے تاریخ کہی ہے :

سماءالدین ولی سہروردی   کہ در ارض و سما حکمش رواں شد
چو ازحکم قضا رخت سفر بست   ''قضا'' تاریخ ترحیلش ، بیاں شد
۹۰۱ھ
مگر مہتاب جنت گشت روشن   ہم ''عارف متقی'' سالش عیاں شد
۹۰۱ھ   ص ۲:۲۶

زاں جاں ہمی کنیم کہ جاناں ہفت روی　　زاں غم ہمیں خوریم کہ غمخوار غائب است
انوار آں جمال ہمہ معنی محیط ماست　　گر صورتش زدیدۂ خونبار غائب است
یارب! چہ حالت است کہ، امروز درجہاں　　صبر و قرار از دل ابرار غائب است
یعنی ساہنۂ ملت و دیں، زیر خاک شد　　زیں غم ہزار جامۂ اسلام چاک شد[1]

جمالی نے لکھا ہے کہ آپ کا مدفن حوض شمسی کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ جگہ آپ نے اپنی زندگی میں منتخب فرمائی تھی[2]۔ شیخ کی دو کتابیں مشہور ہیں۔

۱ - شرح لمعات

۲ - مفتاح الاسرار　　(منقول از رسائل شیخ عزیز نسفی)

آپ کے صاحبزادوں میں شیخ عبداللہ بیابانی مجذوب الحال اور صاحب کشف و کرامات تھے[3]۔ زندگی ویرانوں اور بیابانوں میں گزاری۔ جمالی نے ان کے کئی قصے سیرالعارفین میں لکھے ہیں[4]۔ عبداللہ کی وفات پر جمالی نے مرثیہ لکھا جس کا بند دوم یہ ہے:

یعنی از روئے زمیں مطلع انوار برفت　　قرۃالعین سماءالحق ازیں دار برفت
در بیاباں بلا ما ہمہ سر گردانیم　　پیشوائے دل و دین قافلہ سالار برفت
دل بر آریم زجاں، جاں بدر آریم زتن　　دل و جاں راچہ تواں کرد کہ دلدار برفت
جگرم پارہ شد و سینہ پر افگار بماند　　سیل خوں دمبدم از دیدۂ رخسار برفت
کوہ را طاقت آں نیست کہ ایں بار کشد　　آنچہ بر جانِ من خستہ، دریں بار برفت
می خلد خارِ غم، اندر جگر و سینہ از آنکہ　　گل رعنائے من از عرصۂ گلزار برفت
باز جنبید ندانم ز کجا سیل فنا　　کہ ازو خانہ دغدار ز دیوار برفت

---

۱ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ء ص ۱۵۴ -
۲ - سیرالعارفین ص ۱۸۴ - گلزار ابرار میں وفات کا سال ۹۰۹ھ لکھا ہے جو غلط ہے (ص ۲۰۹) -
۳ - رک : اخبار الاخیار ص ۲۱۲ -
۴ - گلزار ابرار ص ۲۲۵ -

طالبان از غم او جامۂ جان پاک زدند
خویش را سینہ در آتش زدہ بر خاک زدند[1]

شیخ سماءالدین کے اپنے استاد سناءالدین تھے جو میر شریف جرجانی کے شاگرد تھے - جمالی نے اپنے پیرو مرشد کی مدح میں بہت کچھ کہا ہے جو ان کے دیوان میں موجود ہے - ایک قصیدے کے کچھ اشعار یہ ہیں :

عاشق عریان تن ار لشکر ندارد پادشاست
دود آهش چتر مسکیں اشک رنگیں لشکر است
سرور دنیاست کو پوشد قبائے ہفت رنگ
چوں گدا یک رنگ باشد در دو عالم سروراست
ہر کرا در معرفت نور بصر سنجیدہ گشت
پیش چشم روشنش ہر ذرہ مہر انور است
روح را راح محبت دہ کہ آں جام جم است
قلب را بخشا صفا کائینہ اسکندر است
دل ز حرص و کینہ خالی کن کہ تا مونس شوی
خوک و سگ بردن بہ بیت‌اللہ کار کافر است
شو خلیل اللہ تا آتش گلستانت شود
بت پرست نفس نزد حق خلیل آذر است
پاس انفاس ار نداری باغ عمرت را خزاں است
ہر دمے کو را خدا ہمدم نباشد صرصر است

---

۱ - اردو ادب ص ۱۵۶-۱۵۷ بقول گلزار ابرار - علم اور معرفت میں کمال تھا - بیابانوں میں چاروں موسم آسمان کے نیچے گھاس کھا کر گزارتے تھے - کلام ربانی کا ایک بار روزانہ ختم کیا کرتے تھے - مدفن قلعہ مانڈو سے تین کوس پر جنوب اور مغرب کے گوشے میں موضع چھتری میں واقع ہے - آپ کا کوئی لڑکا نہیں تھا - چچا زاد بھائیوں میں ضعیف العمر شخص شیخ حسین تھے جن کے مراسم محمد غوثی سے تھے - ۱۰۰۷ھ میں انتقال ہوا - شیخ گھورن نامی ایک نابینا لڑکا چھوڑا (گلزار ابرار ص ۲۲۵ ، اخبار الاخبار ص ۲۱۲) -

ز آسمان گر تیغ بارد سر نخارد اہل دل
نیش سوزن بر دل نامرد زخم خنجر است
مرد را کردار عالی قدر گرداند نہ نام
ہر کسے کو را علی نام است نے چون حیدر است
از معانی افتخار سینہ عالم بود
عزت معدن نہ از کوہ است بل کز گوہر است
سرخی روئے منافق لالہ را ماند کہ او
اسودالقلب است اگرچہ رنگ رویش احمر است
نے کسے کہ اہل بیابان شد، دم وحدت زند
خون ہر آہوئے صحرائی نہ مشکِ اذفر است

یہ غزل کے اشعار ہیں جو مرشد کے قصیدے کے ضمن میں آئے ہیں :

در ہوائے مجلسش می خواند بلبل این غزل
زد گریبان تا بدامن چاک ازین گفتار گل
اے قدت شمشاد وعارض لالہ و رخسار گل
لالہ ات ریحان و قد شمشادت، آرد بار گل
در گلستان سنبل و نسرین بر افگن کز حیا
باز گردد غنچہ و باشد نہان در خار گل
تا نہان کردی رخ اے سرو روانم از نظر
من فشانم دمبدم از دیدۂ خونبار گل
در فراقت نالہ زار من آرد گر بگوش
از نوائے نغمۂ بلبل بود بیزار گل
باشد از خار جفائے عارض رنگین تو
چون دل بلبل ہمہ تن در چمن افگار گل
بر گلستان رخت ہر تار زلفت حلقہ زد
می نماید روئے تو از حلقۂ ہر تار گل
چشم من در انتظارت ہمچو نسرین شد سپید
تا بزلفین سیہ کردی و نہان اے یار گل

می سزد گرنایدت عاری ازین زار و ضعیف
زانکہ از خارے ندارد در گلستان عار گل
پیش مخدوم جہاں نامم چوں بلبل از غمت
زانکہ لطفش در اماں دارد ز جور خار گل

مثنوی مراۃالمعانی میں جمالی نے پیر کی مدح لکھی ہے :

از پس توحید نام مصطفےٰ
ہر کشایم مدح پیر مصطفےٰ
بلکہ واجب آمدہ بر ہر مرید
تابسازد نام او بر خود کلید
چوں کلید نام پیر آمد بدست
بر کشاید قفل ہر گنجے کہ ہست
ہر کہ اول ذات پیر خود شناخت
باخدا آخر تواند عشق باخت
ہرکہ او عاشق نہ شد برروئے پیر
از خدا ہرگز نشد نعمت پذیر
نعمت حق در جمال پیر داں
مظہر جامع کمال پیر داں
گر تو ذات پیر خود کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
وربہ پرسند آنچناں ذاتی کجاست
ظاہر و باطن بگو شاہ شما است
باطنش با نور حق پیراستہ است
ظاہرش نیز از رسول آراستہ است
ذات حق پاینده از انوار اوست
شرح احمد زنده ازکردار اوست
گر نبودی ذات او بعد رسول
دین احمد مرگ می کردی قبول
عین علم از تشنگی لب باز ماند
از لب خود دو لبش آبش چکاند
ذات پاکش معدن علم مجید
گوہر علم از وجودش شد پدید
گر نہ او دریائے وحدت می نمود
نام علم معرفت معدوم بود
آفتاب آسمان معرفت
نور او بیروں زادراک و صفت
صد جنید و ادہم و صد بایزید
در کمال او بگردد نا پدید
من کیم تا وصف ذات او کنم
یا مگر عزم صفات او کنم
ذات‌او چوں ذات‌حق‌راشامل‌است
ناقص آمد عقل گرچہ کامل است
من کہ فکرم نائب عقل کل است
برگلستان ثنایش بلبل است
آفتابش را دلم آئینہ ایست
نور مہر او مراء در سینہ ایست
لا جرم آئینہ چوں پرشد ز مہر
بر فروزد مہر ساں آئینہ چہر
ہرچہ دارم از طفیل ذات اوست
نور من از شعلۂ مشکات اوست

خاطر من کہ اندرو سہرش عیاں است — آفتاب آسماں جاوداں است
از جمالش شد جمالی آفتاب — زاں جمالی را جمالی شد خطاب
از جمالش در جہانم نور خاست — نسبت من با جمالش گشت راست
نسبت من با جمال او بس است — در جمال من کمال او بس است

طریقت

جمالی سہروردیہ طریقے میں منسلک تھے ، شیخ شہاب الدین سہروردی کے صاحب سجادہ سے بغداد میں شیخ نے صراحتاً اس کا اقرار کیا ہے ۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے عقیدت اسی بنا پر تھی اور شیخ بہاء الدین ان کے مرشد ہیں جو سہروردی سلسلے کی ہندوستان میں ایک اہم کڑی ہیں ۔ شیخ شہاب الدین کے مزار کی زیارت بھی اسی سلسلے میں ہے ۔ عوارف المعارف پر اتنا عبور تھا کہ لوگ اس کے بعض مسائل کی تشریح ان سے چاہتے تھے اور ''سیرالعارفین'' میں کئی جگہ اس کتاب کا ذکر آیا ہے ۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ شیخ جمالی نہ فقط اس سلسلے میں مرید تھے بلکہ اس طریقے میں ان کی اپنی حیثیت اور شخصیت بھی نہایت اہم تھی ۔ یہی سبب تھا کہ سفر کے دوران مختلف خانقاہوں میں ان کی بہت قدر و منزلت ہوتی تھی ۔

استعداد اور مزاج

جمالی طبیعت کے لحاظ سے نہایت دلیر ، بے باک اور گفتگو میں بے لاگ تھے ، حاضر جوابی میں جواب نہیں تھا ۔ مولانا جامی کی حاضر جوابی میں رعایت نہیں کی ۔ مجلس اور محفل میں جب بات کرتے تو پوری مجلس پر چھا جاتے تھے ۔ ان کے سامنے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی ۔ شیخ عبدالحق نے ایک جملے میں ان کی مزاجی کیفیت کو جامع طریقے سے بیان کر دیا ہے :

''مہابت صورت و معنی در ذات او تعبیہ یافتہ بود در محافل وارتکاب عزائم امور بغایت دلیر بود ، کمتر کسے را از اکابر در مجلس فرصت سخن دادی''[1] ۔

---

۱ ۔ اخبار ص ۲۲۸ ۔

۲ - عہد جمالی

علمی اور ادبی لحاظ سے

جمالی نے سلطان بہلول لودی (۸۵۵ - ۸۹۴ھ) کے دور حکومت میں آنکھیں کھولیں - تعلیم و تربیت پا کر ہوش سنبھالا - اور سکندر لودی کے عہد میں (۸۹۴ - ۹۲۳ھ) ان کو شہرت نصیب ہوئی - اس دور کی کوئی ادبی تاریخ یا تذکرہ موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس زمانے میں کون سے شاعر، اہل قلم، علماء اور فضلاء موجود تھے یا کون[1] سے شیوخ اور اصحاب طریقت تھے جن سے جمالی نے تربیت پائی یا متاثر ہوئے یا شعر و سخن کا ذوق پایا - ہمیں جو تاریخیں یا تذکرے قسم کی کتابیں ملتی ہیں وہ سب مغل دور میں لکھی گئی ہیں - جن سے اس کے دور کے متعلق بہت مختصر اور منتشر معلومات حاصل ہوتی ہیں اور جمالی کے عہد کی علمی اور ادبی تصویر واضح طور سے ہمارے سامنے نہیں آ سکتی[1] -

در حقیقت علمی، تاریخی اور ادبی تحریروں اور تحریکات کا یہ فقدان فیروز شاہ تغلق کی وفات (۷۹۰ھ) سے شروع ہوتا ہے اور اکبر کی تخت نشینی (۹۶۳ھ) تک پوری دو صدیاں رہا ہے - اس عرصے میں نہ کوئی نامی آدمی پیدا ہو سکا اور نہ

---

۱ - یہ تاریخیں ہیں جو مغل دور میں لکھی گئی ہیں جن سے منتشر معلومات حاصل ہوتی ہیں -

(۱) تاریخ شیر شاہ سوری - عباس خاں سروانی : یہ اکبر کے کہنے پر شیر شاہ کے حالات میں ۹۸۷ھ میں لکھی گئی - یہ کتاب ڈھاکہ سے شائع ہوئی ہے -

(۲) تاریخ داؤدی - عبداللہ : اس میں بہلول، سکندر، ابراہیم اور شیر شاہ کے حالات ہیں - جہانگیر کے دور میں مرتب ہوئی -

(۳) تاریخ سلاطین افاغنہ (معروف بہ تاریخ شاہی) احمد یادگار، یہ تاریخ ۹۸۰ھ کے بعد ابوالمظفر داؤد شاہ کی فرمایش پر لکھی گئی - اس میں سلاطین لودھی اور سور کے حالات ہیں - ←

فاضل ذکر اور کارآمد کتاب تصنیف ہوئی ہے ۔ عدم استحکام کی ان دو صدیوں کے طویل عرصے کو ہم تین دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں تا کہ صورت حال کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے ۔

(الف) فیروز کی وفات (۷۹۰ھ) سے لے کر بہلول لودی کی وفات (۸۹۴ھ) تک کا عرصہ جو پوری ایک صدی پر حاوی ہے ، بالکل مایوس کن اور علمی ، ادبی لحاظ سے بالکل خشک ہے ۔ نا اہل جانشینوں کی وجہ سے مرکزی حکومت کمزور ہو گئی ۔ صوبے خود مختار ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئے ۔ وہ امن و سکون اور یکسوئی کی فضا باقی نہیں رہی جو علم و

مندرجہ ذیل مغلوں کے دور کی عمومی تاریخیں ہیں ۔ جن کے ابتداء میں سلاطین ماضیہ کے ضمن میں لودھیوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔

(۴) تاریخ دولت شیر شاہی (۹۵۵ھ) : حسن علی خاں بہادر (متوفی ۹۵۷ھ) فقط شیر شاہ سوری کے دور سے متعلق ہے ۔

(۵) واقعات مشتاق ۔ عبداللہ (رزق اللہ) مشتاقی (متوفی ۹۸۹ھ) لودھی اور سور سلاطین کی تاریخ ۔ اس میں غیر تاریخی لیکن بہت دل چسپ مواد ہے ۔

(۶) افسانہ شاہان ۔ محمد کبیر بن شیخ اسماعیل : لودی اور سور سلاطین کے متعلق تاریخ ہے ۔

(۷) تاریخ خان جہانی (و مخزن افغانی) (۱۰۲۱ھ) خواجہ نعمت اللہ بن حبیب اللہ۔ یہ بہت اہم تاریخ ہے ۔ بہلول لودی سے شروع ہو کر جہانگیر کے زمانے (۱۰۲۱ھ) تک کے حالات درج ہیں ۔ یہ تاریخ دو جلدوں میں ڈھاکہ سے شائع ہوئی ہے ۔

(۸) طبقات اکبری (۱۰۰۱ھ) : خواجہ نظام الدین احمد ۔

(۹) منتخب التواریخ (۱۰۰۴ھ) : ملا عبدالقادر بدایونی ۔

(۱۰) تاریخ فرشتہ (۱۰۱۵ھ) : ہندو شاہ ۔

(۱۱) مآثر رحیمی (۱۰۲۵ھ) : عبدالباقی نہاوندی ۔

(۱۲) گلزار ابرار (۱۰۳۶ھ) غوثی مانڈوی : یہ تذکرہ علماء مشائخ کا ہے جہانگیر کے آخری ایام میں لکھا گیا ہے ۔ اس کا فارسی متن نہیں چھپا ہے اور ترجمہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۹ء) میں چھپا ہے جو اس وقت نایاب ہے ۔

(۱۳) اخبار الاخیار (۹۹۹ھ) ۔ عبدالحق محدث دہلوی : مشائخ اور علماء کا تذکرہ ہے ۔

ادب کے پھلنے پھولنے کے لیے ساز گار ہوئی ہے لہذا خسرو کے بعد کوئی بڑا شاعر پیدا نہ ہو سکا۔ ضیائے برنی کے بعد کوئی مورخ نہیں آیا۔ اور حضرت شیخ چراغ دہلیؒ کے بعد کوئی روحانی پیشوا اور مولانا احمد تھانیسری[1] کے بعد کوئی بڑا عالم سلطنت ہند میں پیدا نہ ہو سکا۔ یہ پوری صدی گویا علم اور عرفان کے سلسلے میں سکوت اور سکتے کی صدی رہی ہے۔

(ب) بہلول لودی کی تخت نشینی سے لے کر سلطان لودی کی وفات تک (۹۲۳ھ) کا عرصہ وہ ہے جس میں علمی اور ادبی تحریکات نے ایک کروٹ لی۔ کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ چند ایک اہل علم اور اہل قلم پیدا ہوئے۔ اصحاب عرفان و سلوک بھی ہوئے۔ مدرسے آباد ہوئے اور ایک بار پھر ہندوستان کی فضا ادبی، علمی اور عرفانی تحریکوں سے جاگ اٹھی۔ اس دور پر ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ یہی وہ دور ہے جس سے جمالی دہلوی کا سروکار ہے۔

(ج) تیسرا دور بابر سے (۹۳۲ھ) لے کر اکبر کی تخت نشینی (۹۶۳ھ) تک کا ہے جو ایک طرح سے پر آشوب رہا ہے۔ ابراہیم لودی کی غلط کاریاں، بابر کا تسلط (۹۶۲ھ) بابر کی وفات (۹۳۷ھ) شیر شاہ اور ہمایوں کا جنگ و جدل (۹۴۷ - ۹۵۰ھ) ہمایوں کا ایران چلا جانا (۹۵۰ھ) دوبارہ واپس آکر ہندوستان پر قبضہ کرنا (۹۶۲ھ) اس کی اچانک وفات اور اکبر کا تخت نشین (۹۶۳ھ) ہونا۔

یہ دور خاصا ہنگامہ خیز رہا ہے۔ خیال ہے کہ اس باہمی آویزش اور شکست و ریخت میں لودیوں کے دور میں جو کچھ لٹریچر پیدا ہوا ہوگا، اس کا اکثر حصہ ضایع ہو گیا۔ جمالی کی وفات اسی دور میں ہوئی اور یہی وہ دور ہے جو آئندہ کی علمی نشأۃ ثانیہ کا مقدمہ بنا کیونکہ ہندوستان کی مغل سلطنت کی بنیادیں اسی دور میں استوار ہوئیں، جس سلطنت کی آئندہ صدیاں علم و ادب کے لیے رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔

بہلول لودی سے لے کر سکندر لودی کی وفات تک (۹۲۳ھ) کا چالیس سالہ دور جمالی کی ذہنی اور فکری تربیت اور نشو و نما کا حقیقی دور ہے۔ ہمیں اس

---

۱ - اخبار الاخیار ص ۱۴۵-۱۴۶ -

سیاسی اور سماجی ملکی اور علمی ماحول کو جانچنا ہے ، جس سے جمالی متاثر ہوا ہوگا ۔

بہلول لودی کی تخت نشینی (۸۵۵ھ) کے بعد ہی سے کمزور حکومت کے ڈھانچے میں جان آئی ۔ از سرنو اس میں مرکزیت پیدا ہوئی اور ہندوستانی سلطنت کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پھر سے مرکز کے ساتھ جڑنے شروع ہوئے۔بہلول نے ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء میں جونپور تک اپنی سلطنت کو وسعت دی اور اپنا پورا وقت حکومت کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں صرف کر دیا ۔ یہی وجہ ہوئی کہ ایک بار پھر سیاسی اور سماجی وضع اور حالات میں ٹھہراؤ آ گیا ۔ استقلال کی صورت پیدا ہوئی ، معاشرے میں دوبارہ دل جمعی آئی اور علم و ادب کے پھلنے پھولنے اور ابھرنے کے اسباب از سرنو روشن ہو گئے ۔ بہلول کے بعد اس کا بیٹا نظام خان سکندر تخت نشین (۸۹۴ھ) ہوا ۔ یہ بہت بہادر اور مضبوط کردار کا بادشاہ تھا ۔ باپ نے جس حد تک سلطنت کو وسعت دی اور استحکام بخشا ، اس سے کہیں زیادہ اس نے اس کو وسیع تر اور قوی تر کر دیا ۔ سوا صدی کے بعد ملک کا بگڑا ہوا ماحول درست ہوا اور ایک ایسا معاشرہ بنا جو علمی ، ادبی اور عرفانی تحریکات کے لیے مناسب اور موزوں تھا ۔

سکندر پڑھا لکھا بادشاہ تھا ۔ علم و ادب سے شغف تھا ۔ خود شاعر تھا[۱] اور شعراء اور علماء کا دوست اور سرپرست تھا ۔ اس نے علوم کو مروج کرنے اور ادھر ادھر سے اہل علم کو بلا کر اپنے پاس جمع کرنے کی طرف توجہ دی ۔ مدرسے کھلے ، علمی محفلیں اور عرفانی مجلسیں پھر سے قائم ہو گئیں اور سوا سو سال کے بعد اجڑی ہوئی دہلی دوبارہ آباد ہو گئی ۔ خواجہ نظام نے بادشاہ اور اس کے دور کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے :

"گویند : سلطان سکندر بہ جمال ظاہری آراستہ و کمال معنوی پیراستہ بود ، و ایام سلطنت او نہایت ارزانی شد و امن و امان حاصل گشت ۔ سلطان ہر روز بار عام دادی و خود بداد خواہ وا رسیدی ۔ و گاہ از صبح تا شام و خفتن بہ معاملات مشغول بودی و نماز پنج وقت را در یک مجلس ادا می کرد ۔ در ایام سلطنت او دست تسلط زمینداران ہند کوتاہ شدہ بود و ہمہ مطیع فرمانبردار

---

۱ - بدایونی : ۱ : ۳۲۷ ۔ سکندر با شاعران نشست و برخاست بسیار داشت و خود ہم صاحب طبع بود ۔

نشته ، قوی و ضعیف یکساں شده ، در کارہا الطاف مرعی داشتی و بیشتر بر ہوائے نفس نہ رفتی و نہایت خدا ترس و برخلق مہرباں بود[1]"

ایسے مہربان ، انصاف پسند اور قوی حکم راں کے عہد میں ظاہر ہے کہ ہر لحاظ سے ملک نے ترقی کرنی شروع کی ۔ سکندر نے ملک میں بہت سی اصلاحات کیں ۔ جتنی انتظامی اور سماجی برائیاں تھیں ان کو ختم کیا ۔ انتظامی اصلاحات میں اس نے حساب اور بہی کھاتے کی زبان فارسی کر دی ۔ طوائف الملوکی کے دوران فارسی کا رواج ختم ہو چکا تھا ۔ پٹھان حکمرانوں کو فارسی سے چڑ تھی ۔ آخوند درویزه نے ان کی فارسی دشمنی کا ذکر اس طرح کیا ہے :

"بہ حکم آنکہ جہل و سختی برافغاناں غالب است ہر کہ در زبان فارسی نطق و تکلم کند او را دشمن گیرند"[2]

حساب کتاب ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا ۔ وہ پورا بہی کھاتہ اپنی زبان میں رکھتے تھے ۔ مسلمان یہ زبان نہیں جانتے تھے ، اس لیے حساب میں گڑبڑ رہتی تھی ۔ سکندر نے اس طریقے کو ختم کر کے فارسی کو رائج کر دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دفاتر میں غیر مسلم ملازموں کو فارسی سیکھنی پڑی ۔ چنانچہ اس روز سے ہندوؤں میں فارسی دانی کا آغاز ہوا ۔ جس میں آگے چل کر ہندوؤں نے کمال حاصل کیا اور ان گنت ادیب اور شاعر پیدا کیے ۔ اس عمل کے بعد سوائے فارسی کے کسی اور مقامی زبان کا عمل دخل نہ رہا ۔

سکندر کی علم دوستی اور ادب پروری کی وجہ سے پورے ملک میں علوم و فنون کا چرچا ہو گیا ۔ ایسی فضا تیار ہو گئی کہ بادشاہ کی دیکھا دیکھی شہزادے ، امیر ، اور دیگر اہل دولت بھی علمی سرپرستی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں کوشاں ہوگئے ۔ طبقات اکبری کے مؤلف نے لکھا ہے :

"در عہد فرخندۂ او ، علم رواج یافت وامرازادگان دولت و سپاہیان بکسب فضل اشتغال نمودند"[3]

اس سرپرستی کی وجہ سے دور دراز فاصلوں اور ممالک میں اہل علم وفن

---

۱ ۔ طبقات ص ۱۷۰ ۔
۲ ۔ آب کوثر ص ۵۲۱ ۔
۳ ۔ طبقات ص ۱۷۱ ۔ و کافراں بخواندن و نوشتن خط فارسی ، کہ تا آنزماں در ایشاں رواج نبود ، پرداختند ۔

سمٹ کر دہلی اور اس کے نواح میں آ کر بسنے لگے اور دہلی بحیثیت مرکز کے فیروز تغلق کے بعد ایک صدی تک اپنی آبرو اور اہمیت کھو بیٹھی تھی ، وہ دوبارہ اسے حاصل ہو گئی اور غیر ممالک سے علماء اور فضلاء کے آنے کا سلسلہ بند ہو چکا تھا ، وہ دوبارہ جاری ہوا ۔ تاریخ داؤدی میں ہے :

''در زمان سلطنت او ، اکابر و مشائخ و علماء از ولایت عرب و عجم و از اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او ، بدہلی و آگرہ آمدہ توطن می کردند''[1] ۔

آگرہ کی بنیاد سکندر نے (۹۱۱ ھ) رکھی[2] اور اس کو دوسرا پایۂ تخت بنایا ۔ اس لیے دہلی کے بعد اس کو مرکزی شہرت حاصل ہو گئی اور تہذیب ، تمدن ، علم اور عرفان کے اس دور میں یہ دو مرکز بن گئے ۔

شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار جمالی کی وفات کے ستاون سال بعد (۹۹۹ ھ) لکھی ۔ اس نے سکندر کے دور کو یوں سراہا ہے :

''در زمان دولت سکندر زمان صلاح و تقویٰ دیانت و امانت و صلح و وقار بود او را با علماء و صلحاء و اکابر و اشراف میلے عظیم شد و لہذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بہ سابقہ استدعا و طلب و بعضے بے آن ، در عہد دولت او تشریف آوردہ توطن این دیار اختیار کردند''[3]

میاں بھوہ[4] ابن خواص خان وزیر خاص و میر عدل سلطان سکندر تھا ۔ خود صاحب علم و صاحب قلم تھا ۔ اس نے ''معدن الشفا'' کے دیباچہ میں اپنے علم پرور بادشاہ کے دور کا یوں ذکر کیا ہے :

''خسروے کہ ذہن و ذکاء وافر وحاوی غرائب معانی است ، رعیت نوازی کہ درعالم بہ نسیم عدل و احسان او خزان نامرادی رو بفرار آوردہ ، ہر طرفے علم و فضل را رونق شدہ ، کرم و بذل را رواجی افزودہ ، و فصحائے روزگار علمائے کبار در ہر علمے تصنیفات ساختند ، و در ہر فتحے فتح نامہ ها پرداختند''[5] ۔

---

۱ ۔ طبقات ص ۱۷۱ ۔
۲ ۔ مخزن افغانی ص ۸۳ N. Roy شانتی نکیتن ۱۹۵۸ء ۔
۳ ۔ اخبار الاخیار ص ۲۲۷ ۔
۴ ۔ اس کلمہ کی مختلف شکلیں ملاحظہ ہوں ''تحقیقی مطالعہ'' ڈاکٹر نذیر احمد ص ۱۵۲ - ۱۵۳ ۔
۵ ۔ معدن الشفاء ص ۳ ۔

زوال کے دور میں مدارس اجڑ چکے تھے ، اچھے اچھے استاد اور عالم اٹھ چکے تھے ۔ نصاب محدود اور بے جان تھا ، علوم کی کئی شاخیں درس سے خارج ہو چکی تھیں ۔ سکندر کی سرپرستی ، بذل اور سخا دیکھ کر بڑے بڑے علماء ملک کے دور دراز گوشوں سے سمٹ کر دہلی چلے آئے تھے ۔ درس کی بساط ازسرنو بچھائی اور مدارس کے مردہ جسم میں نئے سرے سے جان آ گئی ۔ نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں ۔ علوم کی مختلف شاخوں کو درس میں داخل کیا گیا ۔ قاضی عضد کی تصانیف "مطالع" اور "المواقف فی علم الکلام" اور سکاکی کی "مفتاح العلوم" کو داخل درس کیا گیا ۔ معقول کو پہلی مرتبہ رائج کیا گیا ۔ علم منطق اور کلام میں اس سے پہلے "شرح شمسیہ" اور "شرح صحایف" کے سوا کوئی کتاب رائج نہیں تھی[۱] ۔ بقول صاحب تاریخ داؤدی فقط صرف و نحو پر زور دیا جاتا تھا ۔ ملتان سے اسی دور میں شیخ عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز تلنبی نامی دو بہت بڑے عالم سکندر لودی کا شہرہ سن کر اور ترک وطن کر کے دہلی آئے ۔ تعلیمی نصاب میں انھوں نے نمایاں تبدیلی کی ۔ عبداللہ تلنبی جید عالم تھے ۔ بادشاہ ان کا بہت ادب کرتا تھا ۔ دبے پاؤں ان کے درس میں آ کر بیٹھ جاتا تھا ۔ ان کے درس سے چالیس بڑے بڑے عالم تیار ہو کر نکلے[۲] ۔

اس علم پرور بادشاہ نے ۹۲۳ھ میں انتقال کیا ۔ مملکت ہند جو سوا صدی کے تنزل کے بعد بہ مشکل مستحکم ہوئی تھی ، پھر ڈانوا ڈول ہونے لگی ۔ جمالی نے لکھا ہے کہ

"سلطان سکندر بادشاہے بود بااخلاق حمیدہ آراستہ و باوصف گزیدہ پیراستہ طبعش بغایت لطیف بود بارباب فلاح و اصحاب صلاح اعتقادش بے حد بود ... بعد وفاتش دوستان او را تفرقے عظیم رونمود و سلسلۂ جمعیت ایشان بگسست و مردم کژ طبع و کم فہم و بدخلاق بہ دیوان سلطان ابراہیم مذکور ظاہر شدند و افغانی چند کہ در دیو طبعی مستثنیٰ بودند ، در فتنہ انگیزی ممتاز و در خلا و ملا با سلطان مشارالیہ ہمراز گشتند"

امن و سکون دوبارہ درہم برہم ہوا اور ایسا طوفان اٹھا کہ آئندہ چالیس برس یعنی اکبر کی تخت نشینی تک جمعیت خاطر نصیب نہ ہوئی ۔ بادشاہ کردی ،

---

۱ ۔ بدایونی : ۱ : ۳۲۳ ۔
۲ ۔ ایضاً : ۱ : ۳۲۴ ۔

جنگ و جدل افراط و تفریط کی وجہ سے نہ فقط ملکی استحکام ڈانوا ڈول ہوا بلکہ بہت سا علمی سرمایہ جو سلطان سکندر کے دور میں اکٹھا ہوا تھا ، اس طوفان کی لپیٹ میں آ کر منتشر اور معدوم ہو گیا ۔

سلطان سکندر کے زمانے میں جو نامی مصنف ، شاعر ، عالم اور اصحاب سیر و سلوک پیدا ہوئے ، ان کی فہرست ہم یہاں درج کر رہے ہیں جس سے ایک ہلکا سا اندازہ ہوگا کہ جامی نے جس دور میں زندگی بسر کی ، اس کے علمی خد و خال کیا تھے ۔

(۱) شعراء

اتنے باذوق بادشاہ کے دور میں جو خود بھی شاعر تھا اور جس کے دور میں چاروں طرف ایسے صاحبان علوم و فنون آ کر جمع ہو گئے تھے ، ظاہر ہے کہ دارالسلطنت میں بہت سے شاعر پیدا ہوئے ہوں گے ۔ بہت سے دربار سے بھی وابستہ ہوں گے ۔ جن کے ساتھ بقول بدایونی بادشاہ نشست و برخاست رکھتا تھا ۔ لیکن آنے والے چالیس سالہ انقلاب نے جہاں اور علمی آثار ختم کر دیے ، وہاں اس دور کے شعراء کا نام اور کلام بھی مٹا دیا ۔ یہی سبب ہے کہ ہمیں فقط چار شاعر تاریخ میں ملتے ہیں جن کا بھی نہ احوال ہے نہ کلام ، فقط نام ہی نام رہ گئے ہیں ۔

۱ ۔ بابری ، مجد الدین

اس شاعر نے خوارزم شاہیوں کے حالات میں ایک شاہنامہ تصنیف کیا تھا جو ناپید ہے ، حالات نہیں ملتے ، فقط ایک رباعی دستیاب ہے :

در پیش تو ، گر بگریم اے دلدارم — تا ظن نہ بری کہ از تو در آزارم
خط تو کہ ، دود آتش نیکوئی است — در چشم من آمد آب زاں می بارم[1]

۲ ۔ مشتاق ، شیخ رزق اللہ دہلوی

یہ ہندی زبان کے بھی شاعر تھے ۔ ہندی میں ان کی دو کتابیں ہیں پیم آئن اور جوت نرنجن ۔ اخبار الاخیار میں ان کو ''نوادر روزگار'' اور ''از مردم سلف یادگار'' کہا گیا ہے ۔ ۹۸۹ھ میں انتقال کیا[2] ۔

---

۱ ۔ مقالات منتخبہ ، دانشگاہ پنجاب ۲ : ۳۸ بحوالہ سفینہ خوش گو ۔
۲ ۔ اخبار الاخیار ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۲۰۰ ۔

۳ - محمد بن ضیاء

اس شاعر نے تحفۃ السعادۃ کے نام سے ۹۱۶ھ میں فارسی لغت لکھی اور اس کو سکندر کے نام سے معنون کیا - ''فرہنگ سکندری'' کے نام سے یہ لغت معروف ہے[1] -

۴ - ڈوگرمل

یہ ہندو شاعر ، فارسی کا شاعر تھا - دیوان بھی مرتب کیا تھا جو ناپید ہے - اس کا ایک شعر مسعود بک کے تتبع میں ملتا ہے :

دل خون نہ شدی ، چشم تو خنجر نہ شدی گر
رہ گم نہ شدی ، زلف تو ابتر نہ شدی گر[2]

(۲) مصنفین

اس دور سکندری میں یہ علماء تھے جن کی کتابوں کا سراغ ملتا ہے :

۵ - شیخ عبداللہ تلنبی

(متوفی ۹۲۲ھ) بن شیخ الہداد ، یہ وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے - منطق میں ایک تصنیف کا نام ملتا ہے ''بدیع المیزان شرح میزان'' - ان کے حلقۂ درس سے چالیس سربر آوردہ علماء اٹھے[3] جن میں سے میاں لاڈن[4] ، جمال خال دہلوی[5] میاں شیخ بودے اور میر سید جلال بدایونی مشہور و معروف ہیں[6] -

۶ - شاہ جلال شیرازی

(متوفی ۹۴۴ھ) سلطان سکندر کے دور میں دہلی میں آ کر توطن اختیار کیا - مثنوی مولانا روم سے خاص لگاؤ تھا - سیر و سلوک سے شغف اور اس میں ایک مقام حاصل تھا - ''شرح گلشن راز'' ان کی تصنیف ہے - جمالی کی وفات کے دو سال بعد انہوں نے وفات پائی ہے[7] -

---

۱ - معدن الشفاء ص ۹۴۰ ، مجموعہ مقالات ۲ : ۴۷ -
۲ - بدایونی ۱ : ۳۲۳ ، مجموعہ مقالات ۲ : ۳۹ مسعود بک کا دیوان حیدر آباد دکن میں چھپ چکا ہے -
۳ - رحمان علی ص ۱۰۱ ، بدایونی ۱ : ۳۲۴ -
۴ - رحمان علی ص ۴۳ ، مقالات شیرانی ۶ : ص ۱۶۳ -
۵ - رحمان علی ص ۴۳ -
۶ - رحمان علی ص ۱۰۱ -
۷ - اخبار الاخیار ص ۲۲ -

۷ - شیخ عبدالوہاب

بخاری ملتانی (متوفی ۹۳۲ھ) سید جلال بخاری کی اولاد میں بہت بڑے صاحب حال و قال گزرے ہیں - سلطان سکندر کو ان سے بڑی عقیدت تھی - مثنوی مولانا روم سے خاص شغف تھا - اس کے اسرار و رموز کو اچھی طرح جانتے تھے - کلام مجید کی ''تفسیر'' غلبۂ حال اور حالت استغراق میں لکھی - ربیع الاول میں لکھنی شروع کی اور دو شنبہ ۱۷ شوال ۹۱۵ھ کو ختم کی - شاہ عبداللہ دہلوی[1] ان کے شیخ تھے اور ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے[2] -

۸ - شیخ حسن طاہر

(متوفی ۹۰۹ھ) ملتان سے ترک وطن کر کے ان کے والد بہار گئے، بہار سے جون پور آ کر متوطن ہوئے، جہاں سے سلطان سکندر کے کہنے پر دہلی آ کر بود و باش اختیار کی - سلوک اور توحید میں کئی رسالے لکھے جن میں سے ایک رسالہ ''مفتاح الفیض'' ہے ان کے بیٹے بھی اصحاب سیر و سلوک تھے - یہ راجی حامد شاہ کے مرید تھے[3]، مولانا الہداد جونپوری[4] شارح کافیہ وہدایہ و بزدوی و مدارک کے دوست رفیق اور سیر و سلوک میں ہم سبق اور ہم مشرب تھے[5] شیخ حسن کے دو صاحبزادے سیر و سلوک میں اپنے دور کے اندر مشاہیر میں شمار ہوتے تھے - ایک شیخ عبدالعزیز (۸۸۹ - ۹۷۵ھ) جو اپنے والد کے ساتھ دہلی چلے آئے - صاحب اخبار الاخیار کا قول ہے کہ

> ''در اتباع مشائخ و حفظ قواعد و آداب ایشاں بیگانۂ عصر بود و او را در تواضع و حلم و صبر و رضا و تسلیم و شفقت برخلق و رعایت فقراء نظیر نبود، در زمان خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجود او سلسلۂ ارشاد و مشیخت برپا بود'' (ص ۲۸۲)

---

۱ - اخبار الاخیار ص ۲۱۴ -

۲ - اخبار الاخیار ص ۲۱۵ -

۳ - اخبار ص ۱۹۴ -

۴ - اخبار ص ۱۹۷ -

۵ - اخبار ۱۹۵، رحمان علی ۴۷

دوسرے شیخ محمد حسن ؛ جس کے لیے صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ
"از عارفان روزگار بود" (ص ۲۳۵)
۲۷ رجب ۹۴۴ھ کو فوت ہوئے ۔ دونوں ہوئے اپنے باپ کے پاس دفن ہیں ۔

۹ ۔ میاں شیخ بھووہ

(م بعد ۹۲۳ھ) ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے ۔ ابراہیم لودی نے ان پر اپنی سفلہ مزاجی کی وجہ سے بہت سختیاں کیں ، قید میں ڈالا ۔ اور وہیں ۹۲۳ھ کے لگ بھگ فوت ہو گئے ۔ ۹۰۸ھ میں انھوں نے "معدن الشفائے سکندری شاہی للنفعا للعامی والداہی" معروف بہ طب سکندری تصنیف کی ۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں جڑی بوٹیوں اور مفرد دواؤں کے ہندی اور دیگر مقامی نام دیے گئے ہیں ۔ میاں شیخ بھووہ شاعر بھی تھے چنانچہ یہ قطعہ انھوں نے اپنی کتاب کے آخر میں دیا ہے :

شہا طبایع بندہ ز کردن ایں طب
نہ مال بود و منال و نہ جاہ بود و کمال
یکے دو چیز تمنائی نوکرت بودہ
کہ باد حاصل آں دو بہ فضل رب جلال
یکے کہ ، نفع برد زاں ہمہ وضیع و شریف
دوم ثواب بود شاہ را ازاں اعمال
کہ تا بروز قیامت جہانیان باشید
دعائے جاہ و جوانی شہ بصدق مقال
مویدا ! ملکا ! خدائقا ! خداوندا !
بدہ تو دولت کونین ، شاہ را ہمہ حال!

۱۰ ۔ عمر بن یحییٰ کابلی

نے موسیقی کے فن میں لہجات سکندر شاہی ، نام سے ایک کتاب لکھی[۲] ۔

---

۱ ۔ معدن الشفا ۹ ، مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء ۔

۲ ۔ ہندوستان کے اندر موسیقی میں اس کتاب سے پہلے غنیۃ المنیہ (بعہد فیروز شاہ حاکم گجرات) لکھی گئی تھی ۔ اس سے پہلے فریدالزمان فی معرفت الالحان کا فارسی میں ترجمہ اس حاکم گجرات کے نمونے پر کیا گیا تھا ۔ مقالات شیرانی ۶ : ۱۶۳ ۔

۱۱ - شیخ عبدالقدوس گنگوہی

(متوفی ۹۴۴ھ) پیر طریقت ، عالم فاضل شخص تھے - سیاست میں دلچسپی لی[1] بادشاہوں کو خطوط لکھے - اکبری دور میں ان کی اولاد نے دین کے نام پر بڑی ثروت اکٹھی کی اور دین کے نام سے شخصی لڑائیاں لڑیں - شیخ عبدالنبی ان کا پوتا اکبری دور میں شاہی منصب پر تھا - مذہب کے نام پر اس کی کارگزاریاں دیکھ کر اکبر بہت مایوس ہوا اور حکومت کی پالیسی میں اس کی وجہ سے بہت ردعمل پیدا ہوا - شیخ عبدالقدوس کی تصانیف یہ ہیں :

(۱) شرح عوارف المعارف -
(۲) حاشیہ فصوص الحکم -
(۳) رسالہ قدسیہ -
(۴) غرائب الفوائد -
(۵) رشد نامہ -
(۶) مظہر العجائب -
(۷) مکتوبات قدوسیہ -
(۸) انوار العیون فی اسرار المکنون[2] -

شیخ ہندی زبان کے شاعر تھے - فارسی میں بھی ضرور کہا ہوگا لیکن کلام نہیں ملتا - جمالی سے دو سال بعد وفات پائی[3] -

۱۲ - مولانا الہداد جونپوری

ایک واسطے سے شیخ قاضی شہاب الدین دولت آبادی[4] (م-۸۴۹ھ) کے شاگرد تھے - راجی حامد شہ کے مرید اور شیخ حسن کے ہمدرس اور ہم مشرب - یہ کتابیں لکھیں :

(۱) شرح کافیہ -
(۲) شرح ہدایہ -

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت ، ص ۲۲۰ -
۲ - تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (فارسی ادب ۱ : ۳۱۳) -
۳ - اخبار ص ۲۲۱ ، تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۰-۲۲۳ -
۴ - رحمان علی ص ۸۸ ، گلزار ابرار ص ۱۴۴ -

(۳) شرح بزدوی -
(۴) شرح مدارک -
سلطان سکندر کو ان سے عقیدت تھی اور مباحث علمی اور دینی کے لیے سلطان ان کو دربار میں بلاتے تھے -

۱۲ - شیخ عزیزاللہ تلنبی[1]

(۹۷۵ھ) شیخ عبداللہ کے رفیقوں میں سے اور اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور مدرس تھے - کئی صاحب کمال ان کے درس سے اٹھے - میاں حاتم سنبھلی (متوفی ۹۶۸ھ)[2] ان کے مشہور شاگردوں میں سے تھے - سالہا سال تک عہد سکندری میں انہوں نے درس دیا - کئی کتابیں لکھیں جن میں سے ''رسالہ عینیہ'' شیخ امان اللہ پانی پتی کے ''رسالہ غیریہ'' کے جواب میں مشہور ہے[2] -

۱۳ - مفتی جمال خان دہلوی

(۹۸۴ھ) ابن شیخ نصیرالدین کنبوہ ' یہ جمالی کے ہم قوم تھے - رحمان علی نے ان کو اعلم العلماء لکھا ہے - علوم عقلیہ خصوصاً فقہ ، کلام ، عربیت اور تفسیر میں بے نظیر تھے - نوے برس کی زندگی پا کر ۹۸۴ھ میں فوت ہوئے - یہ ان کی کتابیں ہیں :

(۱) شرح عضدی -
(۲) شرح مفتاح -
(۳) شرح انوار فقہ وغیرہ[3] -
یہ بزرگوار شیخ عبداللہ تلنبی کے شاگرد تھے[4] -

(۳) علماء، مدرس اور شیوخ طریقت

چند علما اور مشائخ مصنفین کے ضمن میں آ چکے ہیں - جنہوں نے زندگی تدریس یا طریقت اور سلوک کی راہ میں گزار دی ، وہ یہ ہیں :

---

۱ - تلنبہ (بالضم تای و فتح لام و سکون نون و فتح بای بآخر ہائے ہوز) شہر پست قریب ملتان (رحمان علی ص ۱۴۰) -
۲ - رحمان علی ص ۴۵ -
۳ - رحمان علی ص ۱۳۹ -
۴ - رحمان علی ص ۱۰۱ -

۱۵ - شیخ بھکاری ابن شیخ الہداد جونپوری

تذکرہ علمائے ہند میں ہے کہ یکے از علمائے فحول عہد سلطان سکندر بودا سلطان ان کو اور ان کے والد کو دینی اور علمی مباحث کے لیے دربار میں بلاتا تھا - بحث کے دوران مقابلہ شیخ عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیزاللہ تلنبی سے ہوتا تھا - سلطان کی رائے تھی کہ یہ دونوں باپ بیٹے تحریر میں استاد تھے اور وہ دونوں شیوخ تقریر میں بے مثل تھے -

۱۶ - شیخ سلیمان دہلوی

(م ۹۴۴ھ) ارشاد اور تربیت و تلقین ، اذکار اور اشغال میں ان کا بہت بڑا مقام تھا - تجوید قرآن میں یگانۂ عصر تھے - شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے تجوید ان کے یہاں سیکھی تھی[۲] ان کا مزار خواجہ قطب الدین کے مقبرے کے قریب ہے -

۱۷ - شیخ امجد دہلوی

سلطان بہلول کے دور میں بڑے صاحب دل بزرگ تھے - خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانے پر مسلسل حاضری دیتے تھے - حوض شمسی پر ان کا مزار ہے[۳] -

۱۸ - میاں لادن ابن شیخ نصیرالدین دہلوی

اپنے والد کے شاگرد، مفتی جمال خاں کے بھائی اور بہت بڑے عالم اور صاحب دل بزرگ تھے - شیخ عبداللہ تلنبی کی شاگردی بھی کی[۴] -

۱۹ - شیخ ادھن دہلوی

(م ۹۳۴) یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے جد مادری تھے - نام اصلی ان کا زین العابدین تھا - شیخ عبداللہ تلنبی کے شاگرد اور مولانا سماءالدین کے مرید تھے - سلطان ابراہیم لودی نے ان کو بہت قریب کرنا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا - صاحب دل ، متقی اور بے حد پرہیزگار تھے - ان کی زبان ہر وقت ذکر میں

---

۱ - رحمان علی ص ۳۳ -
۲ - اخبار ص ۲۲۱ -
۳ - اخبار ص ۲۲۴ -
۴ - رحمان علی ص ۴۳ -

مشغول رہتی تھی - ان کا مزار حوض شمسی پر ہے[1] -

۲۰ - شیخ یوسف قتال

(م ۹۳۳ھ) مرید قاضی جلال الدین لاہوری ، مجاہدات و ریاضات میں عمر گزار دی - ہفت پل نامی ایک عمارت سلطان محمد تغلق کی بنوائی ہوئی ہے - اس میں ریاضت کرتے تھے - وہیں دفن بھی ہوئے[2] -

۲۱ - شاہ عبداللہ قریشی دہلوی

(۰۰۹ھ) حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کی اولاد میں تھے - سلطان بہلول لودی نے اپنی لڑکی سے ان کی شادی کی - شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ سالک مجذوب بود - سطوتے ظاہر و عظمتے باہر داشت - در اوان سلوک ریاضت شاقہ و مجاہدات فوق الطاقت کشیدہ --- شیخ عبدالوہاب نے اپنی تفسیر میں ان کو مرشدی رئیس العقلاء المجانین عبداللہ بن یوسف القریشی لکھا ہے - ابتدائے ریاضات میں جب وہ نماز پڑھتے تو ایک ہزار رکعت سے کم نہ ہوتی - تلاوت کرتے تو تین ختم ایک وقت پورے کرکے اٹھتے - دہلی کے قریب ان کا مقبرہ ہے[3] -

۲۲ - میر سید رفیع الدین محدث

(م ۹۵۴ھ) معقولات میں جلال الدین دوانی کے شاگرد اور حدیث میں شیخ شمس الدین سخاوی کے شاگرد تھے - اصل شیرازی تھے - سکندر کے دور میں آگرہ میں توطن اختیار کیا - سلطان کو بڑی عقیدت تھی[4] -

۲۳ - ملک زین الدین و زہر الدین

یہ دو بھائی تھے ، بڑے پرہیزگار اور متقی - ملک زین الدین ، خان جہاں کے وکیل تھے ، خدا ترس ، شرع کے پابند ، سخی اور رحم دل - ۹۲۶ھ میں ایک غلام نے زہر دیا جس سے فوت ہوئے - ان کے بھائی شیخ زہرالدین ابراہیم کے لشکر میں لڑتے ہوئے بابری فوج کے ہاتھ سے (۹۳۲ھ) میں شہید ہوئے[5] -

---

۱ - اخبار ص ۲۲۴ -
۲ - ص ۲۲۵ -
۳ - اخبار ص ۲۱۴ ، گلزار ابرار ص ۱۹۷ -
۴ - رحمان علی ص ۶۵ -
۵ - اخبار ص ۲۲۶ -

۲۴ - مولانا شعیب (م ۹۳۶)

عالم عامل ، صورت سیرت میں فرشتہ اور وعظ میں بے نظیر تھے - شہر کے امیر غریب عالم اور اکابر ان کے وعظ میں حاضر ہوتے تھے - اکثر شہر والے ان کے شاگرد تھے - ان کے والد کا نام مولانا منہاج ، لاہور سے دہلی میں آئے اور پڑھتے پڑھاتے وہیں کے ہو گئے - سلطان بہلول کے دور میں شہر کے مفتی بھی رہے - عسرت کا یہ حال تھا کہ آٹا اور تیل دوکانوں سے بھیک مانگ کر لاتے - اس سے چراغ بناتے ، اس کی روشنی میں بیٹھ کر کتابیں پڑھتے - مدتیں اس حال میں گزر گئیں اور اسی طرح دہلی میں علم حاصل کیا -

مولانا شعیب درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے - اپنی پوری زندگی لوگوں کو علم کے راستے پر لگانے میں گزار دی[1] -

۲۵ - شیخ سعداللہ

شیخ محمد ملاوہ کے مرید تھے - یہ شیخ عبدالحق کے عم کلاں تھے - شیخ درد ، محبت اور استقامت میں بے مثل تھے - سلطان سکندر کے دور میں دہلی میں آئے[2] -

۲۶ - شیخ محمد ملاوہ

(۹۰۰ھ) ان کو مصباح العاشقین کہتے تھے - اوائل میں وہ شیخ احمد راوتی کے مرید ہوئے - ریاضات و مجاہدات ان کی خدمت میں رہ کر کیے - آخر میں شاہ جلال گجراتی کی صحبت نصیب ہوئی ، جہاں عشق اور محبت میں دسترس پیدا کی - اخبارالاخیار نے ان کے لیے لکھا ہے کہ ''شیخ کامل و صحیح الحال بود'' - وجد اور سماع میں شغف تھا - ایک دفعہ گھر میں آگ لگی اور شالی کا ذخیرہ تمام کا تمام جل گیا ، بیج کے لیے شالی رکھی تھی وہ بھی جل گئی - جب بوائی کا وقت آیا تو شیخ سے عرض کیا گیا - انھوں نے کہا بابا ! جلے ہوؤں کے پاس جلی ہوئی شالی ہی رہے گی - وضو کرکے دوگانہ پڑھا اور پھر دعا میں بیٹھ گئے - اس سال ان کی فصل دوگنی ہوئی - ایک دانے کے بجائے ایک خول میں دو چاول ہوئے - اس جنس کو لوگ سلطان سکندر کے پاس لے گئے - انھوں نے سجدۂ شکر ادا کیا کہ ایسے لوگ بھی ان کے عہد میں ہیں -

---

۱ - اخبار ص ۲۲۵ -

۲ - اخبار ص ۱۷۴ -

وفات کے بعد ملاوہ میں دفن ہوئے - یہ گاؤں ہے قنوج کے پاس - شیخ محمد شیخ عبدالحق کے جد پدری تھے[۱] -

۲۷ - شیخ امان پانی پتی

(م ۹۵۷ھ) عبدالملک ابن عبدالغفور نام - بہت بڑے صوفی اور ابن عربی کے تابع تھے - اس طبقے کے لوگوں میں ان کا پایہ بلند تھا - شیخ عبدالحق نے ان کے بہت سے واقعات لکھے ہیں - شیخ محمود دودلاری[۲] کے شاگرد اور شیخ محمد حسن کے مرید تھے - دو واسطوں سے مشرب قلندریہ شاہ نعمت اللہ ولی تک پہنچتا ہے شیخ تاج الدین بن زکریا اجودھنی، شیخ رکن الدین، شیخ حسین چشتی، مولانا حسین نقشی، شیخ عبدالحق کے والد شیخ سیف الدین ان کے معتقد اور مرید تھے[۳] - شیخ حسین چشتی خطاط تھے اور شعر بھی کہتے تھے - یہ ان کا شعر ہے :

چہ کس کہ بر پر طاؤس قیس را میلے ست
مگر درۂ اثر پائے ناقۂ لیلیٰ ست

۲۸ - سید حسین پائے منار

(م ۹۴۲ھ) درویش تھے، بہت سفر کیا تھا - لوائح جامی کی ایک شرح بھی لکھی ہے - بہت کچھ دیکھا اور سیکھا تھا - جسم بہت موٹا تھا - سلطان سکندر کے دور میں طوس (مشہد) سے آکر دہلی میں رہے - بادشاہ کی صحبت ان کو پسند نہ آئی، چنانچہ پرانی دہلی کی مسجد پائے منار میں اقامت کی اور گوشہ نشین ہو گئے - سکندر کے امراء کی خواتین ان کی مرید ہو گئیں اور ضروریات زندگی وہ پوری کرتی تھیں - خود زراعت بھی کرتے تھے - لیکن تمام حاصلات فقیروں میں تقسیم کر دیتے تھے - شیخ جمالی ان سے بہت ناشایستہ مذاق کرتے تھے اور ان پر الزام لگاتے تھے - ایک دن ان ہی الزامات کی بنا پر غصے میں آکر اپنی آلت کاٹ ڈالی اور شیخ کے پاس بھیج دی - کہتے ہیں جمالی نے یہ شعر ان کے لیے

---

۱ - اخبار ص ۱۷۳ -
۲ - آپ مولانا عبدالغفور لاری کے شاگرد ہیں، متوفی ۹۴۳ھ، گلزار ابرار ص ۲۳۳ -
۳ - گلزار ابرار ص ۲۶۶ -

کہا ہے :

آلت خویش را چو بریدی   علت پس چگونہ خواہد رفت

منار شمسی کے دامن میں دفن ہوئے[1] ۔

۲۹ ۔ شیخ سلیم چشتی سیکری

(۸۹۷—۹۷۹ھ) بن شیخ بہاءالدین از اولاد فرید گنج شکر۔ ابتداء میں سپاہیوں کے لباس میں مجاہدات اور ریاضات کیے ، پھر حج کو گئے اور سیر و سفر کرکے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا ۔ پہلے وطن دہلی تھا ۔ بعد میں سیکری میں جا کر اقامت کی ۔ ہیموں بقال کے مظالم سے شیخ ۹۶۲ھ میں دوبارہ حج کو گئے اور پھر واپس آ گئے ۔ اکبر کو ان سے بڑی عقیدت تھی ۔ انھیں کی دعا سے جہانگیر پیدا ہوا جن کا نام برکت کی خاطر سلیم رکھا تھا ۔ اکبر نے ان کا مقبرہ بنوایا ہے جو اپنی مثال آپ ہے[2]۔

۳۰ ۔ سید محمد جونپوری

المعروف بہ مہدی (۹۱۰ھ) ۔ مہدویت کے مدعی اور عشق الہی سے معمور تھے ۔ ہزاروں مرید کیے ۔ بہت سفر کیا ۔ اس دور میں ان کے دعوے سے ہندوستان کے اندر تہلکہ مچ گیا اور ان کو ترک وطن کرنا پڑا ۔ فراہ میں جا کر فوت ہوئے ۔ سندھ اور ہند کے کئی بادشاہ ، امیر اور ذی اقتدار لوگ ان کے مرید تھے[3]۔

۳۱ ۔ شاہ نعمت اللہ چشتی

سلطان سکندر کی فوج کے سپاہی اور افسر زیادہ تر ان کے مرید اور معتقد تھے ۔ آگرہ میں دفن ہوئے[4]۔

یہ چند مشاہیر وہ ہیں جن کا دہلی یا آگرہ سے تعلق تھا اور جمالی کے عہد اور زمانے کے ہیں ۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جمالی کی فکری اور ذہنی تشکیل کس ماحول اور کن بزرگوں کے سامنے ہوئی ۔ وہ کن مشاہیر کے درمیان رہے ۔

۱۔ اخبار ص ۲۲۹ ۔

۲۔ اخبار ص ۲۸۳ ۔

۳۔ رحمان علی ص ۱۹۷ ۔

۴۔ گلزار ابرار ص ۱۶۷ ۔

(۳) جمالی اور سلاطین لودھی و مغل

جمالی طبعاً خلوت پسند، درویش صفت، بےپروا اور لاابالی شخص تھے - شاہوں شاہزادوں، افسروں اور سرکاری صاحبوں کی صحبت یا قرب سے ان کو چنداں لگاؤ نہیں تھا - ہمیشہ گریز کرتے تھے - جن بادشاہوں سے زندگی میں سابقہ پڑا، ان سے دوستانہ اور مساویانہ تعلقات رہے - کبھی بالا اور پست کا فرق ذہن میں نہیں رکھا - جمالی کے دور میں یہ بادشاہ رہے :

(۱) بہلول لودھی (۸۵۵ھ/۱۴۵۱ع- ۸۹۴ھ/۱۴۸۹ع)
(۲) نظام خاں سکندر شاہ ثانی (۸۹۴ھ/ ۱۴۸۹ع- ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ع)
(۳) ابراہیم ثانی (۹۲۳ھ/۱۵۱۷ع- ۹۳۲ھ/۱۵۲٦ع)

لودھی خاندان ابراہیم پر ختم ہوا - اور ۹۳۲ھ میں بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا - دو مغل بادشاہ جمالی نے دیکھے -

(۴) بابر (۹۳۲ھ/۱۵۲٦ع - ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ع -
(۵) ہمایوں (بار اول) (۹۳۷ھ/۱۵۳۰ع - ۹۴۷ھ/ ۱۵۴۰ع) -

بہلول لودی سے جمالی کے براہ راست تعلقات شاید نہیں تھے - سیرالعارفین سے فقط اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دن بہلول لودھی شیخ سماءالدین کی خدمت میں آیا تھا تو جمالی بھی اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر تھے - جمالی بالکل جوان تھے - ظاہر ہے کہ بہلول سے جداگانہ راہ و رسم پیدا نہیں ہوئی ہوگی - جمالی کا اصل ربط سکندر سے تھا اور غالباً اس کی ابتدا شہزادگی کے دور سے ہوئی ہوگی - سلطان نے اپنی شہزادگی کے ایام زیادہ تر دہلی میں بسر کیے اور جمالی بھی وہیں تھے - شہزادہ جب کبھی ان کے پیر شیخ سماءالدین کے پاس آتا ہوگا تو یقیناً جمالی سے جو اس وقت تک خود بھی ادب اور طریقت میں ایک مقام حاصل کر چکے تھے ضرور ملاقات ہوئی ہوگی اور وہی ملاقاتیں آگے چل کر دونوں کے درمیان دوستی اور مؤدت کا سبب بنیں - سکندر، شیخ سماءالدین کے پاس حاضری دیتا رہتا تھا - جب اس کا باپ فوت ہوا ہے تو پہلے دعا اور حمایت کے لیے وہ شیخ کی خدمت میں پہنچا - اس کے بعد باپ کی لاش لینے گیا - بدایونی نے لکھا ہے :

"وقت رواں شدن دہلی، بتقریب تناول نزد شیخ سماءالدین کنبوه، پیر شیخ جمالی کہ از علماء کبار و مشائخ عظام روزگار بود، رفت بایں تقریب کہ مبادا او رضا بہ سلطنت برادران دیگر داشتہ باشد و سبق صرف ہوائی را از خدمت شیخ

پرسید - چوں گفت کہ : نیک بخت گرداناد و خدا تعالی! التماس کرد کہ ایں لفظ را سہ مرتبہ بر زبان مبارک خود برانید! شیخ سہ بار گفت - او برداشتہ عرض داشت کہ من مدعائے خود را حاصل کردم! و از شیخ استمداد طلبیدہ متوجہ لشکر شد[1] -

یہ عبارت تائید کرتی ہے کہ باپ کی طرح سلطان سکندر بھی ایام شہزادگی سے ہی جمالی کے پیر عزیز اور خسر کا معتقد تھا اور آنا جانا رہتا تھا - وہیں جمالی کے ساتھ تعلقات ہوئے جو آخر دم تک رہے - بدایونی نے ان دونوں کے تعلقات کی نشان دہی کی ہے - لکھا ہے کہ

''باشاعراں نشست و برخاست بسیار داشت و خود ہم صاحب طبع بود و گاہے گاہے نظمے بہ تخلص ''گلرخی'' بآں روش قدیم ہندوستانیاں می گفت و صحبت او بہ شیخ جمالی ازیں رہگذر خوش آمدہ بود''[2] -

شعر و سخن دوستی اور مؤدت کا ایک دوسرے کے مابین سبب بنا تھا ، بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان اپنا کلام جمالی کو دکھاتا تھا -

سلطان سکندر ''اشعار خویش بر وے گزرانید''[3]

شیخ جمالی نے سیر العارفین میں بھی سلطان کے مزاج طبیعت اور ذوق کی تعریف کرتے ہوئے اپنے ساتھ تعلق خاطر کا ذکر کیا ہے -

''بیشترے اشتغال بہ شعر گفتن می نمود و بارباب صلاح و اصحاب فلاح اعتقادش بے حد بود ، علی الخصوص بایں درویش محبت از دیگراں بیش داشت''[4]

ڈاکٹر نذیر احمد نے مخزن افغانی کا ایک اقتباس اپنے مضمون میں دیا ہے ، اس سے بھی دونوں کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے - مخزن افغانی کے مصنف نے لکھا ہے کہ جمالی صاحب ممالک اسلامیہ کے سفر سے واپس اپنے وطن پہنچے اور سلطان کو معلوم ہوا کہ معارف دستگاہ و حقائق آگاہ شیخ جمالی ماوراء النہر ، عراق ، خراسان ، آذر بائیجان ، روم ، شام اور عرب کی سیاحت سے واپس دہلی تشریف لائے ہیں تو ملاقات کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا - اور ایک شوقیہ قطعہ

---

۱ - بدایونی ۱ : ۳۱۳ -
۲ - بدایونی ۱ : ۳۲۳ -
۳ - بدایونی ۱ : ۳۲۵ -
۴ - سیر العارفین ص ۱۳۸ -

اپنے دستخط خاص سے لکھ کر دہلی بھیجا ۔ سلطان خود اس وقت سنبھل میں مقیم تھا ۔ قطعہ یہ ہے :

اے مخزن گنج لایزالی	وے سالک راہ دین ، جمالی
درگرد جہاں بسے زدی سیر	در منزل خود رسیدی بالخیر
بودی تو مسافر زمانہ	الحمد ! کہ آمدی بخانہ
در مکہ و در مدینہ گشتی	گوہر بودی خزینہ گشتی
باید کہ کتاب مہرو ماہم	ارسال دہد چناں کہ خواہم
اے شیخ بما برس بزودی	بسیار مسافرت نمودی
بکشاپہ سوئے در گہم گام	تا در یابی ز گلرخی کام
جانم، بہ جمال تو طپاں است	دل مرغ مثال در فغاں است
من اسکندر و توخضر مائی	آن بہ کہ بسوئے ما بیائی[1]

ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ جمالی نے بعد ملاحظہ فرمایا کہ فقراء کو اغنیاء کی مجالس سے کیا احتیاج ! چنانچہ وہ خود نہ گئے بلکہ جواب میں ایک منظوم رقعہ اور مثنوی مہرو ماہ ان کی خدمت میں بھیج دی ۔ بادشاہ کو ملاقات کا شوق تیز تر ہو گیا ۔ اور ان کے مرشد شیخ سماءالدین کی سفارش پر آخر جمالی کو سنبھل میں بلا لیا ۔ جمالی جب قریب پہنچے تو سلطان غایت شوق سے دو تین کوس آگے استقبال کو نکل آیا اور پھر ایسا باہمی انس ہوا کہ آخر حیات تک ایک دوسرے کے انیس اور جلیس رہے[2] ۔

---

۱ ۔ نیز دیکھیے، آثار خیر محمد سعید مارہروی آگرہ ۱۳۲۳ھ ۔

۲ ۔ اردو ادب جلد ۲ شمارہ ۱ ص ۱۳۲-۱۳۳ ، تاریخ خاں جہانی میں عبارت اس طرح ہے :

''و چوں شعر کتاب ''مہرو ماہ'' از نتائج طبع والا نژاد معارف دستگاہ حقائق آگاہ شیخ جمالی کنبو دہلوی را استماع یافت ، شوق صحبت کثیرالبہجت ایشاں دامن گیر دل سلطان شد ۔ درانولا حضرت شیخ جانب حرمین الشریفین عزیمت نمودہ بودند ۔ سلطان جمع را موکل ساخت کہ ہر گاہ شیخ بدہلی تشریف ارزانی فرماید ۔ در ساعت بعرض رسانند ۔ بعد از چند گاہ چوں شنید کہ معارف دستگاہ حقائق آگاہ شیخ جمالی کنبو از سیر و سفر ماوراء النہر و عراق و خراسان و آذربائیجان و روم و شام و عرب باز گشت ، بدہلی تشریف آورد ۔ سرعان سریع السیر آن خبر را بہ

سلطان اور جمالی کا آپس میں ربط و ضبط بغیر کسی دنیوی منفعت کے تھا۔ محض علمی و ادبی ہم آہنگی کی بنا پر یہ تعلق قائم تھا۔ جمالی نے ایک شعر میں اپنے تعلق کی نوعیت یوں بیان کی ہے :

میانۂ من و تو دوستی ، ز بہر خداست
نہ از برائے متاع زمانۂ غدار

سلطان سکندر نے ۹۲۳ھ میں انتقال کیا۔ جمالی نے دردناک مرثیہ کہہ کر دوستی کا حق ادا کر دیا۔

خلق حیران و پریشان است شہنشاہ چہ شد
ہمہ بر سینہ زنان دست کہ ، اللہ ! چہ شد
مہر در آتش غم سوخت ، شفق خوں بارید
انجم از چرخ فرو ریخت کہ ، آں ماہ چہ شد
ظلمت آباد شد آفاق ز شام غم او
یا رب ! آں طلعت خورشید سحرگاہ ، چہ شد

بسلطان رسانیدند۔ و اکثر اوقات در مجلس او شعر درمیان داشت۔ سلطان را ذوق ملاقات حضرت شیخ زیادہ شد و از روئے اشتیاق تمام قطعہ منظومہ انشا نمود و بدست خاص خود کتابت فرمودہ از سنبھل بدہلی فرستاد و استدعائے ملازمت شیخ نمود و کتاب مہروماہ را کہ از نتائج طبع وقاد آں والا نژاد بود ، طلب داشت ، و آں قطعہ این است......قطعہ......و این رقعہ نزد ابنائے شیخ بجنسہ حاضر است۔ حضرت شیخ بعد از مطالعہ رقعہ فرمود کہ فقراء را بہ مجلس اغنیاء چہ احتیاج...... رقعہ منظومہ در جواب نوشتہ با کتاب مہرو ماہ بملازمت سلطان ارسال داشت۔ چوں کتاب و رقعہ حضرت شیخ بمطالعہ سلطان رسید ، اشتیاق ملاقات او بزیارتے نہاد.... پس سلطان رقعہ دیگر بقطب فلک ہدایت شیخ سماءالدین کنبو...... نوشت......حضرت شیخ جمالی را بخدمت سلطان راہی ساختہ فرمودند کہ......شیخ از دہلی عازم سنبھل شدند چوں نزدیک......رسیدند سلطان از غایت اشتیاق...... دو سہ کروہ پیش آمدہ ملاقات نمودند و گرمی صحبت بنوعی در گرفت کہ مزیدے برآں متصور نہ باشد و تا آخر میان سلطان بایکدیگر دمساز و ہم راز و مصاحب و ہمزبان بودند......(۲۲۵-۲۲۷) یہی واقعہ مخزن افغانی ترجمہ انگریزی از N. Roy میں صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔

خوں گرہ شد بگلو، ز آہ دمم شد مسدود
در غم آں کہ مرا ہمدم و ہمراہ چہ شد
ویحک آن فرحت و آں بہجت و آں حال چہ شد
آوخ آن دولت و آں مسند و آں گاہ چہ شد
تا بہ دنبال وے افسوس کناں می رفتم
ہیچ مردم نہ شد از......آگاہ چہ شد
نیک خواہان وے ایں لحظہ، اجل خواہ شدند
کاں خدا داں و خدابیں و خدا خواہ چہ شد
ہاتفم گفت! مپندار کہ او در خاک است
قدسش ہمچو پیمبر بہ سر افلاک است

اس میں ہمدم اور ہمراہ کے الفاظ سے دونوں کی یکدلی اور دوستی کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ خاں جہانی میں ہے کہ جمالی نے سلطان کی وفات پر بہت دردناک مرثیہ لکھے جن کو پڑھ کر مدتوں لوگ آنسو بہایا کرتے تھے۔

"بعد از وفات سلطان، شیخ قصائد و ترکیب و مرثیہ آنچہ بعد از فوت او انشا فرمود، تا مدتے مدید اہل فضل و ارباب کمال آں را می خواندند و بجائے اشک خوں از دیدہائے باریدند۔ و آں اشعار جانگداز تا حال در دیوان شیخ جمالی مسطور۔ (ص ۲۲)۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ جمالی نے سکندر کی مدح میں کئی قصائد کہے ہیں جو ان کے دیوان میں موجود ہیں۔ ایک قصیدے کے چند شعر یہ ہیں:

قد و رخسار و زلف و لعل روح افزائے آن دلبر
یکے عرعر، یکے اختر، یکے عنبر، یکے شکر
چہ عرعر! عرعر رعنا! چہ اختر؟ اختر زیبا!
چہ عنبر! عنبر سارا! چہ شکر؟ شکر عسکر
رخ ودنداں و خط و موے مشک افشاں او باشد
یکے لالہ، یکے ژالہ، یکے ہالہ، یکے عنبر
چہ لالہ؟ لالۂ رنگیں! چہ ژالہ؟ ژالہ سیمیں
چہ ہالہ؟ ہالۂ مشکیں! چہ عنبر؟ عنبر ابتر
دل و آہ و سرشک سرخ و رگہائے وجود من
یکے منقل، یکے مشعل، یکے جدول، یکے مسطر

اس طرح یہ پورا قصیدہ لفظی صناعی اور اہتمام بندش کی بہترین مثال ہے اور اس میں جمالی نے اپنے دلی جذبات اور قلبی احساسات کا پورا اظہار کیا ہے[1] ۔

سلطان سکندر کے بعد ابراہیم تخت نشین ہوا ، وہ بے سواد ، عیش پرست اور نااہل بادشاہ تھا ۔ اس کے مصاحب اور حاضر باش شہر کے اوباش ، سفلے ، فتنہ پرداز ، کج خلق اور نہایت ہی پست درجے کے لوگ تھے ۔ بادشاہ کا استاد فرید نامی ایک شخص تھا جو فتنہ پردازی اور فساد میں اپنا جواب آپ تھا ۔ اس نے سلطان سکندر کے وزیر اور ''معدن الشفاء'' کے مصنف میاں بھووہ کو بڑی اذیت پہنچائی ۔ اور بالآخر قید میں ڈلوا دیا ۔ جہاں ان کا انتقال ہو گیا ۔ جمالی نے سلطان سکندر کا ایک مرثیہ لکھا جس میں ایک شعر تھا :

اے مسلمان زمان ! آہ کجائی آخر
تا کنم پیش تو از فتنہ دیوان فریاد

اس فرید نے ابراہیم کو بھکا دیا کہ شیخ نے ان کو (دیو) لکھا ہے ۔ بادشاہ نے جمالی کو ان کی منزلت ، عزت اور اثرات کی بنا پر مضرت تو نہیں پہنچائی ۔ لیکن دل میں ان کی طرف سے کدورت بیٹھ گئی ۔ جس کا اثر جمالی نے بھی قبول کیا ۔ چنانچہ ابراہیم کے لیے کوئی قصیدہ نہیں لکھا ۔ قتل پر مرثیہ نہیں کہا ۔ بلکہ اس کے مقابلے میں پانی پت میں بابر کی فتح اور ابراہیم کی شکست کو بڑی آب و تاب سے بیان کیا ۔ ظاہر ہے کہ سکندر کے تعلقات کے بعد ابراہیم کی روش دیکھ کر جمالی کو بتقاضائے بشریت صدمہ پہنچا ، یہ اس کا رد عمل تھا ۔ جمالی نے ابراہیم کے سلسلے میں سیرالعارفین میں ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے :

''بعد وفاتش (سکندر) دوستان او را تفرقۂ عظیم رو نمود و سلسلۂ جمعیت ایشاں بگسست و سلسۂ جمعیت ایشاں بگستن در آمد و مردم کج طبع و کم فہم و بد خلق بدیوان سلطان ابراہیم مذکور ظاہر شدند و افغانے چند کہ در دیو طبعی مستثنیٰ بودند و در فتنہ انگیزی ممتاز ، در خلا و ملا با سلطان مشارالیہ محرم راز گشتند و سلطان را استادے بود فرید نام در غایت رزالت و بطالت

---

۱ ۔ یہ قصیدہ دیوان میں موجود ہے ۔ اس کے باقی اشعار دیکھے جائیں ۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ء مقالات منتخبہ ۵ : ۱۸۱ ، اردو ادب ص ۱۵۱ - ۱۵۲ میں ۔

همچو لعل جان‌فزایان غنچه را شیرین دهن
همچو روئے دل کشایان لاله را رنگین عذار
صوفیان سبز پوش باغ را، وجدست و حال
از سرود بلبل و از دستک برگ چنار
اندرین موسم در کشتی نشیند بادشاه
آفتابے دان که اندر ماه نو گیرد قرار
از خراسان چون به هندوستان شدی آمد ترا
بخت و دولت در یمین و فتح و نصرت در یسار
دشمنت را زندگی شد خواب آسایش خیال
خود چنان و خواب را چندان نباشد اعتبار
در صف هیجا شد از گرد و غبار موکبت
چهرهٔ افلاک قیر و دیدهٔ خورشید تار
صور اسرافیل گشته بانگ سرنای و نفر
فیلها جنبیده بر سو چو به محشر کوهسار
خون بد خواهان دما دم شد روان مانند جوی
نیزها بنمود سردستان کنار جویبار
در بهار مجلسش می خواند بلبل این غزل
بر مثال عاشق شوریده دل بر جوی بار

اور وہ یہ غزل ہے :

اے زرشک عارضت پیوسته را گل خار خار
در غم رویت چو من جان داده در هر سو هزار
از چه رو بر سر ندارد لاله در صحن چمن
گر نماند از عارض رنگین اے گل شرمسار
سنبل پیچان تو از سرکش مشکین کمند
نرگس فتان تو از خون خوری مردم شکار
چشم تو به طاق ابرو هندوی محراب گیر
خال تو با زلف مشکین کافر زنار دار

---

۱ - اردو ادب ص ۱۵۳-۱۵۴ -

میرود پیوستہ دل ، بر رشتۂ ہر موئے تو
ہر مثال عنکبوتی کو رود بر روئے تار
جان سرگرداں ز روزنہا کہ دارد سینہ ام
سوئے خورشید رخت رقصاں برآید ذرہ وار
چشم تو در عین بیماری ز خون مردماں
باز می ناید نہ می ترسد ز عدل شہریار

بابر فتح ہند کے بعد ۶ برس زندہ رہا اور ہمایوں کے زمانے میں شیخ جمالی چھ برس گزار کر فوت ہوئے۔ بابر کے مقابلے میں جمالی کے تعلقات ہمایوں کے ساتھ بہت زیادہ گہرے تھے ۔ شیخ عبدالحق نے نہ فقط اخبارالاخیار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے[1] ، بلکہ اپنی دوسری تصنیف[2] میں بھی جمالی کے غیر معمولی رسوخ کا ذکر کیا ہے ۔ ہفت اقلیم کے مصنف نے بھی یہی بات لکھی ہے ۔

"جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ را بہ صحبت شیخ میلے موفور بودہ و ہموارہ با او مجالست می نمود و احیاناً بصحبتش می رسید"[3] ۔

باہمی مراسم اس حد تک گہرے اور بے تکلفانہ تھے کہ ہمایوں دو مرتبہ شیخ جمالی کے گھر گیا ۔ ماثرالامراء میں ہے کہ

"با فردوس مکانی (بابر) مصاحب گشت و از جنت آشیانی (ہمایوں) تعظیم و احترام بسیار یافت ، مکرر پادشاہ کلبۂ درویشانہ او را بہ ورود خویش منور ساختہ"[4] ۔

ان کے دیوان میں ہمایوں کے لیے قصیدے موجود ہیں ۔ نیز شیخ نے اپنی کتاب "سیرالعارفین" ہمایوں کے نام معنون کی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سفر حضر میں بادشاہ کے مونس اورجلیس رہے ۔ حتی کہ جنگی سفر میں بھی ساتھ نہیں چھوٹا ۔ شیخ کا انتقال بھی گجرات میں ایسے ہی ایک سفر میں ہوا[5] ۔

---

۱ ۔ اخبارالاخیار ص ۲۲۸ ۔
۲ ۔ دیکھیے ایلیٹ ۶ : ۴۸۸ ۔
۳ ۔ طبع تہران ۱ : ۳۷ ۔
۴ ۔ ماثرالامراء ۲ : ۵۳۹ ۔
۵ ۔ اخبار ص ۲۲۸ ۔

۴ - وفات اور مدفن

ہمایوں نے سال ۹۴۲ھ میں سلطان بہادر گجراتی (۳۲ - ۹۴۳ھ) پر لشکر کشی کی - شیخ جمالی اس موقع پر ان کے ساتھ تھے - ہمایوں نے اس جنگ میں بہادر پر ۹ صفر ۹۴۲ھ کو فتح پائی جس کی تاریخ کہی گئی :

تاریخ ظفر یافتن شاہ ہمایوں

می جست خرد ، یافت ، نہم شہر صفر بود[1]

۹۴۲ھ

اخبار الاخیار سے معلوم ہوتا ہے کہ جمالی نے اس سال کے گیارہویں مہینے یعنی ۱۰ تاریخ ذی قعدہ ۹۴۲ھ کو وہیں گجرات (غالباً احمد آباد) میں وفات پائی - بدایونی اس کے بیٹے گدائی پر سخت برہم تھا - جیسا کہ گدائی کے حال سے معلوم ہوگا - لیکن جمالی کے لیے نہ فقط کلمہ خیر کے دو لفظ لکھے بلکہ توصیفی انداز میں تاریخ بھی کہی :

''دریں سال جمالی کنبوی دہلوی از عالم فنا بعالم بقا رسید و خسرو ہند بوده تاریخش یافتہ اند[2]

مخبر الواصلین[3] میں یہ قطعہ تاریخ درج ہے :

محو ذات خدا جمالی بود	عاشق و مست لاابالی بود
شعر رنگین و تازہ اش بہ جہاں	ہست عشرت فزائے پیر و جواں
دہلوی بود آں خدا آگاہ	خلد اللہ فی الجنان مثواہ
دل وارستہ داشت در عالم	ہمچوماہ فلک ، نہ بیش و نہ کم
لقبش را بداں زروئے یقین	بود بے اشتباہ قمر الدین
سال نقلش بعزت و تمکیں	خردم گفت ، ماہ خلد بریں''

---

۱ - بدایونی ۲ : ۳۴۷ -

۲ - بدایونی ۱ : ۳۴۷ -

۳ - مخبر الواصلین ص ۴۷ -

۴ - واقعات دارالحکومت دہلی جلد ۳ : ۲۵۱ ، مفتاح التواریخ ص ۱۵۰ -

خزینۃ الاصفیاء میں یہ تاریخ ہے :

مقتدائے دیں جمالی دو جہاں جامع عز و کمال معرفت
شد چو در جنت زہاتف شد ندا طالب اہل جمال معرفت[1]

مدفن

گجرات سے جمالی کی نعش دہلی میں لا کر دفن کی گئی جیسا کہ تاریخ ھدی میں مرقوم ہے :

''دہم ذی قعدہ در گجرات فوت شد و بدہلی نقل کردند ۔ خسرو ہند بودہ ۔ تاریخ است''[2]

لاش خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے گورستان میں وہاں دفن کی گئی جہاں زندگی میں وہ مقام پذیر تھے ۔ جیتے جی ہی انھوں نے اپنی قبر بنوادی تھی ۔ اخبار الاخیار میں ہے :

''مقبرہ او در مقام خواجہ قطب الدین است (قدس سرہ) بغایت منزہ و لطیف بحضور خود ساختہ ، و خانہ کہ الان قبر او دروست ، در حالت حیات مسکن او بودہ''[3]

---

۱ ۔ خزینۃ ۲ : ۸۴ بعض مصنفین نے تاریخ میں اختلاف بھی کیا ہے ۔ خوش گو نے سال وفات ۹۲۵ھ لکھا ہے (فہرست انڈیا آفس ۱ : ۲۶۳) ۔ اسپرنگر نے آثار الصنادید کے حوالے سے ۹۲۲ھ اور اس مصنف کے غلط درج کردہ الفاظ تاریخ (خسرو ہند) کی بنا پر ۹۲۵ درج کی ہے (ص ۴۳۶) ۔ ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی اور (بودہ) کے کلمہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ غلط اندراج رواج پا گیا ۔ اسپرنگر نے یہ تاریخی کتاب بیان حقایق احوال سید المرسلین کے تحت دی ہے ۔ جو در حقیقت جمالی دہلوی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ کتاب جمالی اردستانی کی ہے جس کا سال وفات ۸۷۹ھ ہے (ریحانۃ الادب ۱ : ۲۸۳) اور کتاب کی تصنیف کا سال ۸۶۸ھ ہے ۔ نفایس المآثر میں سال ۹۳۷ھ درج ہے (تاریخ تذکرہ ہائے فارسی گلچین ۲ : ۳۷۵ - ۳۷۹) ۔

۲ ۔ استدرکات اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ ، ص ۷۵ ۔

۳ ۔ اخبار ص ۲۲۸ ۔

اسپرنگر نے لکھا ہے کہ : ان کا مقبرہ سنگ مرمر کی ایک چھوٹی عمدہ عمارت میں ہے جو قطب مینار سے جنوب مشرق میں تھوڑی دور اور دہلی سے گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے[1] - سر سید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے :

''درگاہ مولانا جمالی - نواح قطب صاحب میں یہ بہت مشہور درگاہ ہے - شیخ فضل اللہ معروف بہ جلال خاں نے قریب ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء کے اپنے جیتے جی یہ کوٹھری بنائی تھی اور آزادوں کی طرح اس میں رہتے تھے - جب ۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ء کے ان کا انتقال ہوا تو اس حجرے میں مدفون ہوئے - ''یہ درگاہ مولانا جمالی'' مشہور ہے - یہ حجرہ بہت اچھا چونے کا بنا ہوا ہے اور تھوڑی تھوڑی چینی کاری بھی کی ہوئی ہے - حجرے کے اندر چونے کی منبت کاری میں دو غزلیں ان ہی کی کہی ہوئی کھدی ہوئی ہیں''[2]

مسجد

درگاہ جمالی کے ساتھ جمالی کی بنوائی ہوئی[3] مسجد بھی موجود ہے جس کے متعلق سر سید نے لکھا ہے :

''مولانا جمالی کی درگاہ کے پاس یہ مسجد ہے ، بہت بڑی اور نہایت شان دار چونے اور پتھر سے بنی ہوئی ، اس مسجد کو بھی مولانا جمالی نے اپنے جیتے جی قریب ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء بنایا تھا - جس جگہ یہ مسجد واقع ہے ، پہلے آبادی قطب صاحب کی اس مقام پر تھی - چنانچہ اب بھی اس جگہ پرانی

---

۱ - His tomb, a very elegant little building of white marble, is a short distance S.E. of the Kotab Minar eleven miles from Dilly (P. 446)

۲ - ص ۴۷ (۱۹۰۴ء) آثار الصنادید کے مختلف ایڈیشنوں کی عبارت میں فرق ہے - غزلیں اڈیشن ۱۹۰۴ء میں نہیں ہیں - ۱۸۹۵ء (۱۳۱۳ھ) میں غزلیں موجود ہیں - مضمون کی عبارت میں بھی فرق ہے -

۳ - مآثرالامراء میں ہے کہ یہ مسجد گدائی نے بنوائی تھی (جمالی..... در دہلی کہنہ.....در مقبرہ قریبی (کہ در جنب آن مسجدے است کہ خلف الصدق او شیخ گدائی بنا کردہ) مدفون شد (۲ : ۵۴۰) -

بستی کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں بلکہ جس زمانے میں پتھورا نے یہاں قلعہ بنایا اس زمانے میں بھی آبادی اس مقام پر تھی''

سر سید کے بعد ان کتابوں میں عمارتوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے ۔

(1) Cunningham : Archaelogical Survey of India, Report for year 1871-72 (1874) P. 62-76.

(2) C. Stephen - Archaeology and Monumental Remains of Delhi (1876) Simla P. 171-172.

(3) Fan Shawe. H. C.-Delhi-Past & Present (1902) - P 278. London.

ان میں سے مفصل حال Stephen نے لکھا ہے ۔ باقی دو نے مختصر روئداد درج کی ہے ۔

۴ ۔ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی ۔ واقعات دارالحکومت دہلی ، اردو کی کتاب ہے ۔ اس میں Stephen کے پورے مطالب کا ترجمہ بغیر حوالے کے دیا گیا ہے ۔ ہم اس کا اقتباس بادنیٰ تغیر یہاں درج کر رہے ہیں ۔

مولانا جمالی اور کمالی کی درگاہ اور مسجد......درگاہ آپ کی راجوں کی بائیں کے پاس پختہ.........میں ہوتی ہے ۔ ......۹۳۵ھ (۱۵۲۸ء) میں آپ نے ایک مسجد اور یہ درگاہ اور پھر اپنا مقبرہ قطب صاحب کی پرانی بستی میں راجوں کی بائیں کے پاس بنوایا ۔ یہ مسجد نہایت عمدہ اور بڑی شان و شوکت کی ، چونے پتھر سے بنی ہوئی ہے ۔ اس کی جنوبی وضع اور دلکشی کا بیان نہیں ہو سکتا........اس پر کوئی گنبد یا تاریخ بنا نہیں......اس کی وضع قطع ہمایوں کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے.........اگرچہ اب یہ مسجد ویران ہے مگر اگلے زمانے میں قطب صاحب کی آبادی میں واقع تھی......مسجد اور درگاہ کے احاطے گو علیحدہ علیحدہ ہیں مگر ملے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ مسجد کی شمالی دیوار درگاہ کی جنوبی دیوار ہے ۔ درمیان میں راستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے ۔ مسجد کے صحن کا طول ۱۲۰ فٹ اور عرض ۷۰ فٹ ہے۔ اس میں داخلی دروازہ مشرقی دیوار سے ہے جو حال کا

---

۱ ۔ آثار ۳۷۲ (کانپور ۱۹۰۴ء) نیز دیکھیے خرابات نگار عبدالحق دہلی ص ۱۳۵ سال ۱۸۷۶ء و کتاب دہلی سید احمد ولی اللہی ص ۲۳۸ سال ۱۹۰۱ء نیز مزارات اولیائے دہلی مولوی محمد عالم فریدی دہلوی ۱۳۳۶ھ ۔

نکلا ہوا ہے ۔ قدیم دروازہ جنوبی دیوار سے تھا جو ایک جدید دیوار سے جو مشرقی اور جنوبی دیواروں کو ملاتی ہے بند ہو گیا ہے ۔

مسجد کی وضع قطع سولہ مسجد جیسی ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں صرف ایک گنبد ہے اور آخر الذکر میں تین ۔ جمالی مسجد کا گنبد لودیوں کے زمانے کی آخر طرز کا ہے ۔ مسجد کا طول ۱۲۰ فٹ عرض ۲۷ فٹ اور اونچائی ۱۳۲ فٹ ہے ۔ چھت سے گنبد تک ۱۰ فٹ کی بلندی ہے ۔ مسجد پنج دری ہے ۔ درمیانی محراب دیوار میں دو فٹ اندر کو ہے جو ۳۰ فٹ بلند اور ۱۵ فٹ چوڑی ہے ۔ دیوار دوز ستونوں کے سرے جہاں سے محراب شروع ہوتی ہے سنگ سرخ کے ہیں جن پر عمدہ نقش و نگار ہیں........محرابوں کی پیشانی پر بھی خوش نما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور سنگ سرخ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں ۔ محراب کے نیچے اس دیوار میں ، جس میں بیچ کا دروازہ ہے ، ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی ہے ۔ اس کھڑکی سے تین چار فٹ نیچے وہ دروازہ ہے ، جس کا ذکر اوپر آیا ہے ، جو ۱۴ فٹ بلند اور ۱۰ $\frac{1}{4}$ فٹ چوڑا ہے ۔ اس دروازے پر بھی سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں ، بیل بوٹے اور نقش و نگار ہیں ۔ درمیانی محراب کے ادھر ادھر کی محرابیں ۲۱ فٹ اونچی اور ۱۰ فٹ چوڑی ہیں ۔ بیچ کی محراب کی چھت دونوں طرف کی محرابوں کی چھت سے ۱۸ فٹ اونچی ہیں ۔ آخری بازو کے محرابوں کی دیوار دوز ستونوں میں دو طاق کم گہرے اور ۳ فٹ اونچے ہیں ۔ بیرونی دیوار دوز ستونوں کی نچلی محرابیں کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے مسجد پر چڑھنے کا زینہ ہے ۔ چھوٹی محرابوں کی پیشانی پر بھی نقش و نگار ہیں ۔ جن میں بھورا اور لال پتھر لگا ہوا ہے ۔ صحن مسجد پر چوکی بچھی ہوئی ہے ۔ پانچوں دروازوں کے جواب میں پچھمت کی دیوار میں بڑی بڑی دیوار دوز محرابیں ہیں ۔ ان محرابوں میں سنگ مرمر کے پٹکے اور نقش و نگار ہیں ۔ بیچ کے خطے پر گنبد ہے جس کی چھت محراب دار ہے اور اطراف کے حصوں کی مسطح ۔ درمیانی حصہ مربع ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہلو ہو گیا ہے ۔ درمیانی حصے کے کونوں کی مثلث جگہ میں عمدہ نقش و نگار ہیں............مسجد کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر سنگ خارا کا ہشت پہلو برج ہے جس کا قطر ۱۱ $\frac{1}{2}$ ور ضلع ۷ فٹ ۸ انچ اور دروازے کی بلندی ۴ $\frac{1}{2}$ فٹ ہے ۔ اس برج میں کوئی قبر نہیں ہے........مسجد کے دونوں طرف ۲۹ سیڑھیوں کا زینہ ہے ۔

مقبرہ

مسجد کی عقب کی دیوار میں بھاری بھاری توڑے جگہ کو پر کرنے کو لگا دیے ہیں ۔ صحن مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں کوئی ۷۰ فٹ مربع زمین فصیل کے احاطے سے محصور ہے ۔ احاطے کی دیوار ۱۰ فٹ اونچی ہے اور اس میں مولانا جمالی کا مزار ہے ۔

احاطہ بھورے پتھر اور گچ کا ہے جس میں جانے کے لیے شمالی دیوار میں ایک پست دروازہ لگا ہوا ہے ۔ تمام دیوار میں طاق ہی طاق ہیں اور مغرب رخ کی دیوار کے طاق کھلے ہوئے ہیں ۔

اس احاطے کے جنوب و مغرب کے کونے میں ایک حجرہ ہے جو غالباً خدام کے لیے بنایا گیا ہے اور یہیں وہ دروازہ تھا جس میں سے مسجد میں جانے کا رستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے ۔

مزار کے مشرق میں ایک وسیع احاطہ ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں ۔ جمالی کی قبر ۲۵ فٹ مربع اور ۱۶ فٹ اونچے حجرے میں ہے جس کا دروازہ جنوب رخ کی دیوار میں ہے ۔ دروازے کے سامنے اور عمارت کے گردا گرد سنگیں چھجہ ہے جس کے توڑے لگے ہوئے ہیں ۔ اسی کے نیچے حجرے کے اطراف ایک کاشانی اینٹوں کے کام کا پٹکہ ہے ۔ حجرے کے مسطح چھت کے اطراف میں بھی رنگیں نقاشی کا کام ہے ۔ دروازے کے دونوں طرف دو طاق ہیں جن کے اوپر ایک دیوار دوز محراب ہے ۔ روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لیے دو فٹ مربع طاق بنا دیے گئے ہیں ۔ حجرے کی چھت اندر سے گنبد دار ہے جس میں نہایت عمدہ مگر ضرورت سے زیادہ نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہے ۔

جمالی کی قبر حجرے کے بیچ میں ہے ۔ آپ کی داہنی طرف ایک اور قبر ہے ۔ جو آپ کے بھائی کمالی کی کہی جاتی ہے[1] ۔ بائیں طرف ایک قبر کی جگہ خالی ہے ۔ دونوں قبریں نہایت شفاف سنگ مرمر ، جن کو بہت مجلی کیا گیا ہے ۔ قبروں کے تعویذ سادے ہیں ۔ کوئی نقش و نگار یا کتبہ نہیں ہے ۔ اندر فرش سنگ مرمر کے چوکوں کا ہے جس میں سنگ موسیٰ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں ۔ قبر کا تعویذ

---

۱ ۔ مزارات اولیائے دہلی (محمد عالم فریدی دہلوی) میں ہے کہ : اندر گنبد شیخ جمالی کے چچا کا مزار ہے ۔ (ص ۸۳) ۔

چھ فٹ آٹھ انچ × ۲ فٹ آٹھ انچ مربع ہے - دیواروں پر......نفیس گچ کاری پر نقش و نگار کے علاوہ گنبد کی چھت پر لاجوردی رنگ کے گل بوٹے نکالے گئے ہیں - جن کا رنگ پائدار ہے......درگاہ کے سامنے $\frac{1}{2}$۲٦ × $\frac{1}{2}$۴ فٹ چوڑائی کا نفیس فرش ہے - جس میں سفید اور گیروے رنگ کی ٦ انچ مربع ٹائلیں لگی ہوئی ہیں - فرش کے بیچ ۷ فٹ ۳ انچ کا حوض ہے - جو اب پاٹ دیا گیا ہے - درگاہ کا احاطہ کنگرہ دار ہے - طول و عرض ۱۱۲ × ۹۸ فٹ ہے - اونچائی ۱۰ فٹ ہے - دیوار طاقدار ہے -

احاطہ میں بجانب مشرق $\frac{1}{2}$۹ فٹ مربع چوکھنڈی ہے جس کے بیچ میں سنگ سرخ کی ایک زنانی قبر ہے - اور دو طرف (اللہ - اللہ) اور بیچ میں کلمہ لکھا ہوا ہے - چوکھنڈی کے پاس ایک اور کنگرہ دار ۱۰۰ × $\frac{1}{2}$۴۴ فٹ طاقدار احاطہ ہے جس کی بلندی ۱۱ فٹ ہے - اس میں بہت سی قبریں ہیں جو اب شکستہ ہیں[1] -

کتبہ

مسجد کے داہنی طرف سے پہلے دروازے پر یہ عربی آیات کے کتبات ہیں -

۱ - لیس‌البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب -
تا ــــو اولئک ھم المتقون[2] -

۲ - یاایھاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام......تا لعلھم یرشدون[3] -

۳ - اللہ لا الہ الا ھوالحی القیوم........فمن یکفر.....کلما دخل الیھا......
یرزق من یشاء بغیر حساب[4] -

---

۱ - ص ۳۵۰-۳۵٦ -
۲ - البقر ۲-۱۷۷ -
۳ - ایضاً ۲-۱۸۳-۱۸٦ -
۴ - آل عمران ۳-۳۷ -

۴ - (پیش طاق پر سے)—وما جعلنا القبلة التی........ان الله بالناس لرؤف رحیم[1] -

۵ - سبحن ربک رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمد لله رب العالمین[2] -

مقبرے کے اندر گنبد کے چوگرد چونے کی منبت کاری میں ذیل کی دو غزلیں اور ایک رباعی لکھی ہوئی ہے :

اگر بمکر کشد سر سیاه کاری ما
بود به عفو تو چشم امیدواری ما
به آستان تو، شرمندهٔ سگان تو ام
که شب قرار ندارد به آه و زاری ما
اگر به پردهٔ راز تو محرمی یابد
فرشته فخر نماید به پرده داری ما
بخاک کوئے تو، در چشم مردمان خواهیم
به نزد اہل نظر عزتست خواری ما
ز ابر لطف تو شد ناپدید گرد گناه
ولیک شسته نه شد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو، در بیکسی و تنهائی
به جز غمت نه رسد کس، به غم گساری ما
جهالیا بدربار التماس می آر
که ہست بر در دلدار رستگاری ما
ز حد گزشت ہمشت تو بی قراری ما
امید ہست که رحم آوری به زاری ما
جمال عفو تو، کے آمدی برون ز نقاب
اگر نه روئے نمودی گناہگاری ز ما
اگرچه دوزخ قهریم، از گنه کاری
بود بلطف تو چشم امیدواری ما

---

۱ - البقر ۲-۱۳۸ -
۲ - الصافات ۱۸۱-۱۸۳ -

به عزت جبروت و به حرمت ملکوت
رسیم اگر نظر آری به خاکساری ما
اگر به پرده راز تو ، پرده دار شویم
فرشته را نه سزد جائے پرده داری ما
ز یک ترشح ابر کرم فرو شدی
غبار جرم ز رخسار شرمساری ما
نظر به سوئے جمالی فگن زمین عطا
مبین به جانب مستی و خامکاری ما
اے رحمت تو ز معصیت برده گرو
وے قمر ترا لطف تو فرموده برو !
جائے که شد از خرمن عفو تو سخن
آنجا گنه خلق بسنجید بجو[۱]

۵ - اولاد

اخبارالاخیار میں جمالی کے دو بیٹوں کا حوالہ ہے ۔ لیکن دیوان میں ایک اور بیٹے کا پتہ چلتا ہے جو جوانی میں فوت ہو گیا ۔ اور جمالی نے اس کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے ۔ جمالی کی طرح ان کی اولاد کے لیے بھی مواد بہت کم ملتا ہے ۔ جس کی وجہ سے پوری زندگی کا خاکہ تیار کرنا بڑا مشکل ہے ۔ جتنا کچھ مواد فراہم ہو سکا ہے ، اس کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے ۔

۱ - حسن

یہ غالباً جوانی میں فوت ہو گئے ۔ اور جمالی نے ایک پر درد مرثیہ لکھا جو ان کے دیوان میں موجود ہے ۔ ایک بند یہ ہے :

روزگار بیوفا ، با من عجائب کار کرد
سینه ام افگار کرد و دیده ام خونبار ساخت
بخت من بیدار بود و فتنه محنت بخواب
بخت را در خواب کرد و فتنه را بیدار ساخت

۱ - واقعات دارالحکومت دہلی ۳ : ۲۵۶ - نقش پارسی اعجاز ہند تالیف علی اصغر حکمت ص ۷۹-۸۱ -

سوزِ غم را با دلِ بے صبرِ من ہمدرد کرد
صبر را از سینۂ پر دردِ من بیزار ساخت
اے عزیزاں : یوسفم گم کرد ایں گرگ کہن
دیدہ یعقوب چوں اشک زلیخا خوار ساخت
صد ہزاراں داغ محنت بر دل پر خوں نہاد
مردن آسان کرد بر من زندگی دشوار ساخت
دیدۂ ما پر دم از عکس رخش گلزار بود
دور گردوں آں ہمہ گلزار را ، پر خار ساخت
آنکہ از رویش در و دیوار ما پر نور بود
روزگار اندر میان او و ما دیوار ساخت
دیدہ گریاں، سینہ بریاں، دل پریشاں جاں خراب
ہمچو مرغ نیم بسمل می تپم در اضطراب[1]

حسن کی جواں مرگی ہی سبب ہوئی کہ وہ زندگی کی پوری بہار نہ دیکھ سکے ۔ اور تذکروں میں ان کا ذکر نہ آ سکا ۔

۲ ۔ عبدالحی حیاتی متوفی ۹۵۹ھ

یہ چھوٹے بیٹے تھے ، نہایت ہی خوش ذوق اور اعلیٰ درجے کے شاعر ۔ اخبارالاخیار کے مصنف ان کے اوصاف کی یوں تعریف کرتے ہیں :

"مجموعہ مکارم اخلاق و مجمع محامد اوصاف" در زمان خود و مجمع الفضلاء و مرجع الظرفا بود ، پیش پدر محبوب تر و بہ دل نزدیک تر بود ، نشاء غریبے داشت و ظہورے عجیب بی گوشہ فیض حالتے نبود[2]" ۔

شعرو سخن میں ان کو برتری اور یدطولیٰ حاصل تھا ۔ فی البدیہہ شعر کہتے تھے ۔ اخبارالاخیار کے مصنف کہتے ہیں کہ اگر وقت اُن کا ساتھ دیتا تو نہ جانے کتنے غیر معمولی آثار چھوڑتے ۔

"الحق اگر بہ ایں قوت کہ در گفتن شعر او را بود ، اگر فکر و وقت ضمیمہ آن می شد ، آثار غریبہ از وے بہ ظہور می آمد ۔

---

۱ ۔ اردو ادب ص ۱۵۷ ، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ۔
۲ ۔ اخبار ص ۲۲۸ ۔

دوست نوازی ، عام میل ملاقات ، بے تکلف رہن سہن کی وجہ سے عام و خاص میں ان کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی ۔ باوجود عزت اور بزرگی کے جو ان کو حاصل تھی نہایت آزاد ، سادہ اور بغیر کسی رکھ رکھاؤ کے زندگی بسر کرتے تھے ۔ اپنی آمدنی پر نہایت مطمئن اور خوش گزران تھے ۔ کبھی حرص اور پیسے کی محبت ان کو نہیں رہی ۔ کلفت اور غم و فکر اور اندوہ سے کوئی سروکار نہ تھا ۔ نہایت آزاد منشی اور بے فکری میں شب و روز گزارتے تھے، بقول صاحب اخبارالاخیار :

"کلفت و محنت را گرد سرا پردہ حالش مجال عبور نبود ، ہر روز در حوالہ گاہی و دائم در سیری و ہر دم در شوق بود ۔ با ایں ہمہ از معنی فقر و غنا و درد مندی ، کہ سرمایۂ سعادت ابدی است ۔ قسطی کامل نصیب او شدہ ۔"

دستر خوان نہایت کشادہ تھا ۔ نہایت خوش سلیقہ اور وسعت قلبی سے مہمانداری کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ افغانی دور حکومت میں جتنے اہل فن ، شاعر ، قلندر ، طالب العلم ایران توران سے وارد ہوتے تو سب سے پہلے ان کے دسترخوان پر مہمان ہوتے ۔ اور ہر ایک ان کے حسن سلوک ، فراخ حوصلہ اور کشادہ پیشانی سے خوش ہو کر آگے جاتا ۔ ان کے گھر پر مہمانوں اور ملنے والوں کا ہمیشہ ایک انبوہ لگا رہتا تھا ۔ اخبارالاخیار میں ہے کہ باپ سے بہت مال و دولت ان کو ترکے میں ملا تھا ۔ اس پورے اثاثے کو انہوں نے سیرو سفر ، دوست نوازی ، مہمانداری اور دسترخوان کی فراوانی پر خرچ کر ڈالا ۔

تاریخ ہندی کے مصنف نے ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اس وصف اور خوبی کی تائید کی ہے :

"وے بہ فقر و آزادگی و حسن خلق متصف بود" ۔

ایلیٹ[1] نے عبدالحق دہلوی کی ایک بے نام تصنیف کا اقتباس دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحی نے اپنے عہد کی ایک تاریخ لکھی تھی ۔ جس کو سلیم شاہ کے نام پر معنون کیا تھا ۔ لیکن وہ عبدالحق کے دور سے پہلے ناپید ہو چکی تھی ۔ شیخ نے اپنی اس تصنیف میں بھی عبدالحی کی شاعری کی تعریف کی ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی شاعری کا پورا ذخیرہ ضائع ہو گیا ۔

---

۱ ۔ اخبار ص ۲۲۹ ۔

شیخ عبدالحی کی عمر صاحب تاریخ محمدی نے ۳۶ برس لکھی ہے - اس حساب سے ان کی پیدائش کا سال ۹۲۳ھ ہوتا ہے - یہی سال اخبارالاخیار میں بھی ہے - اسی سال جمالی کے دوست اور مربی بادشاہ سکندر لودی کا بھی انتقال ہوا -

اخبارالاخیار اور بدایونی نے شیخ کی وفات کا سال ۹۵۹ھ دیا ہے - بدایونی کی عبارت یہ ہے :

"...و در ہمیں سال (۹۵۹ھ) شیخ عبدالحی ولد شیخ جمال کنبوی دہلوی که به فضائل علمی و شعری آراسته و صاحب سجاده و ندیم و مصاحب خاص الخاص سلیم شاه (سوری) بود - ودیعت حیات سپرد[1] -

اخبارالاخیار میں ان کی وفات پر سید شاہ میرک (از اولاد میر شریف جرجانی) کی کہی ہوئی یہ تاریخ موجود ہے :

نادر العصر شیخ عبدالحی	که ز وصفش مرا زبان نبود
وقت نزعش به سر رسیدم من	گفتم ا اے چوں تو، در زماں نبود
سال تاریخ خویش ، خود فرما	که جز او ، ورد ایں زباں نبود
گفت ا تاریخ من بود نامم	بنده وقتے که درمیان نبود[2]

شیخ عبدالحی سے عبد (بندہ) کے عدد کم کرنے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے -

بدایونی کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ شیخ عبدالحی سلطان سلیم شاہ سوری (۹۵۲-۹۶۱ھ) کے ندیم اور خاص الخاص مصاحب تھے - سلیم شاہ (اسلام شاہ) علم دوست ، سخن شناس ، اور اہل فن کا قدردان تھا - تاریخ خان جہانی کے مولف نے ان کے ان اوصاف کی تعریف کرتے ہوئے شیخ عبدالحی کے مراسم کا یوں ذکر کیا ہے -

"...و از جملہ مصاحبان آں پادشاہ فضیلت دستگاہ قدوۃالمحققین شیخ عبدالحی ولد شیخ جمالی کنبوہ بود که اکثر اوقات باو صحبت می داشت و در ظرافت و لطافت او ثانی نبود چنانچہ قصائد غرا در مدح اسلام شاہ گفته[3] -"

سلیم شاہ کے باپ سلطان شیر شاہ سوری سے بھی شیخ کے تعلقات تھے - اور

---

۱ - بدایونی ۱ : ۱۰م -
۲ - اخبار ص ۲۲۹ -
۳ - تاریخ خان جہانی ص ۳۷۷ -

غالباً حاضر باشی تھی - چنانچہ جب ملو خاں خزانہ اور اپنے اہل و عیال کو لے کر رات کے وقت فرار ہو گیا تو صبح کو شیر شاہ نے اطلاع پا کر کہا :

ملو غلام کیدی با من چہ کرد ، دیدی !

شیخ وہاں حاضر تھا - اس نے فوراً دوسرا مصرعہ کہا :

قوی مست مصطفے را ، لا خیر فی العبیدی[1] !

تاریخ خاں جہانی میں ہے کہ "بجالب فیض مآب شیخ عبدالحی........توجہ نمود و این مصرعہ را فی البدیہہ گفت[2]" - اس سے واضح ہے کہ شیر شاہ کے ساتھ شیخ کی موانست اور مجالست تھی -

شیخ کی قبر بقول صاحب اخبارالاخیار باپ کے مقبرے سے باہر چبوترے پر ہے[3] -

۳ - شیخ عبدالرحمن گدائی متوفی ۹۷۶ھ

شیخ جمالی کے بڑے بیٹے عبدالرحمن نام گدائی تخلص ، ان کا نام کسی تاریخ یا تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا - محمد حارثی بدخشی نے اپنی تاریخ محمدی میں یہ نام دیا ہے[4] - صاحب اخبار الاخیار نے ان کے بزرگ ، جاہ و جلال ، مرتبہ اور عزت کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے :

"در بزرگی و جاہ پہلو بہ پدر می زد ، و در اول و آخر ہمت بر کسب معالی و مفاخر داشت ، در رعایت اطوار بزرگی و عزت ملاحظہ اوضاع جاہ و دولت می بود[5]" -

جس طرح ان کے والد سکندر لودھی کے جلیس ، ہمراز اور ہم نشین تھے اور جیسے ان کے چھوٹے بھائی عبدالحی سلطان سلیم کے مقرب خاص الخاص تھے - اسی طرح گدائی ہمایوں بادشاہ کے دامن دولت سے وابستگی رکھتے تھے -

---

۱ - طبقات اکبری ۲ : ۱۰۳ ، تاریخ شیر شاہی میں یہ مصرعہ یوں آیا ہے ع راست است این حکایت لا خیر فی العبیدی (ص ۱۷۷) بدایونی میں پہلا مصرعہ ہے : با ما چہ کرد دیدی ملو غلام کیدی (۱ : ۳۶۵) -

۲ - تاریخ خاں جہانی ص ۳۲۰ -

۳ - اخبار ص ۲۲۹ مزارات اولیائے دہلی (مولوی محمد عالم فریدی دہلی ۱۳۴۶ھ) میں بھی اسی طرح مرقوم ہے (ص ۸۳) -

۴ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ ص ۷۴ -

۵ - اخبار ص ۲۲۹ -

جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں پر غلبہ پایا (۹۴۷ھ) تو شیخ گدائی اسی تعلق کی بنا پر دہلی چھوڑ کر گجرات میں آ کر فی الحال گوشہ نشین ہو گئے اور تھوڑے عرصے کے بعد صاحب اخبار الاخیار اہل و عیال کو لے کر حرمین شریفین چلے گئے ۔ جہاں سے اکبری دور کے ابتدا میں دہلی واپس آ گئے ۔

بیرام خاں ، خاں خاناں سے شیخ کے روابط کی ابتدا وہیں سے شروع ہوتی ہے ۔ بیرام خاں شیر شاہ کی فوج کی تاب نہ لا کر جب گجرات پہنچا ہے اس وقت شیخ گدائی نے اس کے ساتھ بہت ہی غیر معمولی سلوک کیا ۔ جب تک رہا سہانداری اور مروت و مودت کے تمام لوازمات سر انجام دیے اور جب بیرام خاں ہمایوں کی طرف چلا تو اپنے آدمیوں کے ساتھ بحفاظت تمام ان کو سندھ میں پہنچایا تاریخ شیر شاہی میں ہے کہ :

''چوں شیر خاں از اجین کوچ کرد ، بیرم بیگ و محمد قاسم (حاکم گوالیار) ہر دو جانب گجرات گریختندا ۔ محمد قاسم در راہ کشتہ گشت و بیرم خاں در گجرات رفت ۔ شیخ گدائی در گجرات بود ، خدمات پسندیدہ نمود و از گجرات بیرام را در ملازمت حضرت ہمایوں بادشاہ روانہ ساخت''[2] ۔

ہمایوں اس وقت سندھ کے قصبہ جون میں بڑی مایوسی کے عالم میں منزل انداز تھا ۔ بقول تاریخ معصومی : بیرم جب ۷ محرم کو ان کے پاس پہنچا تو ہمایوں کی تمام نا امیدیاں فی الحال دور ہو گئیں''[3]

---

۱ ۔ مسند عالی عیسیٰ خاں کلبور بیرام خاں کو لے کر اجین کی منزل پر شیر شاہ کے پاس آیا ۔ شیر شاہ نے پوچھا کہ بیرم خاں کو کہاں سے لائے ؟ عیسیٰ خاں نے جواب دیا شیخ ملھی قتال (ان کا احوال آگے آتا ہے) کے گھر سے ۔ شیر خاں نے کہا کہ معاف کر دیا کیونکہ جب کسی نے شیخ قتال کے گھر میں پناہ لی ، افغانوں کے عقیدے کے مطابق اس کو بخش دیا جاتا ہے ۔ جب اجین سے شیر شاہ نے کوچ کیا تو بیرم موقع پا کر گجرات کی طرف فرار ہوا ۔

۲ ۔ تاریخ شیر شاہی ص ۱۶۱ ۔ دوسری جگہ لکھا ہے بدلالت بدرقہ شیخ گدائی ......ملازمت ہمایوں بادشاہ رسید ص ۱۶۱ ۔

۳ ۔ تاریخ سندھ میر معصوم ص ۱۷۹ ۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ گدائی ۹۴۷ سے لے کر ۹۵۰ تک گجرات میں مقیم تھے ۔ حرمین شریفین اس کے بعد ہی کبھی سال گئے ہیں ۔ اور پھر جب اکبر تخت نشین ہوا (۹۶۳ھ) تو بقول طبقات اکبری سال سوم (۹۶۵ھ) میں دہلی واپس آ گئے جہاں بیرم خاں نے اپنے ساتھ کیے ہوئے سلوک کا حق ادا کرتے ہوئے ان کو صدارت کے منصب جلیلہ پر فائز کر دیا ۔ صاحب طبقات کی عبارت ہے :

"(سال سیوم) و ہمدریں اوقات منصب صدارت ممالک باستصواب خان خانان ، شیخ گدائی.........دہلوی ۔ بتقریب آشنائی خان خانان را شیخ گدائی در ایام غربت در گجرات بہم رسیدہ بود ۔ تفویض یافت"[1]

شیخ ابوالفضل ، شیخ گدائی کے منصب کا ذکر سال اول جلوس (چہار شنبہ ۲۸ ربیع الثانی (۹۶۳ھ) میں کرتا ہے :

"و درہمیں ایام شیخ گدائی کنبو از گجرات آمدہ ادراک ملازمت نمود ۔ و چوں در زمان غربت در گجرات بہ بیرام خاں حسن سلوک نمودہ مدد می بجا آوردہ بود دریں وقت کہ عنان اختیار بدست بیرام خاں بود ، بہ پاداش آں بہ شیخ روئے در افزایش نہاد و بہ منصب صدارت سربلند شد و درمیان اقران بہ تعظیم و ترفع زندگانی کرد"[2]

تاریخ شیر شاہی میں ہے کہ بیرام خاں نے اتنے احسانات کیے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتے ۔

"بیرام خاں کہ خانخاناں خطاب او شد با شیخ گدائی و میاں عبدالوہاب...چنداں احسان نمود کہ بیش از متصور نیست"[3]

شیخ گدائی کے اوج و اقبال کے بیان میں صاحب طبقات اکبری نے لکھا ہے کہ

"احترام شیخ گدائی بجائے رسید کہ بر اکابر ہندوستان و خراسان تقدیم کرد"[4]

---

۱ ۔ طبقات ۲ : ۱۴۰ ۔
۲ ۔ اکبر نامہ ۲ : ۲۰
۳ ۔ تاریخ شیر شاہی ص ۱۶۱ ۔
۴ ۔ طبقات ۲ : ۱۴۰ ماثر رحیمی (۲ : ۲۹) میں ہے "دریں وقت شیخ گدائی کنبوہ کہ در حین رفتن خان خاناں گجرات و توجہ نمودن بملازمت جنت

ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ گدائی حج کے بعد گجرات واپس آ گئے تھے جہاں سے اکبری دربار میں پہنچے اور یہ منصب پا کر اتنا اثر رسوخ اور جاہ و جلال بہم پہنچایا کہ اس سے زیادہ وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا ۔ ان کے رسوخ کی تصویر مآثر الامراء میں اس طرح بیان ہوئی ہے :

''وچناں نقش صحبت او بہ بیرام خاں درست نشست کہ خان جمیع سہمات مالی و ملکی بے استصواب او سرنمی کرد ، و با آنکہ متعہد منصب صدارت بود ۔ برظہر مناشر مہر او می شد ، او را تسلیم معاف داشتہ در محافل و مجالس بر جمیع سادات صحیح النسب ترجیح و تقدیم داد و عظمت شان شیخ بہ مرتبہ رسید کہ سوارہ بہ عرش آشیانی مصافحہ می نمود''۱

گویا خانخاناں کے ہم رتبہ ان کا مرتبہ تھا ۔ تمام ملکی کاروبار ان کے مشورے سے طے پاتا تھا ۔ سرکاری فرامین اور مناشیر پر جب تک ان کے دستخط نہ ہوں اجرائی نہیں پاتے تھے ۔ تسلیم اور کورنش معاف تھا ۔ سرکاری مجلسوں میں سادات اور علماء پر ان کو ترجیح حاصل تھی ۔ اور بادشاہ سے چڑھے گھوڑے ہاتھ ملا سکتے تھے ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ شاہزادوں کو عزت اور قدرت حاصل نہ تھی ۔ اکبر نامہ میں ابوالفضل نے یہی حقیقت بیان کی ہے :

جمیع سہمات مالی و ملکی را بیرام خاں بے استصواب او نمی کرد ۔ او ہم از بادہ مدد افگنی دنیا از جائے رفتہ بہ احوال مساکین و ضعفاء نمی پرداخت ۔ و تکبر کہ بنیاد افگنی قدیم دولتاں است تا بہ نو دولتاں چہ رسد ۔ پیش گرفتہ اسباب نکال خود و مربی خود سر انجام می نمود''۲

آخر بادشاہ اور بیرام خان کے بعد میں ہونے والے باہمی اختلافات کا ایک بڑا سبب شیخ گدائی کا یہ اثر رسوخ بھی تھا ۔ اکبر گدائی کے اس نفوذ اور ان کے کرتوتوں کو سخت ناپسند کرتا تھا ۔ چنانچہ اپنے ایک فرمان میں بیرام

آشیانی وقت رفتن سفر عراق حسن سلوک شایستہ نمودہ بملازمت آمد ، آنچہ بزرگاں را با این قسم مردم باید کرد ، بجا آورد''

۱ ۔ مآثر الامراء ۲ : ۵۳۰ ۔

۲ ۔ اکبر نامہ ۲ : ۸۷ ۔

خاں کو اس کی تنبیہ بھی کی ۔ بادشاہ کے اس فرمان میں گدائی کے اقتدار کی تصویر خود بادشاہ کے الفاظ میں یوں کھینچی گئی ہے :

"زمام حل و عقد ورتق و فتق امور را بہ قبضۂ اختیار او (بیرام خاں) گزاشتہ بودیم کہ مزیدے برآں تصور نتواند.....تا آنکہ دریں پنج سال چندے امور ناشایستہ ازو بہ ظہور آمد کہ سبب نفور خاطر جمہور بود ۔ مثل تربیت شیخ گدائی کہ باوجود دعوئ آں ہمہ زیرکی و دانائی از میان این ہمہ مردم فاضل و قابل باحسب و نسب او را بہ مصاحبت و آشنائی خود انتخاب نمودہ ۔ و با آنکہ متعہد منصب صدارت شدہ بود و در ظہر مناشیر مہر می کرد ۔ او را از تسلیم معاف داشتہ بود و بہ کمال جہل و نادانی در محافل جنت مماثل او را بر جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب کہ بنا بر ملاحظہ عظمت شاں و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا می آوردیم ۔ تقدیم دادہ ، باوجود لاف محبت و دوست داری کہ بہ خاندان طیبین و طاہرین می زند ۔ مذلت و خواری ایں فرقہ شریفہ را عمداً تجویز می نمود و تربیت کردۂ خود را مردودہا و مطرود نظر ہاست ۔ بریں طائفہ کہ تربیت الٰہی دارند، ترجیح دادہ از ارواح مقدسہ ایں ہمہ بزرگاں ہیچ گونہ شرم و آزرم نداشت و او را بہ مرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ بما مصافحہ می نمود......"[1]

گدائی نے بیرام خاں کی اس بیش بینی پر اپنے رویے سے دربار اور اطراف کے پورے ماحول کو اپنے خلاف کر دیا ۔ تمام امیر اور اہل دربار ان سے بیزار اور ان کے مخالف ہو گئے ، اہل علم و فضل اور ثقہ لوگ ان سے نالاں تھے ۔ ماہم انگہ ، بادشاہ کے گھر کی ذی وقار عورت تھی اس کو مخالف کر دیا ۔ ناصر الملک سے دشمنی پیدا کر لی[2] ۔ شیخ محمد غوث گوالیاری اس دور کے جلیل القدر شیوخ میں شمار ہوتے تھے ۔ ان کو اس حد تک پریشان کیا کہ وہ بیزار ہو کر دربار سے چلے گئے[3] ۔ اکبر نامہ میں ہے کہ

---

۱ ۔ اکبر نامہ ۲ : ۱۰۶ - ۱۰۷ ، اکبر نامہ میں بیرام خاں کے اختلافات اور گدائی کے لیے دیکھیے صفحات ۲ : ۶۶ - ۸۶ ، ۹۳ - ۹۷ ۔

۲ ۔ اکبر نامہ ۲ : ۶۶ - ۸۶ ۔

۳ ۔ اکبر نامہ ۲ : ۸۸ - ۸۹ ، طبقات اکبری ۲ : ۱۴۱ ، تاریخ خان جہانی ۱ : ۷۹ ۔

"شیخ گدائی کہ باو عداوت قدیمی داشت ، بتازگی کمر دشمنی بربست و رسالہ او را کہ در گجرات نوشتہ بود...... بخان خانان رسانده خاطر او را برو متغیر گردانید و او بوسیلہ بعض مردم از آسیب خانخانان نجات یافتہ بگوالیار منزوی شد ۔"[1]

جب بادشاہ اور بیرام خاں کے درمیان ناپسندیدگی اور اختلاف کی بہت بڑی خلیج حائل ہو گئی اس وقت بیرام خان حج کے ارادے سے ۹۶۷ھ میں ملک چھوڑ کر چلا اور گجرات میں جا کر منزل انداز ہوا ۔ شیخ گدائی بھی ان کے ہمراہ گئے ۔ اور اتفاق سے بیرام خاں ۹۶۸ھ میں شہید ہوگیا اور شیخ گدائی کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر فی الحال کوہستان جیسلمیر میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے ۔ کچھ عرصے کے بعد جب حالت اور تاثرات کی تیزی ماند پڑی اس وقت شیخ دہلی آ گئے جہاں ایک دفعہ پھر درباریوں اور دیگر معززین نے مخالفت شروع کی ۔ لیکن بادشاہ نے کمال لطف اور مراحم خسروانہ سے کام لیا ۔ سرکار کی طرف سے مکان بھی مل گیا اور وظیفہ بھی جاری ہوا جو آخر زندگی تک رہا ۔ اس دفعہ امان تو مل گئی لیکن دربار میں دوبارہ نفوذ حاصل نہ کر سکے ۔ مآثر الامراء میں ہے کہ

"۔۔۔اما عرش آشیانی از کمال عاطفت و مہربانی بغایت پیش آمد لیکن آن رتبہ و حالت و عزت و اعتبار نماند۔۔۔"[2]

بہر حال پھر بھی شیخ گدائی شہری زندگی میں اعزاز و اکرام سے رہے ۔ مالی لحاظ سے بھی ان کو اطمینان رہا جیسا ملا بدایونی کے نوشتہ سے ظاہر ہوتا ہے :

"۔۔۔آن زمان ہم معزز و مکرم بود ، در مزارات مشائخ دہلی در ایام عرس حاضر می شد و مجالس عالی را بہ حشمت و کرو فر ترتیب می داد"[3]

ایک امیر خوش باش اور خوش حال شہری کی طرح شیخ گدائی نے بڑے ٹھاٹ سے بزرگوں کے عرائس ، دعوتیں اور مجالس منعقد کر کے ایک طرف اپنی

---

۱ - اکبر نامہ ۲ : ۸۹ -
۲ - مآثر الامراء ۲ : ۵۴۱ -
۳ - بدایونی ۳ : ۷۶ -

انفرادیت کو قائم رکھا اور دوسری طرف روحانی سلسلے میں جو باپ کے زمانے سے ان کے خاندان کا خاصہ تھا اپنی شخصیت کو ختم ہونے نہیں دیا۔

مشیخت کے سجادے پر شیخ گدائی باپ کی زندگی ہی میں فائز تھے۔ بیعت کا سلسلہ بھی باپ کے ہوتے ہوئے جاری کر رکھا تھا۔ خود شیخ جمالی بعض لوگوں کو اپنے اس بیٹے کی طرف رجوع کر دیتے تھے۔ ہندی افغانوں کے مرشد اور پیر طریقت شیخ راجو نامی ایک بزرگ تھے جو جمالی سے بیعت تھے۔ ان کی بزرگی اور مشیخت جمالی کی نظر کرامت اثر کی مرہون منت تھی جیسا کہ تاریخ خان جہانی میں ہے کہ:

"۔۔۔و این ہمہ نعمت از ایشان (جمالی) کسب کردہ بود"[۲]

شیخ راجو اپنے بیٹے بایزید کو شیخ جمالی کے پاس بیعت کے لیے لے گئے۔ شیخ نے بازو پکڑ کر بایزید کو گدائی کے حوالے کیا کہ ان سے بیعت ہو اور وہ ان کی تربیت کریں۔ چنانچہ بایزید ان کے مرید ہوئے اور مشیخت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان شیخ بایزید کو گدائی نے احمد آباد میں بادشاہ گجرات کی دعوت کے اندر شیخ محمد غوث گوالیاری سے مصافحہ کرنے سے روک دیا جس کی وجہ سے شیخ گوالیاری کو بڑا صدمہ پہنچا[۳]۔

شیخ جمالی خود بہت صاحب ثروت بزرگ تھے۔ اتنا کچھ اپنے پیچھے ترکہ اور ورثہ چھوڑا کہ ان کے بیٹے عبدالحی نے تمام زندگی بیٹھ کے کھایا اور شاہ خرچی میں زندگی گزاری۔ صاحب سلوک ہوئے، بہت کچھ ملا اور بہت کچھ ان کا اپنا بھی پیدا کردہ تھا۔ یہی مالداری تھی جس کی وجہ سے بیرام خان کی سہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور سندھ تک ان کو اپنے خرچ سے پہنچایا۔ پھر بیرام خان کے زمانے میں جب منصب صدارت ملا تو شیخ گدائی نے کیا کچھ نہ کمایا ہوگا۔ گدائی گجرات سے واپسی کے بعد تقریباً آٹھ برس زندہ رہے۔

۱۔ اس خاندان کے حالات کے لیے دیکھیے۔ تاریخ خان جہانی ص ۹۷ تا ۹۸۔

۲۔ خان جہانی ص ۸۹ و ۹۷۔

۳۔ تاریخ خان جہانی ص ۹۰۔ پٹھانوں کے دور میں اس خاندان نے بہت بڑا مرتبہ اور روحانی درجہ حاصل کیا تھا، تمام افغان سلاطین یا امراء اس خاندان کے معتقد اور مرید تھے۔ اس خاندان کے ارکان اس طرح ہیں:

←

اور بڑی شان کے ساتھ امیرانہ زندگی گزار کر ۹۷۶ھ میں وفات پا گئے۔ ان کی قبر باپ کے مقبرے میں اب تک موجود ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ملا بدایونی جس طرح دوسرے اکبری امراء سے ناراض تھا اسی طرح شیخ گدائی کو بھی وہ ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ وفات کے بعد ان کو ناملائم کلمات سے یاد کیا ہے:

- شیخ موسیٰ سروانی
  - شیخ احمد ککہور (مرید شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی مدفون ملتان)
    - میاں بھوہ
    - محمود
      - شیخ محمود حاجی (سجادہ نشین)
        - شیخ محمد حاجی
          - شیخ راجو (مرید شیخ جمالی)
            - بایزید (معاصر غوث گوالیاری و مرید شیخ گدائی)
        - شیخ برمزید سرہندی
          - شیخ صدر الدین
            - احمد جوان مرد
              - شیخ صدر جہاں
              - شاہ سکندر
              - میاں خواجہ
              - ؟
          - شیخ علی شہباز
          - شیخ بایزید دریا
      - بی بی علائی
      - شیخ ملہی قتال مرید و تربیت یافتہ قلندر شہباز سیوستانی
    - شیخ سلیمان دانا (مرید شیخ صدر الدین عارف)

(تاریخ خان جہانی ۹۲۰ھ تا ۹۸ھ)

''۔۔۔و دریں سال (۹۷۹ھ) شیخ گدائی کنبوی دہلوی کہ حکم شحنۂ معزول داشت و از طنابل منابل ایام دریں پندار و غرور از جملہ اصنام بود ۔ در گزشت و : مردہ خوک کلاں ۔ تاریخ یافتہ''[1]

بدایونی نے ۲۹ برس بعد اپنی تاریخ ختم کی ہے ۔ اس وقت ملا جمالی یا گدائی کے اخلاف میں سے کوئی قابل ذکر شخصیت باقی نہیں بچی تھی بلکہ یہ خاندان اپنی پوری اہمیت ختم کر چکا تھا ۔ ملا بدایونی نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ۔

''۔۔۔و خانہ اخلاف او ہم چوں دیگراں خراب است و بناقضیت الایام وجری حکم اللہ العلام ۔''[2]

بدایونی نے نفائس المآثر سے گدائی کی یہ غزل دی ہے اور لکھا ہے کہ ان کو گمان ہے کہ غزل گدائی کی نہیں ہے ۔ بہر حال اس کی کوئی دلیل نہیں دی ۔

کہے جان منزل غم شد گہے دل	غمت را می برم منزل بہ منزل
مشو غافل ز حال درد مندی	کہ از حال تو یکدم نیست غافل
دل دیوانہ در زلف تو بستم	گرفتارم بہ آں مشکیں سلاسل
بہ جاں دادن اگر آساں شدی کار	نبودی عاشقاں را کار مشکل
گدائی جاں بہ ناکامی برآمد	نہ شد کامم ز لعل یار حاصل[3]

بدایونی نے ان کی شاعری اور ذوق موسیقی کے سلسلے میں یہ رائے دی ہے

''طبع نظم داشتہ و نقش و صورت ہندی می بست و می گفت و بہ آں وادی مشغوف و مالوف ۔''[4]

علی حسن نے لکھا ہے :

''۔۔۔در کلامش حلاوت و ملاحت و در افکارش تازگی و نوی۔۔۔''

موسیقی جاننے کے متعلق لکھا ہے :

''۔۔۔و بہ موسیقی ہند و نغمہ سرائی و مقام شناسی بخوبی ماہر بود''[5]

---

۱ ۔ بدایونی ۲ : ۱۱۹ ۔
۲ ۔ بدایونی ۳ : ۷۳ ۔
۳ ۔ بدایونی ۳ : ۷۷ ۔ اس غزل کے دو شعر تذکرہ گلشن مشتاق میں آئے ہیں (خطی ورق ۹۷ الف مشفق خواجہ) صبح گلشن میں تین شعر آئے ہیں ص ۳۴۷ ۔
۴ ۔ بدایونی ۳ : ۷۶ ۔
۵ ۔ صبح گلشن ص ۳۴۶ ۔ ۳۴۷ ۔

٦ - سیر و سفر

جمالی کے نوشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان سے باہر دو سفر کیے ہیں - پہلا سراندیپ کا سفر جس میں انہوں نے حضرت آدم کے قدم کی زیارت کی ، اور دوسرا سفر بلاد اسلامیہ کا تھا جس میں حجاز مقدس اور دیگر اسلامی ملکوں کو انہوں نے دیکھا -

جمالی نے سفر کی تاریخیں نہیں دی ہیں - یہ پتہ نہیں چلتا کہ کونسا سفر کب شروع کیا اور کب ختم ہوا - اس وجہ سے ان کی زندگی کے کئی گوشے تاریکی میں ہیں اور بہت سے واقعات الجھے ہوئے ہیں -

سراندیپ کا سفر بہر حال انہوں نے سلطان بہلول لودی کی وفات (۸۹۴ھ) سے پہلے ختم کیا تھا جس کی تصدیق جمالی کی اس عبارت سے ہوتی ہے :

"ـــدر ایامیے کہ حضرت مخدومی و مولائی شیخ سماءالملت والدین قدس سرہ در دارالملک دہلی متوطن بود ، ایں فقیر بہ زیارت پر طہارت قدم حضرت آدم صفی مشرف شدہ آمدہ بود ، اغلب بہ حضرت ایشاں مشرف می شد ' روزے سلطان بہلول پدر سلطان سکندر افغان لودی انار اللہ برہانہ ، بزیارت ایشاں آمدند......" [1] -

جمالی کا دوسرا سفر حجاز مقدس اور بلاد اسلامیہ کا تھا جس سے واپسی حضرت سماءالدین کی زندگی میں ہوئی تھی ، ۸۹۷ھ کے بعد اور شیخ کی وفات ۹۰۱ھ سے کچھ سال یا کچھ عرصے پہلے [2] - سیرالعارفین میں ایک جگہ سفر اخیر کا لفظ لکھا ہے [3] جس سے مراد بھی سفر بلاد اسلامیہ لیا گیا ہے [4] - اگر ہم مخزن افغانی اور تاریخ خان جہانی کی ، سلطان سکندر کا جمالی کو منظوم رقعہ لکھ کر بلانے والی روایت کو (شیخ سماءالدین والے حصہ کو حذف کرکے) قبول کریں تو اس صورت میں احتمال ہوتا ہے کہ جمالی نے اس کے علاوہ بھی ایک سفر حج کے لیے مرشد کی وفات کے بعد کیا ہے جس سے واپسی کے بعد جمالی نے مثنوی مہر و ماہ میں تاریخ والی بیت کو دوبارہ لکھا اور سلطان کی مدح شامل کرکے

---

۱ - سیرالعارفین ص ۱۷۸ -
۲ - ایضاً ص ۱۷۳ -
۳ - ایضاً ص ۱۸۳ -
۴ - اردو ادب ص ۱۱۹ -

مثنوی سلطان کے پاس پہنچائی - دھوتی قطعہ میں جس سفر سے واپسی کا اشارہ موجود ہے سو وہ پہلا سفر حجاز نہیں ہو سکتا کیونکہ ۷۰۸ سال قبل کے سفر کا ۹۰۵ھ کے دھوتی قطعہ میں ذکر کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے -

سفر کے حالات جمالی نے مفصل یا یکساں نہیں لکھے ہیں بلکہ بہت ہی مختصر ضمنی اشارے سیر العارفین میں کبھی کبھی آ گئے ہیں - ممکن ہے کہ جمالی کے دیوان میں کچھ اشارے موجود ہوں ، یعنی اشخاص ، واقعات اور شہروں کے اشارے یا کچھ تاریخ کے حامل اشعار موجود ہوں لیکن افسوس ہے کہ فی الوقت دیوان ہماری دسترس سے باہر ہے - ہمارے سامنے فقط سیر العارفین میں آئے ہوئے اشارے موجود ہیں جن پر انحصار کر کے یہاں سفر کے حالات دیے رہے ہیں -

جمالی نے سیر العارفین میں ایک جگہ ان بلاد کے نام لیے ہیں جن کو انہوں نے سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے - دیباچہ میں عبارت یہ ہے :

"احقر الانام بعد مرور ایام از زیارت پر طہارت حرمین شریفین بیت اللہ و روضۂ مقدس رسول الثقلین و جملہ انبیاء علیہم السلام و زمین مغرب و یمن و بیت المقدس و روم و شام و سیر بالخیر عراق عرب و عجم و آذربائیجان و گیلان و مازندران و خراسان بتوفیق اللہ مراجعت نمودہ ..... دہلی رسیدہ ......"[1]

سفر کے مجموعی حوالوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہمارے اندازے کے مطابق جمالی دہلی سے نکل کر ملتان میں آئے - وہاں سے سندھ میں وارد ہوئے - سندھ میں خشکی کا راستہ اختیار کیا - ہرات سے ایران میں داخل ہو کر مختلف شہروں سے گزرتے ہوئے تبریز پہنچے ، اس وقت ابھی سفر حج در پیش تھا ، مثنوی مہر و ماہ میں تبریزیوں کی زبانی یہ شعر کہا ہے

ترا راہ حجاز از اشتیاق است   سزاوار تو ایں راہ عراقی است

واپسی البتہ بحری راستے سے ہوئی اور وہ کشتی کے ذریعہ گجرات پہنچے اور احمد آباد[2] ہوتے ہوئے پیر کی خدمت میں دہلی پہنچ گئے[3] -

---

۱ - سیر العارفین ص ۳ -
۲ - ایضاً ص ۱۸ -
۳ - ایضاً ص ۲۸۱ -

جمالی سفر میں جس شہر میں پہنچے وہاں کے مشائخ اور اہل علم و فضل کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا ہے ۔ مشاہیر اور اولیاء کے مزارات اور مقابر کی زیارت کی ہے ۔ خانقاہوں میں رہ کر ورد و وظائف کا دور پورا کیا ہے ۔ یہ سفر جمالی کے لیے کئی لحاظ سے سود مند ثابت ہوا ۔ علم میں وسعت پیدا ہوئی ، اس دنیا کے وہ تمام حصے دیکھ لیے جن سے مسلمانوں کا روحانی رشتہ ہے یا علم اور تمدن کی جن سے تاریخ وابستہ ہے ۔ اور پھر کئی شعراء ، مصنفین اور مشائخ سے شخصی واقفیت اور دوستی پیدا کر آئے ۔ جہاں وسعت علم ہوئی وہاں وسعت نظر بھی آ گئی ۔

سیر العارفین میں سفر کے متعلق جو اشارے موجود ہیں ان کو ترتیب دینے سے یوں سفر نامہ بنتا ہے ۔

ملتان

جمالی کے سفر کی پہلی منزل ملتان ہے ۔ ملتان یوں بھی جمالی کے لیے متبرک اور اس کا دیکھنا ان کے لیے ضروری تھا کیونکہ حضرت بہاء الدین زکریا کی خانقاہ وہاں تھی ۔ اور پھر یہ شہر جمالی کے پیر شیخ سماء الدین کا وطن اور ان کے استاد شیخ عبداللہ تلنبی کا مدفن تھا ۔ شیخ المشائخ حضرت صدر الدین شہر اللہ[1] (متوفی ۹۲۰ھ) سے جو خانقاہ کے سجادہ نشین تھے اور دہلی میں بھی جمالی سے مل چکے تھے ملاقات کی ۔ انہوں نے بہت ہی خاطر تواضع کی ۔ جمالی کو حضرت بہاء الدین کے حجرہ خاص میں جگہ دی جہاں انہوں نے چالیس روز تک چلہ کشی کی ۔ اور آخر میں حضرت شیخ بہاء الدین نے خواب میں ان کو حج پر جانے کی اجازت دی اور دعا فرمائی ۔

صبح ہوتے جمالی نے شیخ صدر الدین کو خواب کی کیفیت سنائی اور ان سے رخصت طلب کی ۔ انہوں نے اور ایک ماہ ٹھیرنے پر اصرار کیا ۔ چنانچہ جمالی شیخ بہاء الدین کی خانقاہ سے رخصت ہو کر تھوڑے فاصلے پر حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مزار پر جا کر مقیم ہو گئے ۔ جہاں پر ان سے صدر الدین ملتے جایا کرتے تھے ۔ اس مقبرے پر ایک کامل بزرگ مولانا کمال الدین حسین سے جمالی کے خصوصی تعلقات ہو گئے ۔ ان کے مطالعہ میں احیاء العلوم اور عوارف المعارف تھی ۔ ان بزرگ سے شیخ الاسلام بہاء الدین کے جدی گاؤں اور مقام کے متعلق معلومات حاصل کیں ۔

---

۱ ۔ صدر الدین عارف نور احمد فریدی ملتان ص ۳۲۸ ۔

سندھ

شیخ جمالی ملتان سے چل کر سندھ پہنچے - راستے میں یقیناً اوچ اور دیگر تاریخی مقامات سے گزرے ہوں گے - اوچ میں جلال جہانیاں جہاں گشت اور دیگر بزرگوں کے مقابر دیکھے ہوں گے - بکھر کے تاریخی شہر سے گزر کر وہ موجودہ دادو ضلع میں داخل ہوئے جہاں کے دو تین شہروں کا ذکر کیا ہے -

رہل

اس تاریخی قصبے میں ان کی ملاقات ایک باکمال اور صاحب کشف و کرامات بزرگ کے خاندان سے ہوئی - یہ خاندان شیخ الاسلام بہاءالدین کا مرید تھا -

بھری

جمالی نے سیوستان کے نواح میں ایک قصبے کا نام بھری[1] لیا ہے ، جہاں ان کی ملاقات اس دور کے بہت بڑے بزرگ حضرت مخدوم بلال سے ہوئی - مخدوم صاحب نے جمالی سے عوارف کے چند مقامات پوچھے اور عارفانہ صحبت رہی - ان کا ذکر اس طرح کیا ہے : درویش بود مولانا بلال نام بسے مرتاض و پاک اعتقاد -[2]

اس گاؤں میں ان کی ملاقات ایک اور بزرگ حاجی آرام نامی سے ہوئی - ان کو پلاؤ کا شوق تھا ، اس کے لیے انھوں نے گائے اور بکریوں کا ایک گلہ پال رکھا تھا ، جو بغیر کسی پاسبان کے جنگل میں چرتا پھرتا تھا - کبھی کسی نے اس ریوڑ سے چوری نہیں کی - حاجی آرام نے جمالی کی بہت مہمانداری کی ، پلاؤ بھی پکا کر کھلایا[3] -

جمالی جس وقت سندھ میں پہنچے ہیں ، اس وقت سلطان نظام الدین سمہ جیسا دیانتدار اور خداترس حاکم سندھ کا والی تھا ، ٹھٹھ دارالحکومت بھی تھا ، مشائخ اور بزرگوں کا شہر اور علم و ادب کا گہوارہ بھی تھا - جمالی سیوستان سے ہوتے

---

۱ - اس وقت اس گاؤں کا نام ہی مخدوم بلال کے مزار کی وجہ سے ''مخدوم صاحب'' ہو گیا ہے - ان کے شاندار مقبرے پر روزانہ زائرین کا ہجوم رہتا ہے اور سالانہ عرس بھی لگتا ہے -

۲ - سیرالعارفین ص ۱۲۳

۳ - سیرالعارفین ص ۱۲۳ ، نیز رک : تاریخ سندھ میر معصوم ص ۱۹۸ -

ہوئے ٹھٹہ پہنچے ہوں گے، بہت سے مشائخ اور اہل عام سے ملاقاتیں ہوئی ہوں گی لیکن سیرالعارفین میں ان کے ذکر کی کوئی سبیل نہیں تھی ، اس لیے وہاں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں آیا ۔ قرائن بتاتے ہیں کہ جمالی نے سندھ پر خاصا اثر چھوڑا ہے چنانچہ ان ہی کے اشعار

لنگکی زیر لنگکی بالا........الخ

ان کے ہم نام ٹھٹہ کے ایک بزرگ درویش حماد جمالی کے نام سے ہماری ادبی تاریخ میں منسوب ہو گئے ہیں[۱] ۔

سلطان نظام الدین کا انتقال ۹۱۴ھ میں ہوا ۔ خاندانی نزاع کی وجہ سے ۹۲۷ھ میں ہرات اور قندھار کے ایک جنگجو لیکن حالات کی وجہ سے آوارہ خاندان ارغون کا سندھ کے تخت و تاج پر قبضہ ہو گیا ۔ مخدوم بلال وطن پرست بزرگ تھے ، انھوں نے اس قبضے کے خلاف تحریک چلائی اور آخرکار ارغونوں کے ہاتھوں جبرو استبداد اٹھا کر ۹۳۹ھ میں وفات پا گئے[۲] ۔

جمالی جب ہمایوں کے ساتھ ۹۴۲ھ میں گجرات کی لڑائی میں آئے ، اس وقت سلطان نظام الدین سمہ کا بیٹا سلطان فیروز جو ارغونوں کے ہاتھوں دھوکا کھا کر اور سندھ کا تاج و تخت کھو کر گجرات کے سلطان کے پاس پناہ گزین تھا ، ہمایوں کے لشکریوں کے ہاتھ سے ہمایوں کے کیمپ میں مارا گیا ۔ جمالی ابھی زندہ تھے اور وہیں لشکر گاہ میں شاید مقیم تھے[۳]۔ سندھ میں جمالی کی ادبی شخصیت کا اثر بارھویں صدی ہجری تک قائم رہا ، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹھٹہ کے مشہور فارسی گو شاعر ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹوی نے نہ فقط مہر و ماہ کے نام سے ۱۱۱۷ھ میں مثنوی لکھی بلکہ اس کے ابتدا میں جو اشعار لکھے ہیں ، ان میں جمالی اور اس کی مثنوی کا ذکر اس طرح کیا ہے :

بیا بنگر تماشاہائے رنگیں
بیا بر خواں معمہ ہائے سنگیں

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ص ۱۰۶ ۔

۲ ۔ تاریخ سندھ میر معصوم ص ۱۹۸ ۔

۳ ۔ طبقات میں ہے کہ ۔۔ ''جام فیروز کہ سابق حاکم تتہ بود و از لشکر ارغون شکست یافتہ بہ گجرات آمدہ بود و دختر خود را بہ سلطان بہادر دادہ ، بوقت شکست سلطان بہادر بدست لشکر حضرت جنت آشیانی گرفتار شدہ بود ۔ دریں شب محافظان ہکہان آنکہ مبادا فرار نماید بقتل رسانیدند'' (۳ : ۳۵) ۔

کتابِ سہرو ماہ از فال بکشا
ز کسبِ روشنی ہا شعلہ بنما
ولے ایں سہرو ماہ باہم رواں است
کہ حسن و عشق باہم قران است
بیا بنگر طلوع ہر دو باہم
بیا بشنو بیانِ ہر دو را ہم
کہ سہر و ماہ جلالی و جمالیست
شنو ایں را جمالی و کمالیست
جمالِ حسن بنگر جلوہ افشاں
کمالِ عشق را بیں رتبہ و شاں

عطا نے اپنے شعر میں جمالی کا دوسرا تخلص جلالی بھی دے دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمالی کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور تذکروں کے ذریعہ ان کو معلوم تھا کہ جمالی کا تخلص پہلے جلالی تھا ۔

ایران

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ، جمالی سندھ سے نکل کر بلوچستان اور قندھار کے راستے سے ہرات پہنچے اور وہاں سے خراسان میں داخل ہو کر ایران کے مختلف شہروں میں گئے۔ ایران کے جن شہروں کا انھوں نے ذکر کیا ہے ، وہ یہ ہیں :

ہرات

سیر العارفین میں جمالی نے ہرات کے سفر کا بیان اس طرح کیا ہے :

"...احقر انام در ایام عزیمت کعبہ فرجام در شہر ہری رسیدہ بود بہ اکابر آنجا مثل حضرت شیخ صوفی[1] را کہ از خلفائے حضرت شیخ زین الدین خواف (۱۱۳۸ھ) بود و حضرت شیخ محمد روجی[2] کہ یکے از واصلان حق بود و

---

۱ ۔ نام شیخ علی ۹۰۸ھ (خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۲۶) ان کا شمار اس دور کے جید مشائخ میں تھا ۔ زین الدین متوفی ۸۳۸ھ در جوار عیدگاہ ہرات مدفون (مقاصد الاقبال ص ۱۵۰) ۔

۲ ۔ مولانا جامی کے فیض یافتہ تھے (۸۲۰-۹۰۴ھ) اسم مولانا شمس الدین محمد ۔ پہلوئے مولانا سعدالدین کا شغری مدفون بود از آنجا بیروں آوردہ مریدانش←

حضرت شیخ عبدالعزیز جامی[1] کہ در مشیخت ممتاز بود و حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی قدس سرہ کہ یکے از محققان روزگار و در عالم ظاہر و باطن یگانۂ روزگار و در شاعری سعدی روزگار بود ، و حضرت خلاصۂ علماء عظام شیخ الاسلام[2] کہ از دست شاہ اسماعیل شہید شہادت بکام کشید و از شدت ظلم بی باک ذرہ از عقیدہ پاک...و حضرت مولانا مسعود شروانی (متوفی ۹۰۵ھ) کہ در بیشہ ہر علمے شیرے بود[3] و حضرت مولانا حسین واعظ[4] کہ از مشاہیر روزگار بود و حضرت مولانا عبدالغفور لاری[4] کہ یکے از مقبولان حضرت باری بود ۔ مستقیم داشتند فاما تکیہ گاہ این درویش خانہ مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی بود روزے بخدمت ایشان در حجرۂ خاص نشستہ بودم و لمعات حضرت شیخ فخرالدین عراقی درمیان بود ۔ ناگاہ حضرت مولانا عبدالرحمان جامی در تعریف حضرت شیخ صدرالدین قونوی کہ مسترشد حضرت محی الدین ابن عربی است مبالغہ نمود و فرمود کہ : این لمعات نتیجہ برکات التفات آن عالی

در کازرگاہ نزدیک مزار خواجہ عبداللہ انصاری دفن کردند (مقصدالاقبال سائل ص ۱۱۱ ، فکری ص ۱۱۹) -

۱ - ڈاکٹر نذیر احمد کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ حاجی ہو کیونکہ عبدالعزیز جامی کا تعین نہیں ہو سکا (اردو ادب ص ۱۲۵) -

۲ - شیخ الاسلام سیف الدین احمد از نسل ملا سعدالدین تفتازانی...شاہ اسماعیل در گرفتن ہری (۹۱۸ھ) او را شہید کرد (بابر نامہ) مرزا حیدر دوغلات صاحب رشیدی ۴ سال ۴ ماہ کی عمر میں ان کے مکتب میں پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تھے ۔ مولانا عصام الدین ابراہیم ، میر محمد ، محمد یوسف اور مولانا شمس الدین محمد بحر آبادی، وغیرہ جیسے پچیس علماء ان کے شاگرد تھے (تاریخ رشیدی) -

۳ - کمال الدین مسعود ، بابر نامہ ۔ تاریخ رشیدی ، لطائف نامہ فخری ، شرح حکمت العین اور دوسرے رسائل ان کی تصنیف ہیں ۔ مدرسہ گوہر شاد میں درس دیتے تھے ۔ ۹۰۵ھ میں وفات پائی ۔ لطائف نامہ فخری میں ان کے ایک شاگرد مولانا عبداللہ کا ذکر ملتا ہے ۔ نیز مقصدالاقبال (ایران ۔ سائل ہروی) ص ۱۱۲ در خیابان در مزار پیر سی صد سالہ مدفون ۔ فکری سلجوقی نوشتہ است کہ ''نہ مزار ولی و نہ خاک پیر سی صد سالہ پیداست (۱۱۹)

۴ - مولانا حسین واعظ اور ملا عبدالغفور لاری دونوں مشہور ہیں -

درجات است کہ حضرت شیخ فخرالدین در قلم آوردہ ! ایں ادائے ایشاں
بخاطر ایں درویش راہ نیافت ۔ گفتم : مرتبہ ہر کسے پیش حضرت حق تعالیٰ
مخفی نیست کہ از نتیجہ عطیہ اوست ۔ بفرمان اللہ تعالیٰ ہماں شب بہ خطاب
مولانا مشارالیہ در خواب نمودند کہ گوئی صفۂ پر نور است در آنجا حضرت
شیخ المشائخ والاولیاء شیخ صدرالدین عارف قدس سرہ با جمعیتے درویشاں
نشستہ اند و مولانائے فخرالدین عراقی کہ کفش حضرت ایشاں گرفتہ با ادب
ایستادہ است و اشارت بہ ایں فقیر کرد کہ : شما نیز در آں مجلس حاضرید ۔
من در آمدم و بسردست بوس آں حضرت مشرف شدم چنانچہ دہشت ایشاں در من
اثر کرد و شما با من می گوئید کہ : مرتبہ حضرت ایشاں معلوم شد من می
گویم کہ حق بطرف شما بود—چوں وقت صبح معیت حضرت مولانا مشارالیہ
بوقوع پیوست ۔ ایں خواب تحریر نمود و فاتحہ بروح پاک ایشاں خواندند۔"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ ہرات میں شیخ جمالی کافی عرصہ رہے اور مشاہیر ہرات سے
جن کے نام اوپر آئے ہیں ، خصوصی تعلقات کی بنا پر ان کی صحبتیں اور مجلسیں ہوتی
رہیں ۔ چونکہ مولانا جامی کے مہمان خانہ میں مقیم تھے ، اس لیے باور کیا جا سکتا
ہے کہ اس دور کے اکثر و بیشتر بزرگوں اور مشہور لوگوں کو وہاں دیکھا
ہو گا ۔

جمالی ایک مرتبہ مولانا جامی اور مولانا عبدالغفور لاری کے ہمراہ حضرت سید
امیر حسینی (متوفی ۷۱۸ھ) صاحب نزہۃ الارواح کے مزار کی زیارت کے لیے گئے
اور ظہر اور عصر کی نماز وہاں ادا کی ۔ لکھا ہے کہ : ہرات کے لوگ دو شنبہ کے
دن سید حسینی کے مرقد پر زیارت کے لیے آیا کرتے ہیں"[2] ۔

یہاں کے تذکروں میں جمالی اور مولانا جامی کی پہلی ملاقات کے سلسلے میں
ایک عجیب اور دل چسپ روایت آتی ہے جس کا اصل ماخذ معلوم نہیں ہو سکا ۔
بہر حال یہ روایت صحیح ہو یا غلط لیکن چونکہ ہرات کے سفر سے متعلق ہے اس
لیے یہاں درج کی جا رہی ہے ۔

---

۱ ۔ سیرالعارفین ص ۱۳۹-۱۴۰ ۔
۲ ۔ سیرالعارفین ص ۱۱ قبر ایشاں در جوار گنبد سید عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ
بن جعفر طیار در ہرات است (مقصداقبال فکری ص ۴۴) حواشی فکری
ص ۳۵ ۔

سفینہ خوش گو (۱۱۴۷ھ) کا مصنف راوی ہے کہ

"نقل مشہور است کہ باراده دیدن حضرت مولانا جامی چون بدر خانقاه فلک اشتباه ایشان حاضر شد ، دید کہ شادیانہ می نوازند ، سبب آن پرسید ، گفتند استاذی خجستہ فر جامی غزلے در بحر کامل طرح فرموده اند کہ پیش ازیں فکر ہیچ صاحب قدرتان دری راه نہ رفتہ و ایں مطلع ازاں غزل برخواند — مطلع :

چہ خجستہ صبح دمے کزاں گل نو ہم خبری رسد
ز شمیم جعد معنبرش بہ مشام جاں اثری رسد[۱]

جمالی در جواب گفت کہ : معلوم شد جامی تا حال کتاب گلستاں ہم نخوانده ! من آوازهٔ کمال او شنیده از دور آمده بودم ، عبث اوقات ضایع ساختم ! بعده شعر دیباچہ گلستان بر خواند :

بلغ العلی بکمالہ.........الخ

خادماں تاختہ بعرض مولوی رسانیدند کہ قلندرے سرو پا برہنہ چنیں می گوید ! مولوی بہ اعزاز و اکرامش طلب فرمود ۔ جمالی باوجود آلودگی گل و آلاہی ہیچ ملاحظہ مسند نشده برفروش رفت و سلام گفتہ نشست ۔ مولوی جواب سلام داد پرسید ۔ درویش از کجائی ؟ گفت از خاک پاک ہندوستان ! مولوی ازیں جسارت غبار خاطر بہم رسانده ورقے چند بدست جمالی داد و فرمود کہ من شرح شعر استاد ہندوستانیہا را چنیں نوشتہ ام و آں بیتے است کہ امیر خسرو دہلوی در کتاب قران السعدین — تعریف کشتی گفتہ :

ماه نوی کامل دے از سال خاست
یک مہ نو کشتہ بده سال راست

بر لفظ سال تکلفات کرده بودند جمالی قدرے ازاں مطالعہ کرده دریافت و اوراق در حوض آب انداخت و گفت سال نام درختیست کہ در ہندوستان پیدا می شود و ازو کشتیہا می سازند ۔ ایں ہمہ عبارت آرائی ہا بکار نمی آید ۔ مولوی ازیں معنی ملزم شد و چوں شہره آنجا ہم رسیده بود فرمود کہ : از سخنان جمالی دہلوی چیزے یاد داری ؟

گفت بلی ! بالفعل یک بیتش کہ بیاد است ایں است :

---

۱ - یہ مطلع دیوان سے درست کیا گیا ہے (دیوان تصحیح ہاشم رضی ۳۸۹) -

ما را ز خاک کویت پیراہن است بر تن
آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

مولوی بر فراست دریافت و فرمود کہ چرا جمالی تو نہ باشی ؟ بعد ازاں باہم صحبت دلخواہ اتفاق افتاد۔

چند ماہ جمالی در خدمت مولوی گزرانیدہ بدیار عرب و شام رفت"[1]
صاحب ریاض الشعراء (۱۱۶۱ھ) نے اس روایت کا آخری حصہ کچھ تغیر کے ساتھ دیا ہے :

"گویند در ہرات بخانہ مولوی جامی رفت و از فرط استغنا اعتنائی ایشاں نہ کردہ نزدیک بہ مسند ایشاں نشست ۔ مولانا نظر بہ ظاہر حال او کردہ پرسید کہ میان تو و خر چہ فرق است ؟ گفت یک وجب ! و فاصلہ میان ہر دو ہمیں قدر بود مولوی دریافت کہ صاحب کمالست ، پرسید از کجائی ؟ (گفت از ہند) گفت از سخناں جمالی چیزے بخاطر داری ؟ گفت آری ! و ایں شعر بر خواند—مارا ز خاک کویت...الخ مولوی بگریست و طلب نام ازو کرد و گفت ! جمع مالا ! مولوی گماں گرفت کہ ایں ملا جمالی است و فرمود کہ ازیں عبارت لفظ جمال خود مفہوم شد یای باقی است گفت و عدہ ! خلاصہ جناب مولوی بعد از علم حقیقت حال ملا جمالی را کنار گرفت و بانواع ملاطفت پیش آمدہ..."[2]

محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں اس روایت کو—"بزرگوں سے سنا ہے" کی بنا پر ایک اور شعر کا اضافہ کیا ہے کہ مولانا نے پوچھا کہ جمالی کی کوئی چیز یاد ہے ؟ جمالی نے یہ شعر پڑھے :

دوسہ گزک بوریا و پوستکی — دلکی پر ز درد دوستکی[3]
لنگکی زیر و لنگکی بالا — نے غم دزد و نے غم کالا
ایں قدر بس بود جمالی را — عاشق رند لا آبالی را[3]

ان روایات کی بنیاد کیا ہے یہ کہنا مشکل ہے ۔ ممکن ہے یہ لطائف ہندوستان کے عجوبہ پسند طبائع کی اختراع ہوں ۔ بہر حال بقول خوشگو چند ماہ جمالی ہرات میں رہ کر آگے کی طرف چلے گئے ۔

---

۱ ۔ سفینہ خوشگو دانشگاہ پنجاب ورق ۲ ب
۲ ۔ ریاض العارفین موزہ ملی پاکستان ورق ۸۲ الف
۳ ۔ یہ دو شعر والہ داغستانی نے انتخاب میں دیے ہیں ۔

سبزوار

شیخ جمالی کی پہلی منزل ہرات سے نکل کر سبزوار میں ہوئی ہے جہاں آن کی ملاقات شیخ محمد نجفی سے ہوئی جو سبزوار کے نامی بزرگوں میں سے تھے[1] سبزوار دو ہیں ایک ہرات کے نواح میں جس کو اب ''شندند'' کہتے ہیں اور دوسرا خراسان میں نیشاپور کے قریب جو اب خود شہرستان کی حیثیت رکھتا ہے - اگر سبزوار خراسان کا ہے تو جمالی کا راستہ ہرات سے قریب جام اور نیشا پور، سبزوار اور مشہد ہوگا -

شیراز

میں جمالی کچھ عرصے رہے اور وہاں خصوصی ملاقات شیراز کے شیخ الاسلام شاہ تاج الدین حسن سے ہوئی اور دونوں کے درمیان شبت اور مودت پیدا ہوئی -

شیخ الاسلام کے والد سید نظام الدین محمود[2] نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں شیخ الاسلام شیخ بہاءالدین ملتانی کے کچھ حالات بھی شامل تھے[3] جمالی نے حضرت زکریا کے متعلق کچھ معلومات اس کتاب سے حاصل کیں - غالباً جلال دوانی سے بھی شیراز میں ملاقات ہوئی ہوگی - اخبارالاخیار میں دونوں کی ملاقاتوں کا حوالہ موجود ہے[4] -

شیراز کا حوالہ جمالی نے مثنوی مہروماہ میں بھی دیا ہے :

مرا بود آشنائے ز اہل شیراز
ندیم و ہمدم و ہمدرد و ہمراز
سخن دان و سخن سنج و سخن گو
کے می بردی ز میدان سخن گو[5]

نائین ، اردستان ، یزد

اصفہان کے آستان کا یہ شہر نائین ، یزد اور اردستان کے درمیان ہے - اس شہر میں جمالیؒ نے بابا عبدالقدوس کے مزار پر حاضری دی ، بابا عبدالقدوس

---

۱ - سیرالعارفین ص ۱۱

۲ - مرید شاہ نعمت اللہ کرمانی -

۳ - سیرالعارفین ص ۱۱۴ -

۴ - اخبار ص ۲۲۸ -

۵ - مثنوی ص ۱۹ -

شیخ الاسلام حضرت بہاءالدین زکریا کے تربیت یافتہ تھے[1] ۔ جمالی نے لکھا ہے :

"مقبرہ متبرکہ او در قصبہ نائین است کہ میان یزد و اردستان واقع است ۔ ایں حقیر نیز در آنجا رسیدہ است و رخسارہ خود بمرقد مالیدہ ۔ مردم آنجا مزارات بزرگوار را زیارت گاہ ساختہ اند"[2] ۔

اس عبارت سے گمان ہوتا ہے کہ جمالی نے نائین کے ساتھ اردستان اور یزد بھی دیکھا ہو گا ۔

استرآباد

شیخ جمالی استرآباد بھی گئے ہیں اور وہاں حضرت شیخ ناصرالدین کے مقبرے کی زیارت کی ۔ شیخ دو واسطوں سے بایزید بسطامی سے بیعت تھے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی اور حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر شیخ کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے[3] ۔ حضرت معین الدین اجمیری نے بھی ہندوستان وارد ہونے سے پہلے راستہ میں ان کی صحبت پائی تھی ۔

خرقان ، میہنہ ، تربت حیدری ، گناباد

شیخ جمالی شیخ ابوالحسن خرقانی کے مقبرے پر گئے اور حضرت ابوسعید ابوالخیر کے مزار کی زیارت کی ہے[4] ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ جمالی میہنہ گئے ہیں تو انھوں نے تربت حیدری اور گناباد کو بھی دیکھا ہے کیونکہ میہنہ ان دونوں شہروں کے درمیان واقع ہے اور خرقان تک پہنچنے میں راستے کے کئی مشہور مقامات بھی دیکھے ہوں گے ۔

بسطام

شیخ جمالی بسطام پہنچے اور وہاں حضرت بایزید بسطامی کے مقبرے کی زیارت کی ہے[5] ۔

تبریز

شیخ جمالی ایران کا سیروسفر کرتے ہوئے تبریز پہنچے ۔ تبریز کا جانا ان کی

---

۱ ۔ سیرالعارفین ص ۱۱۹ ۔
۲ ۔ حالات کے لیے دیکھیے سیرالعارفین ص ۱۱۹ ۔
۳ ۔ سیرالعارفین ص ۹ ۔
۴ ۔ دیوان ابوسعید ابوالخیر سعید حسینی ص ۵ ۔
۵ ۔ سیرالعارفین ص ۹ ۔

ادبی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ، کیونکہ وہاں کے دوستوں کی تحریک پر جمالی نے مثنوی مہروماہ تصنیف کی -

تبریزی شیخ کے ساتھ بڑی مہر و محبت سے پیش آئے ہیں اور وہاں رہ پڑنے کی باصرار دعوتیں دی ہیں اور کوشش کی کہ کسی صورت سے جمالی تبریز میں رہ جائے -

مندرجہ بالا شہروں کے جمالی نے سلسلہ واقعات میں نام لیے ہیں - ویسے جیسا کہ دیباچہ میں لکھا ہے ، انہوں نے آذربائیجان ، گیلان ، مازندران اور خراسان کے اکثر و بیشتر مقامات کی سیر کی ہوگی -

بلاد عربی

جمالی ایران سے ہوتے ہوئے عراق میں قدم رکھتے ہیں - بغداد میں تقریباً تمام مقابر کی زیارت کی ہے - سہروردی کے مقبرے میں دو ماہ خاص اس حجرے میں قیام کیا ، جہاں شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا رہتے تھے - خانقاہ سہروردیہ کے سجادہ نشین شیخ شہاب‌الدین کے جمالی کے ساتھ بہت مراسم ہو گئے اور انہوں نے جمالی کو عوارف کا وہ نسخہ دیا جو حضرت شیخ شہاب‌الدین سہروردی اور بہاءالدین زکریا کے خاص مطالعہ میں رہ چکا تھا - جس وقت جمالی نے سیرالعارفین لکھی ہے وہ نسخہ ان کے کتب خانے میں موجود تھا -

بغداد میں امام اعظم ابوحنیفہ "اور شیخ عبدالقادر گیلانی" کے مقابر پر بھی جمالی گئے - مصر پہنچ کر حضرت جمالی نے مجرد کے روضہ کی دمیات میں زیارت کی اور ۵ دن قیام کیا - دمشق میں ابن عربی ، صدرالدین قونوی ، فخرالدین عراقی اور شیخ اوحدالدین کرمانی کے مقابر کی زیارت کی -

حجاز مقدس کی زیارات اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد جمالی اندلس (مغرب زمین) بھی گئے - یمن ، بیت‌المقدس اور بلاد روم کو بھی خوب چل پھر کر دیکھا -

بہر حال جمالی بقول خود اس سفر میں وطن سے سالہا سال دور رہنے کے بعد سمندری راستہ سے گجرات پہنچے[1] - یہاں سے دہلی گئے اور اپنے مرشد شیخ سماءالدین کی قدم بوسی کی -

اس طولانی سفر میں جمالی نے بہت تکلیفیں اور کلفتیں دیکھیں اور بعض دفعہ تو اُن کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی - لکھا ہے :

---

۱ - سیرالعارفین ص ۱۸۱-۱۸۲ -

"در مسافرت چند جا امری چه در بیابان چه در آبادانی بر بیم ہلاکت رسیده و امید حیات بکلی منقطع گشت"[1]

سفر کی تکالیف کا بیان مثنوی مہروماہ میں اس طرح کیا ہے :

نہ ہمدردی کہ رازش می توان گفت
غم راز درازش می توان گفت
چو زلف دلبران خاطر پریشاں
ضعیف و ناتواں چو چشم ایشاں
دواں با دور دل ، مانند خامہ
بدیساں در رہ انشائے نامہ
دو بیت از مادر فکرم ہمی زاد
یکے ماندی ، یکے می رفت از باد
بغربت خاطرم کم جمع بودی
ولے ، فکرم مثال شمع بودی
اگرچہ بودم از دہلی بسے دور
دلم می یافت ازحب وطن نور
ز بعد مکہ سیرم در عجم بود
ولے بے بند خاطر می نیاسود
ز ہندوستان اگرچہ دور بودم
چو طوطی در قفس مہجور بودم

۷ - آثار

جمالی نے کون سے ادبی اور تاریخی آثار یادگار چھوڑے ، یہ صحیح علم نہیں ہو سکتا - بابر سے لے کر ہمایوں تک جو خلفشار ملک کے مختلف حصوں میں رہا ، اس میں ضائع ہونے سے ان کی جو تصانیف بچ کر ہم تک پہنچی ہیں ، وہ یہ ہیں :

۱ - مثنوی مراۃالمعانی

یہ ایک مختصر عرفانی مثنوی (۶۳۹) سو اشعار پر مشتمل ہے ، جس میں تمثیلی انداز میں سلوک اور عرفان کے نکتے اور مسائل بیان کیے گئے ہیں - سبب

---

۱ - سیرالعارفین ص ۱۸۲ -

...لیف یوں بیان کیا گیا ہے:

آنچہ در لوح ازل مسطور گشت
در دل آئینہ ام منظور گشت
ہر چہ اسباب جمال اللہ بود
در دل آئینہ ام پیدا نمود
ہر کسے از بہر آن حسن و جمال
ہر زمان از من ہمیں کردی سوال
گہ کسے از زلف پیچیدن بہ من
گہ یکے از لب ہمیں راندن سخن
گہ یکے جستن نشان خدو خال
گہ یکے زان روی و مو کردی سوال
گہ یکے رمزی ز گیسو خواستی
گہ نشان چشم و ابرو خواستی
گہ یکے پرسیدی از قدش نشان
گہ کمر بستی بہ فکر آن میان
گہ یکے کردی حدیثے از دہن
باز پرسیدی ازان سیب ذقن
گہ یکے گفتی کہ ساعد چیست گو
ہر کسے بودی ز من در جستجو
باز قدے از پۓ ساقی و جام
راز می جستند از جام مدام
از بت و بتخانہ و زنار نیز
در طلب بودند از بہر تمیز
سرّ صبر و شکر و تسلیم و رضا
شکر و صحو و قرب و بعد اندر صفا
طور شاہد بازی و دیوانگی
با سر خود خویشی و بیگانگی
دل مبرا کردن از رد و قبول
پس مہیا گشتن از بہر و قبول

پس نظر بر روئے عرفان داشتن
کفر و ایمان را یکے پنداشتن
از سلامت وز ملامت خاستن
خویش را در بیخودی آراستن
طالبان را زیں نمط ہر روز و شب
فی الحقیقت بود ایں صدق و طلب
چون مرا زینہا چنیں صورت نمود
از حقیقت پردہ معنی کشود
ہر چہ بود از آشکارا و نہان
اصطلاح عارفان کردم بیان
از رخ معنی حجاب انداختم
آنچہ پنہان بود پیدا ساختم

خامہ ام شد فضل عرفان را کلید
لا جرم زد گنج عرفان شد پدید
خامہ من چون کلید سینہ گشت
نامہ من ہر سر گنجینہ گشت
نامہ را چون روشنای برفزود
گشت مراتی کہ روئے حق نمود
چون معانی کرد حق الہام او
گشت "مراۃ المعانی" نام او

مختلف جسمانی اعضا پر عارفانہ انداز سے نظر کی ہے اور اس سے معرفت کے نکات پیدا کیے ہیں ۔ مثنوی میں یہ عنوان ہیں (حمد ، نعت ، مدح مرشد کے بعد)

(۱)	در بیان	روئے گوید	کہ عبارت	از	وجہ حقیقی	باشد
(۲)	,,	رخسار ,,	,,	,,	وحدانیت	,,
(۳)	,,	خط ,,	,,	,,	برزخ کبریائی	,,
(۴)	,,	ابرو ,,	,,	,,	قاب قوسین	,,
(۵)	,,	چشم ,,	,,	,,	بصارت ازلی	,,
(۶)	,,	دہان ,,	,,	,,	سر حقیقی	است
(۷)	,,	لب ,,	,,	,,	لطف الہی	,,

(۸)	دربیان	زنخدان	گوید	که عبارت از	لطف است قهر آمیز که سالک را از چاه جاودانی بچاه ظلمانی اندازد ـ	
(۹)	”	زلف	”	”	جذبه الهی	باشد
(۱۰)	”	خال	”	”	نقطه روح انسانی	”
(۱۱)	”	گیسو	”	”	بحث هدیت	”
(۱۲)	”	ساعد	”	”	عطش قلبرت	”
(۱۳)	”	قامت	”	”	جامعیت وجود	”
(۱۴)	”	میان	”	”	برزخ صغری	”
(۱۵)	”	حکایت فی المثل	”	”	مسافر از بغداد	”
(۱۶)	”	تعریف صورت و نکوهش منکران او و معنی ان الله خلق آدم				
(۱۷)	”	کفر	گوید	که عبارت	از عالم لاهوت	”
(۱۸)	”	میخانه	”	”	عشق و محبت	”
(۱۹)	”	بت خانه و اصنام و زنار		”	عالم جبروت و تجلیات	”
(۲۰)	”	مے فروش	”	”	مرشد کامل	”
(۲۱)	”	رندی	”	”	قطع علایق	”
(۲۲)	”	قلاش	”	”	هیچ نوع از تجلیات سیر نگردد	”
(۲۳)	”	عارف	”	”	که سر رایت ربی در بیان اوست	”
(۲۴)	”	شناخت عارفان	”	”	که از رد و قبول خلقش تبدل و تغیر نباشد ـ	
(۲۵)	”	حکایت دیدن درویشی ابلیس را بر در مسجد بیکار نشسته و پرسیدن از بیکای ـ				
(۲۶)	”	صبر				
(۲۷)	”	علو مراتب موسیٰ به خضر گوید				
(۲۸)	”	ولایت افضل من النبوه گوید				

(۲۹) دربیان من عرف نفسہ فقد عرف ربہ گوید
(۳۰) " معرفت ذات و صفات و اسماء و اثر اسماء گوید
(۳۱) " خاتمہ کتاب گوید

مثنوی کس سال میں تصنیف کی گئی اس کا کہیں اشارہ نہیں ہے ۔ مدح پیر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماءالدین کی وفات (۹۰۱ھ) سے پہلے مثنوی تکمیل کو پہنچی ہے ۔[1]

اس مثنوی کے نسخے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں ۔ ذخیرہ حبیب گنج میں دو سو برس سے زائد پرانا نسخہ موجود ہے (۲۷ صفحات ۱۵ سطری مہر محمد شاکر خان) اتین نسخے دانش گاہ پنجاب کے شیرانی کلیکشن میں موجود ہیں جن کی فوٹو اسٹیٹ میرے سامنے ہیں ۔ تفصیل یہ ہے :

(۱) شمارہ PIVI 56A (۳۵۲۹) کاتب محمد قاسم کتاب ۱۹ رجب ۱۱۹۳ھ
اس میں اشعار کی تعداد (۶۳۹) ہے ۔

(۲) شمارہ ۶۱۹-۲-۰۳۹۴۰ اس پر مہر ہے (مہر مسجع اسرار حق است) اشعار کی تعداد (۳۷۰) ہے ۔

(۳) شمارہ SPIVI 56 (۳۰۸۴)کاتب سید حسین شاہ تاریخ ۲۱ رجب المرجب ۱۲۹۷ھ ۔ اشعار کی تعداد (۲۴۳) ہے[2] ۔

(۲) دیوان

جمالی کا دیوان نادر اور نایاب ہے اب تک دو نسخوں کا پتہ چل سکا ہے :

(۱) حبیب گنج کا نسخہ

ناقص الاول و الآخر ہے تقطیع اوسط صفحات ۱۴۹ ۔ سطر ۱۵ ، اشعار کم و بیش ۲۱۰۰ ، مرحوم شیرانی نے لکھا ہے کہ ابتدا کے اوراق کچھ زیادہ کم نہیں ہیں کہ حمد کے قصائد موجود ہیں ۔ البتہ آخر سے بہت کچھ ضائع شدہ ہے[3] ۔ کیونکہ غزلوں کا حصہ بہت ہے ۔ دیوان میں یہ شعری ذخیرہ موجود ہے ۔

---

۱ ۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ۔
۲ ۔ فہرست شیرانی ۱۸۰—۱۸۱ ۔
۳ ۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ع ۔

(۱) قصائد

حمد	۴
نعت	۵
مدح پیر	۱۲
مدح سکندر	۷
مدح بابر	٦
مدح ہمایوں	٦

(۲) ترجیع بند

نعتیہ	۱
عارفانہ	۱

(۳) ترکیب بند

مرثیہ سلطان سکندر	۱
مرثیہ پیر خود	۱
مرثیہ فرزند پیر	۲
مرثیہ پسر خود	
مسمی بہ حسین	۱
عارفانہ ترکیب بند	۱

یہ ترکیب بند ناتمام ہے اور یہیں دیوان ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) رام پور کا نسخہ

جناب عرشی رام پوری نے لکھا ہے کہ سرکاری کتب خانے کا نسخہ تقریباً مکمل ہے[۱] اوراق ۲۵٦ سطر ۱۷-۱۰ سائز $5\frac{1}{2} \times 9\frac{1}{2}$ کتاب کا سائز $7 \times 3\frac{1}{4}$ - سال کتابت اور کاتب نامعلوم۔ گیارھویں صدی کا معلوم ہوتا ہے۔ ذخیرہ کلام اس طرح ہے:

قصائد	۳۷
ترجیع بند	۲
مراثی	۵
غزلیات	۸۲۱

---

۱ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء ص ۷٦ -

قطعات	۱۷
مثنویاں چھوٹی	۳
رباعیاں	۴۴

غزلیات کا آغاز ورق (الف ۷۰) سے ہوتا ہے اور انجام ورق (الف ۱۳۸) پر ہوتا ہے۔

دیوان کی تدوین ڈاکٹر نذیر احمد کے خیال میں ۹۳۷ھ سے اس کی ابتدا ہوئی ہوگی اور چونکہ دیوان میں حج سے واپسی کی تاریخ موجود ہے، اس لیے (۸۹۸ھ) کے بعد تک سمجھنی چاہیے کیونکہ اس میں ہمایوں کے متعلق قصائد موجود ہیں۔ اگرچہ دیوان سامنے نہیں ہے لیکن رام پور والے نسخے میں چونکہ رباعیاں موجود ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ وفات تک کا کلام اس میں جمع ہے اور دیوان کی تدوین وفات (۹۴۲ھ) کے بعد کسی مرید یا کسی بیٹے نے کی ہوگی[1]۔

بدایونی نے لکھا ہے کہ: دیوان او مشتمل بر ہشت و نہ ہزار بیت است[2] رام پور والے دیوان میں تقریباً اتنا ہی ذخیرہ موجود ہے۔ پس اس دیوان کو فی الحال کامل سمجھنا چاہیے۔

شعر کے متعلق صاحب اخبار الاخیار کی رائے ہے کہ: قصیدہ او بہتر از غزل و مثنوی است[3]۔ مرحوم مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی[4] اور ڈاکٹر نذیر احمد نے بھی قصیدہ کو غزل پر ترجیح دی ہے[5]۔

جمالی کا دیوان چونکہ نادرالوجود ہے اس لیے ان کے اشعارکا جتنا ذخیرہ مختلف کتابوں میں موجود ہے اس کو یہاں ہم دے رہے ہیں تاکہ پڑھنے والے ان کے شعر کے متعلق خود بھی رائے قائم کر سکیں:

---

۱ - اردو ادب ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۱۴۵ -
۲ - بدایونی ۱ : ۳۲۶ -
۳ - اخبارالاخیار ص ۲۲۸ -
۴ - مجموعہ مقالات ص ۱۷۸ -
۵ - اردو ادب ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۵۴ -

قصائد

حمد

اے روئے خود ز پردہ نمودار ساختہ
خود را بحسن خویش طلب گار ساختہ
تاب رخت بہ چہرۂ اعیان ثابتہ
بخشید نور مظہر آثار ساختہ
چوں رو کشودہ ذات تو ، از پردۂ صفات
عالم عیاں ز پرتو رخسار ساختہ
عکسے زدہ در آئینہ حسن و جمال تو
آئینہ را بہ حسن گرفتار ساختہ

شاخ درخت و باغچہ و کائنات را
فیض تو پر ز برگ و گل و خار ساختہ
نامش نہادہ احمد و محمود ابطحی
در انبیاء خلاصۂ ابرار ساختہ
از بہر پیشوائ انس و ملک ورا
در راہ عشق قافلہ سالار ساختہ

مستان جام بادۂ عشق ترا بر آن
آواز کن کشیدہ و ہوشیار ساختہ
چشم تو غمزہ زدہ بر ترکش سنان
خونخوار دلفریب و ستم گار ساختہ
آنرا کہ کردہ درد محبت آشنائے خویش
از خویش و آشنا ہمہ بیزار ساختہ
آنرا کہ چشم قہر تو انداخت از نظر
در مردماں سر شکر صفت خوار ساختہ
و انرا کہ دادہ لطف تو ، انوار مردمی
منظور دیدۂ اولوالابصار ساختہ

نعت

دوش در سلک ملک گلبانگ
انذران وادی دم از مهر رخ طه زدیم
از بساط قدسیان در بزم لاهوتی شدیم
پس دران بزم از یدالله ساغر صهبا زدیم
در هوائے سایه بال همان همتش
در فضائے لا مکان پرواز باز آسا زدیم
بر سریر عرش اعظم ، نوبت شاه عرب
هر نفس در ملک سبحٰن‌الذی اسریٰ زدیم
تا شدیم از جان ، غلام چار یار از یک دلی
چار طاق خسروی بر گنبد مینا زدیم
در هوائے گلشن رویش بر آوردیم آه
شعله آتش بباغ جنت الماوٰی زدیم
چون مسیحا از کف عالم کشیدیم آستین
دست در دامان آن خورشید بے همتا زدیم
آن که چشم قدسیان را سرمه خاک پائے اوست
نور ما زاغ البصر در دیدهٔ بینائے اوست[1]

ترجیع بند

در معرفت

اے رخت در جمال تو پیدا
وے جمال تو بر رخت پیدا
عارضت نور دیدهٔ مردم
مردم از عارض تو نابینا
مانده تنها بعین تنهائی
کرده پیوند با همه تنها
همه نام تو بر زبان دارند
مومن وگبر و کافر و ترسا

---

۱ - مقالات منتخبه ۲ ; ۹ع۱ -

گاه ناظر به‌دیدهٔ وامق
گاه منظور در رخ عذرا
رفته از ذات در سرائے صفات
پشته بر او غشاوه اسما
جمله اسم و صفات را ناگه
دیده در ذات ظاهر و پیدا
گاه دریا به موج کرده ظهور
گاه شد موج عین آں دریا
یار با ما و ما همه بے او
مانده تنها چو او (بود) بے ما
گر نهانست، چیست چندیں شور
ور عیان است، چیست ایں غوغا
مطرب دل به پرده می گوید
تنها تن تنا، و تن دونا
که همو عابد و همو معبود
لیس فی الدار غیره موجود[1]

ترکیب بند

مائیم خلاصه دو عالم
تفسیر حروف اسم اعظم
هم ذات خدا زما مبین
هم نور صفت بما مسلم
مشهود رخ صفات و اسماء
مسجود فرشته معظم
همواره به ما کمال مضمر
پیوسته بما جمال مدغم
دریائے محیط بے کرانه
ایں طرفه که شد عیان زشبنم

---

۱ - مقالات منتخبه ۵ : ۱۹۰ -

آنکس کہ شود نہنگ این بحر
باشد بہ نہیب ورطۂ بے غم
نے تنگ ز شر نہ خرم از خیر
نے خوش ز ثنا نہ ناخوش از ذم
بیزار ز قید کفر و اسلام
آزاد ز جنت و جہنم
این است کمال رہرو دین
این جا ازل و ابد یکے بین[1]

غزلیات

جاناں مپرس ، بے تو شب ما ، چساں گذشت
یا روز بد ، چنیں برسید و چناں گذشت
تیر غمت کہ بر سپر سینہ ام رسید
دل را شگافت ، بر جگر آمد ز جان گذشت
گفتی : گذر ز جاں و جہاں از برائے من
چوں جاں توئی چگونہ ز جاں می توان گذشت
از چشم مردماں ، ہمہ خونتانہ شد رواں
در مجلسی کہ ذکر جالی رواں گذشت[2]

تو در دروں و من از شوق سینہ پارہ کنم
کہ دل شگافم و بر روئی تو نظارہ کنم
بہ زندگی نہ رسد دست من ، بدامانت
مگر لباس حیاتی ، کہ ہست پارہ کنم
من آں جالی دردی کشم کہ زاہد را
بہ یک کرشمۂ ساقی شراب خوارہ کنم[3]

ترا کہ شیوہ چناں است و شکل و ساز چنیں

---

۱ - ایضاً ۲ : ۱۹۰ -
۲ - اردو ادب ص ۱۵۴ ، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ، ص ۷۷ -
۳ - اردو ادب ص ۱۵۵ -

چرا دلم نبود در غمت گداز چنیں
تو گر جفا کنی از ما بہ جز وفا نآید
کہ رسم ناز چناں باشد و نیاز چنیں
دلم نواختہ از زخمہائے خنجر تست
ہمیشہ باد مرا یار دلنواز چنیں[1]
خواہم کہ ہمدم دل پر خوں کنم ترا
حال دلم نمی نگری، چوں کنم ترا
افسانہ ام نمی شنوی، عشوہ می دہی
اے سنگدل بگو کہ: چہ افسوں کنم ترا
دل شاد گشت چوں بہ جمالی طبیب گفت
زیں درد کم مباش کہ افزوں کنم ترا[2]

خنداں لعل شیریں را کہ شورے در جہاں افتد
مرا زاں خندہ، دل بگدازد و آتش بہ جاں افتد
بہ مرگ خودشدم ہم شادوہم غمگیں گزیں محنت
رہائی یابم و ترسم جدائی درمیاں افتد
ز سوز سینہ گشتم خشک لب اے دیدۂ گریاں
مدد فرما ! کہ از جوئی تو آبم در دہاں افتد[3]

چہ نیکو می رود آں کبک رفتار
خداوندا ز چشم بد نگہ دار
چہ شکل است ایں، چہ ساز ایں، چہ شوخی
چہ قد است ایں، چہ ناز است ایں چہ رفتار
منہ پا بر زمیں، بر چشم ما نہ
کہ چشم ماست پایت را سزاوار
جمالی گلکت آں طوطیٔ ہند است
کہ آب خضر می ریزد ز منقار[4]

---

۱ - اردو ادب ص ۱۵۵ ، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء ص ۷۸ -
۲ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء ص ۷۷-۷۸ -
۳ - ایضاً - ص ۷۷-۷۸ -
۴ - اورینٹل کالج میگزین شمارہ نومبر ۱۹۶۴ ص ۷۷-۷۸ -

اے نسیم صبح : پیغام دوان درگاه بر
یعنی احوال گدا ، دربارگاه شاه بر
تا توانم سوی او نتوان شدن باد صبا
بر مثال برگ خاشاکی ، مرا ہمراه بر
آب و آتش در دو رخ داری ، نقاب از رو کشا
آتش خورشید بنشان آبروی ، ماه بر
یا به عمر کوته ام ، زلف دراز خود به بند
یا بدان زلف دراز ، این رشتهٔ کوتاه بر[1]

ماہی به میدان می رود تا شه سواری کیست این
از دیدنش جان می رود یا رب نگار کیست این
قوس از دو ابرو ساخته ، از غمزه تیر انداخته
بر سو سمندش تاخته ، بهر شکار کیست این
بالائے او سرو روان ، رخسار خوبش گلستان
خط سبزه ، لعلش ارغوان تا نو بهار کیست[2] این

اشعار متفرق

ویرانهٔ دلم را گنجیے ، است یاد رویت
در وے خیال زلفت ، چوں مار کرده مسکن[3]

عشق را طے لسانی است که صد ساله سخن
یار با یار ، بیک چشم زدن می گوید[4]

دو گزک بوریا و پوستکی دلکی پر ز درد دوستکی
این قدر بس بود جمالی را عاشقی رند لا ابالی را[5]

---

۱ - اورینٹل کالج میگزین شماره نومبر ۱۹۳۴ ص ۷۷-۷۸ -
۲ - اورینٹل کالج میگزین شماره نومبر ۱۹۳۴ ص ۷۷-۷۸ -
۳ - ریاض الشعراء خطی -
۴ - ریاض الشعراء خطی -
۵ - ریاض الشعراء خطی -

صد ریش بین بر سینه ام سر ریش را صد خار غم
بر خار صد درد الم افزون کند بر ریش را

دوش در کوئے تو نالیدم ، سگت فریاد کرد
کای جمالی ! از فغان زحمت مده درویش را

گویند ! که آب لعلش سرچشمهٔ حیات است
ما تشنه جان سپردیم ، از وے چه سود مارا

رند و دردی نوش و شاهد باز بے باکیم ما
منت ایزد را که از فسق و ریا پاکیم ما

بآستان تو ، شرمندهٔ سگان تو ایم
که شب قرار نه دارند ز آه و زاری ما

شهرے که در آنجا بود آن کافر بد کیش
کافر شوم ار ، هیچ مسلمان بود آنجا

گفتی ! جمالی نام لب من هزار جانست
چندین بها مکن شکر نا چشیده را

در دی که بے رخ تو ، جمالی همی کشد
یک حصه زان مباد هزار آفریده را

واعظ جمالی را مکن منع از بت و رندی و مے
پند پدر مانع نشد رسوائے مادر زاد را
ندیدم وفاداری اکنون ز کس
و فی تلک الایام فات الوفا

لطفے کن اے باد سحر ، بر کشتگان او گزر
در کوئی آن کافر ببر، این خاک خون آمیز را

از بهر قتلم آمدی و واگزاشتن
معلوم شد که ، مرده به پنداشتی مرا

بدنام و بت پرست جمالی ست در جهان
اے پارسا بگو تو چه انگاشتی مرا

درد دلم صد روزنی است اینک خیال زلف او
مار مان سر می کشد بر دم ز هر روزن مرا

چشم شوخت کرد بیمارم ولی چشم ترم
می چکاند آب بر لب روز بیماری مرا

مردن آسان شد جالی را ، چون رخسار تو دید
ورنه می کشتی غم ، رویت بدشواری مرا

شب به گرد کعبهٔ کوی تو می آرم طواف
روز کحل دیده سازم خاک پای خویش را

جالی ! روی خوبان بین به رغم زاهد منکر
که کافر آمد آن کو، منکر آمد صنع بی چون را

جگر پر سوز و دل پر درد و جان در تاب و تن در تب
نمی دانم بدینسان در فراقت ، چون زیم یا رب
به خواهم مرد چون دیدم رخت در حلقهٔ زلفت
سفر نه بود مگر چون ماه منزل کرد در عقرب

بسته شد چشم ما ز خون جگر رحمة یا مفتح الابواب
دی خرامان گذشت در راهی قلت یا لیت کنت فیه تراب
هر که او دید چشم و ابرویش قال سکران نام فی المحراب

شد تن زار من از هجرت چو مو در پیچ و تاب
آخر آن مو را ز دود آه دل کردم خضاب
نیست بر رویم خراش ناخن از درد و غیبت
بلکه از دریای چشم خود بریدم جوی آب

اینکه دارد دهنت چشمهٔ حیوان در لب
مگر از تشنه لبان داشته پنهان در لب

روزے کہ دادہ مژدہ کشتن ہمت بدل
خود را بہ عمر خویش ہماں روز شاد یاب

بوتہ خاری کہ از خاک مزارم سر کشید
مست و حیران شد بر آن زاہد کزو مسواک ساخت

گر مرا بے درد می گوئی ، ہمہ گویند نیست
ور ترا بے مہر می گویم ہمہ گویندہ ہست

دل بسوئے آن میان دست طمع دارد دراز
این طمع ہیچ است چون چیزے نمی آید بدست

اے سہالی از دہانت تا بلوای آمد پدید
بر تو نازل شد بلای عشق از روز الست

طائر قدسی بشاخ سدرہ دارد آشیاں
زیر دام زلف او حال گرفتاراں خوش است

چوں زہد دل خستہ بیاری ، کہ صد بار از امید
چشم بکشاد و ترا یکبار بر بالیں ندید

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

زاہد بہ طعنہ گفت کہ روئے بتاں مبین
اے بے تمیز ، دیدۂ بینا برائے چیست

صد بار بہ خاک قدمش دیدہ نہادیم
یکبار کسے گو بسر کوی تو بگذشت

نیک خواہی گر کند منعم ز روئے نیکواں
چوں من او را نیک می بینم او بداندیش منست

اے لم ! قربان آں ابرو کمان کز سینہ ام
می کند تیز و ہمی گوید کہ این کیش منست

پیکان خدنگ تو ، توان یافت ز خاکم
گراز پس مرگم به جهان خاک توان یافت

بر درش مرد جالی سگ او نوحه گرفت
از مقیمان درش این قدر اکرام خوشست

هر چند در شمار نمی آوری مرا
عمری که بتو می گزرد ، در حساب نیست

بعد صد سال اگر خاک مزارم بویند
همه گویند که : اینجا اثری بوی کسی است

شمشیر کشیده آن بت و در کوی خودم دید
گفتا که : جالی نتوان صید حرم کشت

بر تن لاغر ، لباس تر ، تو گوئی چشم ما
جامهٔ را شسته بر بالای خار انداخته

پیش مهتاب جمالت حاجت خورشید نیست
هر کجا خورشید باشد حاجت مهتاب نیست

می رفت دور ، من دل پر خون حکایتی
آغاز کردم و سخن ناشنیده مالد

پارسا هستم ، مفرما کز شراب آلودگی
جان من پاکست اگرچه خرمن من پاک نیست

خاک کویت خواستم ، در گریه افشانم بسر
چون کنم؟ کز آب چشم من، بکویت خاک نیست

صبر و آرام و دل و دین جالی همه رفت
تو مرو ! باش ! اگر هیچ نباشد غم نیست

هر کجا مردم بود ، آرام آهو می رود
چشمت آهو نیست کارامش همه با مردمست

من از کمال غیرت تا دیگری نبوسد
از خون دیده بوسم بر دم نشان پایت

خود پرستان را به کوی می پرستان راه نیست
عرصهٔ رندی، مقام زاہد خود خواہ نیست

لعل جان بخش تو در روی جهان افروز تو
اجتماع آفتاب و عیسیٔ مریم شده است

چون من براه میکده میرم خدای را
از خاک من قرابهٔ سازند با قدح

چون غنچه کند پیش دهانی تو تبسم
خاکش زکف باد صبا روی من افتد

از خون جگر تکمه لعلی است جمالی
ہر قطره که از چشم تو برمن افتد

سوراخها بسینه و از ہیچ روزنی
ما را بدل ز زلف تو باری نمی رسد[۱]

محبت صبرم ز دل می جست و جان می گفت
که، آن مسکین ازین منزل سفر کرد[۲]

یاد لب تو، در دل غمگین بود مرا
جان کندن از فراق تو شیرین بود مرا

اے از جمالت، این ہمه غوغا برائے چیست
چون جمله حسن تست تماشا برائے چیست

می کشی از تیغ جورم، میکنی دل شاد ہم
خون من ریزی و می گوئی مبارک باد ہم

---

۱ - مجمع النفائس نسخهٔ خطی متعلق به موزه ملی پاکستان -
۲ - مخزن الغرائب ۱ ; ۵۲ -

عید قربانست لطفی بر من درویش کن
یعنی این دلریش را قربان روئی خویش کن

هر کس که بیند آن لب مانند قند او
چون نیشکر شکسته شود بند بند او

شد مرغ دلم از آتش عشق تو ، کبابی
بروی زدم از دیدهٔ گریان نمک آبی

من که از چشم تو بیمار شدم از لب لعل
چه شود گر بدهی شربت عناب مرا

گویند ا زنده می شود اندر نماز دل
محراب ابروئے تو مرا در نماز کشت

آن جفا کار ، دل آزار جگر خوار جهان
گرچه کافر نتوان گفت ، مسلمان هم نیست

می کنم فکرے که آن زلف دراز آید بدست
دست کوته دارم ، اما می کنم فکر دراز

کام جستم زلبش ، داد نهانم دشنام
واقف حال نه شد ، داد مرا دم به غلط

زتیغت سینه‌ام صد چاک شده‌اے واے می ترسم
مبادا ، درد تو ، بیرون فتد از سینه چاکم

زلف نگار و توبه ما و سر رقیب
این هر سه را که نام شنیدی شکسته به

وعده قتلم کنی هر شب که فردا می کشم
تا بفردائے دگر در انتظارم می کشی

بگفتمش که ، به عشاق رحم کن ! نه جفا
بخنده گفت ، لکم دینکم ولی دینی[1]

از سینه بر کشم دل منت رسیده را
تا ہر دمم به خون نکند غرق دیدہ را

ترا در نیکوئی کردند مشهور
جمالی را نکو خواه آفریدلله

تو بدین صورت زیبا که روی بهر نماز
مسجد از روئے تو بتخانه چین می گردد

مرا از تیر ہائے او ہر از ہر گشت ہر پہلو
کنون پرواز خواہم کرد سوی آن کمان ابرو[2]

۳ ۔ **مثنوی مہر و ماہ** (۹۰۵ھ) ۔ جمالی کی یہ طویل ترین مثنوی ۹۰۵ھ میں مکمل ہوئی ہے ۔ اس سے دو سو سال پہلے (۷۱۵ھ) میں امیر خسرو دہلوی نے مثنوی دولرانی و خضر خاں تمام کی تھی ۔ ان دو صدیوں کے طولانی عرصے کے اندر اس برصغیر کے کسی دوسرے شاعر کی لکھی ہوئی مثنوی نہیں ملتی ۔ اگر کوئی لکھی گئی تھی تو وہ علمی دنیا تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہو چکی تھی ۔ اس لحاظ سے جمالی ہی وہ خوش قسمت شاعر ہے ۔ جس کو خسرو کے بعد اس برصغیر کا پہلا مثنوی گو شاعر شمار کیا جاتا ہے[3] اور ان کی مثنوی مہر و ماہ کی اہمیت یہ ہے کہ ادبی تاریخ میں ''دولرانی خضر خاں'' کے دو سو برس بعد یہ پہلی مثنوی ہے جو سامنے آتی ہے ۔

جمالی نے اس مثنوی میں شاہزادی مہر اور شاہزادے ماہ کی عشقیہ داستان کو قلمبند کیا ہے جس کا خلاصہ آئندہ صفحات میں دیا جا رہا ہے ۔ اگرچہ یہ فرضی

---

۱ ۔ خزانہ عامرہ ص ۱۷۸-۱۷۹ ۔

۲ ۔ روز روشن ص ۱۵۴ ۔

۳ ۔ مسعود بک دہلوی (متوفی ۸۲۶ھ) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی تھی لیکن وہ ضائع ہو چکی ہے ۔

اور عام روایتی انداز کی داستان ہے لیکن اس میں جابجا تصوف کے رموز و نکات اور عرفانی مسائل موثر اور دلنشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں - یہ مثنوی جمالی نے اہل تبریز کی فرمائش پر لکھی ہے - وہ کہتے ہیں :

ز روئے محفل بندی اہل تبریز
ز نخل دوستی گشتہ رطب ریز
بگفتند : اے چراغ عشق بازی
ز تو پروانۂ جاں در گدازی
ترا راہ حجاز، از اشتیاق است
سزاوار تو ، ایں راہ عراق است
نشیں در پردہ ہائے دیدہ ما
کہ جائے مردم تنہا است ایں جا
کتابی است مہر و مشتری نام
بشہرت ، ہمچو مہر و مشتری عام
ز تصنیف تو بہر فضل عصار
کہ او استاد اوستادان روزگار
تو ہم در فکر مہر و مشتری باش
بمہر دل مراو را مشتری باش

عصار تبریزی (متوفی ۷۸۴ھ) کی مہر و مشتری کی طرز پر کہنے کے لیے تبریزیوں نے جو فرمایش کی وہ جمالی نے دوران سفر میں پوری کرنے کی کوشش شروع کر دی اور جیسا کہ مثنوی کے تاریخی شعر سے ظاہر ہوتا ہے ، مثنوی (۹۰۵ھ) میں مکمل ہوئی -

---

۱ - ڈاکٹر نذیر احمد کے سامنے مثنوی کا یہ شعر نہیں تھا - ''آب کوثر'' میں درج شدہ چند اشعار انہوں نے دیکھے اور عمومی حالات کے پیش نظر لکھا ہے کہ جمالی کی (عرب و عجم) سیاحت سے واپسی (۸۹۸ھ) میں ہوئی تھی - اس لیے مثنوی کی تصنیف اس سے کچھ قبل سمجھنا چاہیے - (اردو ادب دسمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۲۴) -

چو تاریخش بجوی اے خدا بیں
نگر در مہر و ماہ مرشد دیں[1]
۹۰۵ھ

جمالی پر اس مضمون سے پہلے یہاں کے دو دانش وروں نے مقالے لکھے ہیں جن میں اس مثنوی کی تاریخ اور سلطان سکندر لودھی اور اس مثنوی کی تالیف سے متعلق بحث کی گئی ہے -

(۱) ڈاکٹر یاسین خان نیازی - سکندر لودھی اور فارسی مصنفین

اس مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ :

جب سلطان سکندر نے سلطان علاءالدین کے ساتھ صلح کرنے کے بعد ۹۰۵ھ میں جونپور کے علاقے سنبھل میں اقامت اختیار کر لی تو شیخ جمالی جو سکندر کے استاد رہ چکے ہیں ، عرب کی سیاحت سے واپس آ گئے تھے - چونکہ سکندر ان کا شاگرد تھا اس لیے شیخ کو (منظوم) خط لکھ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور مثنوی مہرو ماہ بھی طلب کی -

(۲) ڈاکٹر نذیر احمد - خسرو ثانی شیخ جمالی دہلوی

میں لکھتے ہیں کہ سلطان سکندر ۸۹۷ھ میں پٹنہ اور جونپور کی مہم پر روانہ ہوا ، وہاں کے معاملات کسی قدر سلجھا کر اریل ، کڑا ، ڈلمئو اور شمس آباد سے ہوتا ہوا سنبھل پہنچ گیا - گویا ۸۹۸ھ کے قریب بادشاہ کا قیام سنبھل میں تھا - اور ۹۰۵ھ میں دوبارہ سنبھل آیا اور مستقلاً چار سال تک قیام کیا - قیاس یہ ہے کہ شیخ کی واپسی پر بادشاہ نے اس وقت پیغام بھیجا تھا ، جب وہ پہلی بار سنبھل میں مقیم تھا ، یعنی ۸۹۸ھ کے قریب - اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جمالی اس سے پہلے کبھی دہلی واپس آ گیا تھا......سیاحت سے واپسی ۸۹۷ھ کے قریب ہوئی تھی ، اس لیے اس مثنوی کی تصنیف اس سن سے کچھ قبل سمجھنا چاہیے[2]......

مخزن افغانی کے حوالے سے ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ : سکندر لودھی کے منظوم رقعہ لکھنے پر جمالی نے مثنوی بھیج دی اور خود جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ فقراء کو اغنیاء کی مجالست سے کیا احتیاج[3]...... پھر بادشاہ

---

۱ - اردو ادب ص ۱۳۰-۱۳۱ -

۲ - اردو ادب ص ۱۳۲ -

۳ - اردو ادب ص ۱۳۳ -

نے جمالی کے خسر اور پیر شیخ سماءالدین کو لکھا جنھوں نے شیخ کو بھیج دیا۔ ہمارے خیال میں سلطان سکندر نے جمالی کی شعرو سخن میں شاگردی ۹۰۵ھ کے بعد اختیار کی ہے جس کے متعلق تاریخ بدایونی میں اشارہ ہے۔ شاہزادگی کے زمانے میں استادی اور شاگردی کا ہمیں ثبوت نہیں ملتا۔ جس وقت سلطان سکندر تخت نشیں (۸۹۴ھ) ہوا ہے اس وقت جمالی بلاد اسلامیہ کے سیرو سفر میں مشغول تھے۔

ڈاکٹر نذیر احمد کے سامنے مضمون لکھتے وقت مثنوی کا تاریخی شعر موجود نہیں تھا اس لیے انھوں نے ۸۹۷ھ سے کچھ قبل مثنوی کی تصنیف اور تکمیل خیال کی ہے اور اس وجہ سے لکھا ہے کہ یہ مثنوی ۸۹۸ھ سے پہلے مکمل کر لی گئی تھی اور جمالی سفر سے واپس گجرات پہنچے، جہاں سے اپنے وطن دہلی پہنچے، وہاں ان کو بادشاہ کا پیغام ملا اور وہ ۸۹۸ھ کے لگ بھگ سنبھل گئے مخزن افغانی[1] میں شیخ سماءالدین کا جمالی کو سلطان کے پاس بھیجنے کا جو قصہ ہے وہ اگر مثنوی کے سلسلے میں ہے تو مشکوک ہے کیونکہ مثنوی کی تکمیل کا سال ۹۰۵ھ ہے جب کہ شیخ سماءالدین کو اس دنیا سے کوچ کیے ہوئے تقریباً ۵ برس ہو چکے تھے۔ منظوم رقعہ کا لکھنا اور جمالی کو طلب کرنا در اصل ۹۰۵ھ کا واقعہ ہے جبکہ سلطان سنبھل میں مقیم تھا اور جب پیر کی وفات کے بعد جمالی کی اپنی جداگانہ شخصیت کا شہرہ ہوا نیز مثنوی کی تصنیف کی اطلاع بھی سلطان کو پہنچی۔ جمالی جب سنبھل کے قریب پہنچے تو بادشاہ خود استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آیا۔ سفر سے واپسی کے بعد سے لے کر ۹۰۵ھ تک بادشاہ سے جمالی کی

۱۔ مخزن افغانی (تاریخ خان جہانی) کا اقتباس قبل ازیں ہم دے چکے ہیں، تاریخ خان جہانی (مخزن افغانی) کے سنین اور بعض واقعات درست نہیں ہیں، جیسا کہ ایک روایت لکھی ہے کہ ایک روز قطب الاعظم شیخ سماءالدین جو قطب العالم بختیار کاکی کے مقبرے پر فاتحہ پڑھنے گئے تو راستے میں ان دونوں بادشاہوں (بہلول و سکندر) کے مقبرے سے گزر ہوا تو مراقبے میں جا کر کہا کہ الحمد للہ والمنہ چنانچہ ایں پدر و پسر در دار دنیا کامران وکامگار بودند در آں سرا نیز بہ عشرت و خرمی و بہجت و مسرت اشتغال دارند۔ (۲۲۸) ترجمہ انگریزی مخزن افغانی (N. Roy) ص ۱۰۵۔ یہی روایت جمالی نے شیخ سماءالدین کے فرزند شیخ نصیرالدین کی زبانی لکھی ہے لیکن اس میں فقط سلطان بہلول لودھی کے مقبرے اور اس پر مراقبے کا ذکر ہے۔ (ص ۱۷۹)۔

کوئی ملاقات نہیں ہوئی ہے ، اس لیے بادشاہ نے اپنے منظوم رقعہ میں شیخ کی سیرو سیاحت کی طرف اشارہ کیا ہے :

در گرد جہاں بسی زدی سیر
در منزل خود رسیدی بالخیر
بودی تو مسافر زمانہ
الحمد کہ آمدی بخانہ
در مکہ و مدینہ گشتی
گوہر بودی خزینہ گشتی

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جمالی مرشد کی وفات (۹۰۱ھ) کے بعد دوبارہ حج کو گئے جہاں سے ۹۰۵ھ میں دہلی پہنچے اور بادشاہ نے اطلاع پا کر یہ رقعہ لکھا اور اسی سفر کی طرف رقعہ میں اشارہ ہو۔

متعدد بیانات کے پیش نظر ہمارے خیال میں یہ نتائج نکالے جا سکتے ہیں :

(۱) جمالی اپنے (پہلے) سفر سے مولانا جامی کی وفات (۸۹۸ھ) سے پہلے دہلی میں پہنچے ہیں ۔ سیرالعارفین میں شیخ سماءالدین کے درج شدہ حالات سے یہی مترشح ہوتا ہے ۔

(۲) شیخ سماءالدین کی زندگی میں شیخ جمالی حج بیت‌الله اور اپنے سفر سے واپس ہو کر مرشد کے پاس پہنچے ہیں ۔ سیرالعارفین میں واپسی کے سلسلے میں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں مثلاً شیخ سماءالدین کے متعلق لکھتے ہیں :

''سالہا مرور اگرچہ این مہجور از دیدۂ ظاہر ایشاں (شیخ سماءالدین) دور بود زماں زماں از التفاتِ باطن آں حضرت رو بے حدوعد می یافت ۔ چنانچہ این دعا در وقت تہجد فوت نفرمودند ۔ تاآنکہ بہ خاکبوسی آستانہ آنحضرت رسیدہ شد ......در آنچہ بشرف سعادت قدمبوسی مخدومی مشرف گشتم ۔ در کنارم گرفت و رویم بوسید و فرمود کہ : الحمد لله ! این دعائے من کہ سالہا در وقت تہجد می خواندم بلری بہ استجابت مقرون گشت ۔ ''

ہماں زماں بحضور ایشاں حضرت مخدوم زادہ......شیخ نصیرالملت والدین... فرمودند کہ : شما ہنوز در دریا یا بہ جہاز بودہ باشید کہ مخدوم فرمودند ! الحمدلله ! شیخ جمالی از بیت الله مراجعت نمودند ۔ شاید این زماں بہ بلادِ

گجرات رسیده باشند"۱ -

اور کم و بیش پانچ برس کے بعد (۹۰۱ھ) میں جب شیخ سماءالدین کا انتقال ہوا ہے تو جمالی ان کے سرہانے موجود تھے -

(۳) جمالی نے مثنوی مہرو ماہ تبریزیوں کی فرمائش پر اپنے سفر کے دوران لکھنی شروع کی تھی۲ -

---

۱ - سیرالعارفین ص ۱۸۲ -

۲ - تبریزیوں کی فرمایش کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے :

قدم برداشتم در راہ بالخیر
فضائے ربع مسکوں را زدم سیر
بدیں اندیشہ بعد از مدتے چند
قضا در عرصہ تبریزم افگند
خداونداں کہ در تبریز بودند
مرا روئے خداوندی نمودند
براہ دوستی و روئے یاری
بشرط ہمدمی و غم گساری
شدند ایں خستہ دل را در شب و روز
بہ تنہائی ، چراغ خاطر افروز
ز روی نخل بندی اہل تبریز
ز نخل دوستی گشتہ رطب ریز
بگفتند اے چراغ عشق بازی
ز تو پروانۂ جان ، در گدازی
ترا راہ حجاز از اشتیاق است
سزاوار تو ، ایں راہ عراق است
نشیں در پردہ ہائے دیدۂ ما
کہ جائے مردم تنہا است ایں جا
نوائے خوش براہ عشق بنواز
کہ گردد پردہ عشاق را ساز
کتابی ہست ، مہر و مشتری نام
بشہرت ہمچو مہر و مشتری عام
ز تصنیف ، تو بہر فضل عصار
کہ او استاد ، آستادان درکار ہے

جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے :

در ایامے کہ گشت این نامہ بنیاد
کہ بنیادش چو بنیاد ابد باد
بہ جان بودم ز دست غربت سخت
کشیدہ در طریق بیدلی رخت
گہے با دام و دد ، دمساز گشتہ
گہے با ، خار و خس ہمراز گشتہ
گہے در روم و گاہے جانب شام
ندادہ خویش را یک لحظہ آرام
بہ ہروادی ، رواں تنہا و بے کس
گہ از مصر و گہ از بیت المقدس
سرشک آسا رواں از سوز سینہ
گہے در مکہ گاہے در مدینہ
چو زلف دلبراں ، خاطر پریشاں
ضعیف و ناتواں چوں چشم ایشاں
دواں ، بادود دل ، مانند خانہ
بدینساں در رہ انشاء نامہ
دو بیت از مادر فکرم ہمی زاد
یکے ماندی یکے می رفت از یاد
بہ فکر گوہری از پای تا فرق
شدم در ورطۂ خون جگر غرق

سفر میں مثنوی کہتے جاتے تھے - تکالیف اور پریشانیوں کی وجہ سے بعض دفعہ اشعار ذہن سے نکل جاتے تھے اور بعض دفعہ یاد رہ جاتے تھے - یہ مثنوی اس طویل سفر میں لکھی گئی ہے جس کے دوران وہ حجاز ، مصر ، بیت المقدس وغیرہ

تو ہم در فکر مہر و مشتری باش
بہ مہری دل مر اورا مشتری باش
قلم را در بناں گیرو تو رداں
عطارد را بہ ہر پروین بند گرداں (ص ۱۷)

گئے تھے اور اسی لمبے سفر میں ان کو تکالیف اور صعوبتوں کا سامنا ہوا اور بعض دفعہ تو ہلاکت تک بھی نوبت پہنچی ۔

''و در مسافرت چند جا بوقوع امرے ، چہ در بیابان و چہ در آبادانی ، بیم ہلاکت رسیدہ ، امید حیات بہ کلی منقطع گشتہ''

مثنوی کے آغاز میں ''مدح حضرت سلطان العارفین و برہان العاشقین سماءالحق والدین'' سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی اس وقت لکھی گئی جبکہ شیخ زندہ تھے یعنی ۹۰۱ھ سے پہلے ۔

(۴) غالباً مرشد کی وفات ۹۰۱ھ کے بعد جمالی نے ایک اور مختصر سفر حج کے ارادے سے کیا ہے اور یہ سفر ۹۰۲ھ سے ۹۰۴ھ تک ہو سکتا ہے ۔ اس سے واپسی کے بعد جب سلطان کو شیخ جمالی کی روحانیت میں اپنی انفرادی شخصیت کا علم ہوا تو مثنوی لانے کی فرمایش کی اور ساتھ ہی ان کو بھی اپنے پاس بلایا ۔ مرشد کی زندگی میں سلطان سکندر کے خصوصی تعلقات جمالی کے ساتھ نہیں تھے جو کچھ تعلقات ہوئے ، وہ ۹۰۵ھ کے بعد ہوئے ۔

(۵) مثنوی ۹۰۱ھ سے پہلے تالیف ہوئی ہے۔ ۹۰۵ھ میں جب سلطان نے بلایا تو مثنوی کے آخر میں غالباً نئی تاریخ کا شعر لکھا اور اس وقت بادشاہ کی مدح بھی شامل کر دی ۔ اگر بادشاہ کی مدح پہلے کبھی ہوتی تو ظاہر ہے کہ دستور کے مطابق پیر کی مدح کے بعد ، مثنوی کے شروع میں اس کو لائے ہوتے ۔

(۶) جب ۹۰۵ھ میں جمالی کی ملاقات سلطان سکندر سے ہوئی ، اس وقت سے باہمی تعلقات بڑھے ۔ تاریخ خان جہانی (مخزن افغانی) میں ہے کہ جمالی اس دفعہ دو برس تک بادشاہ کے پاس رہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ محظوظ و مسرور رہے ۔

''۔۔۔در سنہ ۹۰۵ھ بطرف سنبھل نزہت نمود و چون ہوائے آن مکان موافق طبع شریف سلطان آمدہ بود ۔ شکار فراوان داشت و چہار سال در آنجا اقامت کرد........و فضائل پناہ معارف دستگاہ شیخ جمالی کنبوہ کہ از سفر بحرو بر مراجعت نمودہ ، بہ دہلی آمدہ بود ، سلطان رقعہ منظومہ فرستاد ، ایشان را طلب

نمودہ و دو سالِ با یکدگر محظوظ و مسرور بودند و اکثر صحبت شعر درمیان بود"[1]

اسی دو برس کے ساتھ سنگت اور شعرو سخن کی صحبتوں کی وجہ سے گمان غالب ہے کہ استادی و شاگردی تک نوبت پہنچی ہو اور اس سے بھی بڑھ کر اسی زمانے کی بودو باش دوستی تک تعلقات جا پہنچے جیسا کہ جمالی نے اپنے تعلقات کو اس شعر میں دوستی پر محمول کیا ہے :

میانہ من و تو دوستی ، ز بہر خدا ست
نہ از برائے متاع زمانۂ غدار

اور پھر یہ دوستی بادشاہ کی وفات ۹۲۳ھ تک برابر قائم رہی اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ اسی لیے جمالی نے جو دردناک مرثیے کہے ہیں ، ان سے "بوئے خون" آتی ہے اور ان کو مدت تک پڑھ کر لوگ روتے رہے ہیں[2] ۔

(۷) مرشد کے دوران حیات میں جمالی کی اپنی شخصیت مرشد کی ذات میں ضم تھی ۔ وفات کے بعد جمالی خود مشیخت کی مسند پر بیٹھے اور ان کی شخصیت مرشد کی شخصیت سے ابھری جس کی طرف خود اشارہ کیا ہے :

گروہے را بدیں ارشاد کردم
جہانے را بدیں ارشاد کردم
بحمد اللہ ، ز فضل لایزالی
جہاں را مرشد دیں شد جمالی

ظاہر ہے کہ مرشد دیں کا دعویٰ اپنے پیرو مرشد کی زندگی میں مرید کو زیب نہیں دیتا ۔ ان اشعار سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی کا تاریخی اختتامیہ اور بادشاہ کی مدح ۹۰۱ھ کے بعد یعنی ۹۰۵ھ میں مثنوی میں شامل کی گئی ہے ۔ تاریخی شعر میں بھی اپنے آپ کو مرشد دین کہا گیا ہے : "مہر و ماہ مرشد دین" ۔

اس مثنوی کو ہندو پاک کے فارسی ادب میں زمانے کے لحاظ سے خاص اہمیت اور مقام حاصل ہے کیونکہ خسرو کے بعد جو دو سو برس تک فارسی ادب پر سکتہ سا رہا اس کو اس مثنوی نے توڑا ہے نیز "دولرانی و خضر خاں" کی

---

۱ - تاریخ خان جہانی ص ۱۸۹ ۔

۲ - تاریخ خان جہانی (ص ۲۲۷) : "مرثیہ انچہ بعد از فوت او انشاء فرمود تا مدت مدید اہل فضل و ارباب کمال آں را می خواندند و بجائے اشک خون از دیدہا می باریدند"

عشقیہ مثنوی کے بعد یہ پہلی مثنوی ہے جس میں عشقیہ داستان قلمبند کی گئی ہے لہذا مثنوی مہر و ماہ اور اس کے مصنف ہماری ادبی تاریخ میں کئی لحاظ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اب تک مثنوی کا ایک ہی نسخہ دریافت شدہ ہے اور وہ دانش گاہ پنجاب کے ذخیرۂ شیرانی میں موجود ہے۔ ویسے بھی جمالی اور اس کے دور کا علمی ذخیرہ بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے۔ اس لیے جمالی کے آثار بہت کم یاب ہیں۔ دیوان اور مثنوی مراۃ المعانی کے تو پھر بھی ایک دو نسخے موجود ہیں لیکن مہر و ماہ سوائے اس ایک نسخے کے اور کہیں نہیں ہے[1]۔

مذکورہ نسخہ جو بے حد مغلوط کسی ان پڑھ اور بدخط کاتب کا لکھا ہوا ہے، اس پر محمد حسین[2] کی مہر ہے اور اختتام پر ایک مٹی ہوئی مہر کے نیچے یہ عبارت ہے۔

"کتاب مہر و ماہ از کتابخانہ عاصی..... معاصی چرنجی سنگھ متوطن......ولد رائے کوپال است بتاریخ ہفتم شہر ربیع الاول ۱۱۸۳ھ ملاحظہ نمودہ"۔

۴ ۔ سیرالعارفین (۹۳۱-۹۳۸ھ)

ہندوستان میں جمالی کی شہرت اس تذکرے کی وجہ سے ہے۔ یہ تذکرہ پرانی روش پر لکھا گیا ہے، تاریخوں کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس میں مندرجہ ذیل تیرہ مشائخ کا ذکر ہے:

(۱) حضرت شیخ معین الدین چشتی۔ اجمیر
(۲) بہاءالدین زکریا۔ ملتان
(۳) قطب الدین بختیار کاکی۔ دہلی
(۴) فرید الدین گنج شکر۔ پاک پٹن
(۵) صدر الدین عارف۔ ملتان
(۶) نظام الدین اولیاء۔ دہلی
(۷) رکن الدین ابوالفتح۔ ملتان
(۸) نجیب الدین متوکل۔ دہلی
(۹) حمید الدین ناگوری۔ ناگور

---

۱ ۔ یہ مثنوی راقم الحروف نے ۱۹۷۴ء میں شائع کر دی ہے۔
۲ ۔ یہ محمد حسین غالباً خلیفہ محمد حسین مترجم ابن بطوطہ ہیں۔

(۱۰) جلال الدین تبریزی -
(۱۱) نصیر الدین چراغ محمود - دہلی
(۱۲) جلال الدین مخدوم جہانیاں - اوچ
(۱۳) سماء الدین کنبوہ - دہلی

دستوری انداز کے طور پر ان سب کا احوال نہایت مختصر لکھا گیا ہے - زیادہ تر کرامتوں اور بعض غیر مستند حکایات پر انحصار کیا گیا ہے- یہی وجہ ہوئی کہ پروفیسر حبیب مرحوم (علی گڑھ) نے لکھا کہ ''جمالی نے سیرالاولیاء ، فوائدالفواد اور خیرالمجالس کو پڑھا تھا - اگر انھوں نے صرف ان ہی کتابوں پر اکتفا کیا ہوتا تو سیرالعارفین ایک مستند کتاب ہوتی لیکن (خواجہ نظام الدین کے بعد) دو سو سال سے زیادہ گزر گئے تھے اور اس زمانے میں دہلی میں بہت سے غیر مستند قصے مشہور ہو گئے تھے- شیخ جمالی نے ان قصوں کو بغیر جانچے ہوئے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے - اس لیے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ شیخ جمالی کے ایک بزرگ ہونے کے باوجود یہ ایک مستند کتاب نہیں سمجھی جا سکتی ،،(حضرت نظام الدین اولیاء - مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء ص ۱۵) -

اس کمزوری کے باوجود اس تذکرے میں بہت سی خوبیاں ہیں - مؤلف نے جستہ جستہ مختلف جگہوں پر اپنے سفر کے حالات ، اپنے مشاہدات اور اپنے ذاتی تجربات بیان کیے ہیں - دوران سفر میں بعض مقابر دیکھے ہیں - بعض علمی و روحانی مشاہیر اور مشائخ سے مختلف شہروں میں ملاقاتیں کی ہیں - ان کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات لکھے ہیں - اس تذکرے کے پڑھنے سے اس دور کی روحانی ، علمی اور سماجی تصویر سامنے آ جاتی ہے- اپنے مرشد شیخ سماءالدین کے حالات ان کی ذاتی معلومات اور مشاہدے پر مبنی ہیں -

در اصل جمالی کی اپنی شخصیت علمی اور مشیخت کی وجہ سے اتنی اہم اور مقبول تھی کہ تذکرے کی یہ کوتاہیاں نظر انداز رہی ہیں اور بعد کے لوگوں نے اس سے استفادہ کرنے سے دریغ نہیں کیا -

جمالی نے تذکرہ لکھتے وقت جن کتابوں سے مدد لی ہے ، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

(۱) تاریخ فیروز شاہی — ضیاء الدین برنی
(۲) فوائد الفواد — امیر حسن سجزی

(۳) خیرالمجالس — حمید قلندر
(۴) طبقات ناصری — منہاج الدین جوزجانی
(۵) طرب المجالس — امیر حسینی
(۶) سیر الاولیاء — سید خورد مبارک کرمانی
(۷) خزانۂ جلالی — جہاں گشت
(۸) مناقب قطبی — جہاں گشت

اخبارالاخیار اور فرشتہ کے مصنفین نے اس مختصر تذکرہ سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے اسپرنگر[1] کے حوالے سے خیال ظاہر کیا ہے کہ بدایونی پہلا شخص ہے جس نے جمالی کے حالات میں اس تذکرہ کا نام لیا ہے[2] اور لکھا ہے کہ سقم سے پاک نہیں ہے۔ عبارت یہ ہے :

"......و تذکرہ نوشتہ در بیان مقامات بعض ازمشائخ ہند، سیرالعارفین، نام که خالی از سقمے و تناقصے نیست و ابتدا از حضرت خواجہ بزرگوار معین الحق والدین الاجمیری و اختتام بر پیر خود شیخ سماء الدین کنبوہ دہلوی کردہ[3]۔"

جمالی کے احباب کی خواہش تھی کہ دوران سفر میں جن مشائخ اور اولیاء کو دیکھا ہے ان کے حالات لکھے لیکن ایک تو سفر میں واپسی کے بعد ایک لمبا عرصہ بیت جانے کے بعد (بقول ڈاکٹر نذیر احمد ۴۰ سال[4]) حافظہ میں وہ حالات محفوظ نہیں رہے۔ اور پھر یہ کام بھی بڑا تھا، لہذا جمالی نے اپنے تذکرے کو فقط ہندوستان کے تیرہ مشائخ کے حالات تک محدود رکھا۔

جمالی نے کتاب کو ہمایوں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے اس لیے اس کا سال ۹۳۸ھ کے بعد اور ۹۴۱ھ سے پہلے ہونا چاہیے۔ ۹۴۲ھ میں جمالی نے خود اس دار فانی کو الوداع کہا ہے۔

تذکرہ کے خطی نسخے عام ہیں۔ پاکستان کے کتب خانوں میں سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری وغیرہ مولوی شفیع اور نیشنل میوزیم کراچی میں نسخے

۱۔ اسپرنگر ص ۴۴۶-۴۴۷۔
۲۔ اردو ادب ص ۱۴۷۔
۳۔ بدایونی ۱ : ۳۲۵۔
۴۔ اردو ادب ص ۱۴۹۔

موجود ہیں ۔

ایک مرتبہ یہ تذکرہ ۱۳۱۱ھ میں مطبع رضوی دہلوی باہتمام سید حسن شائع ہوا ہے ۔ کتابی سائز کے ۱۴۴ صفحات پر محیط ہے ۔

جمالی سے منسوب آثار

جمالی کی نثری تصنیف فقط سیرالعارفین موجود ہے ۔ اگرچہ بدایونی نے لکھا ہے کہ علاوہ ازیں اور بھی جمالی نے آثار چھوڑے ہیں ۔

"وغیر آں نظم و نثر دیگر دارد[1]......

دنیا کے کتب خانوں میں بعض ایسی کتابیں موجود ہیں جو جمالی دہلوی کے نام سے فہرست نویسوں نے منسوب کر رکھی ہیں ، مثلاً :

۱ ۔ بیان الحقایق احوال سیدالمرسلین

اس کتاب کا پہلا اور آخری قسم موجود ہے ۔ دراصل اس کے سات قسم ہیں[2] ۔ اس کے دو قسم جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہیں ، ان کے نام یہ ہیں :

(۱) مصباح الارواح (۸۶۸ھ)

(۲) شرح الواصلین (۸۷۶ھ)

یہ کتاب حضور صلعم کی سوانح پر ہے اور آپ کے اقوال کی صوفیانہ شرح کی گئی ہے ۔

۲ ۔ محبوب الصادقین

یہ پانچ مثنویوں کا مجموعہ امپریل لائبریری کلکتہ[3] میں موجود ہے ۔ بقیہ چار مثنویوں کے نام ہیں : سہرالقلوب ، فرصت نامہ ، نصرت نامہ ، قدرت نامہ ۔

ان کتابوں کے مصنف کا نام جمالی ہے اور اس نے اپنی ان کتابوں میں اپنی دوسری تصنیفات کے نام بھی گنائے ہیں مثلاً

مصباح الارواح میں یہ نام دیے گئے ہیں

(۱) روح القدس

---

۱ ۔ بدایونی ۱ : ۳۲۶

۲ ۔ ایوانوف شمارہ ۶۴۸ ۔

۳ ۔ ایوانوف ص ۲۸۳-۲۸۶ ۔

(۲) مراۃ الفقر

(۳) معلومات

مصباح چونکہ ۸۶۸ھ میں لکھی گئی ہے ۔ اس لیے ان کتابوں کا سال تصنیف ۸۶۶-۸۶۸ھ کے درمیان سمجھنا چاہیے ۔

شرح الواصلین میں یہ نام آئے ہیں

(۴) احکام

(۵) نہایت

(۶) ہدایت

(۷) بدایت

(۸) فتح الابواب

(۹) شکوہ

(۱۰) مہر افروز

شرح الواصلین کا سال تصنیف ۹۷۶ھ ہے اس لیے ان کتابوں کے سال تصنیف ۸۶۸-۸۷۶ھ کے درمیان ہونے چاہیں[1] ۔

اس طرح کم و بیش ۲۶ کے قریب کتابیں جمالی کے نام پر منسوب ہیں اسپرنگر اور زخاؤ[2] اور ایتھے نے ان کتابوں کا مصنف جمالی دہلوی کو قرار دیا ہے لیکن ایوانوف[3] نے ان کتابوں کے مصنف کو جمالی دہلوی سے مختلف جانا ہے کیونکہ :

(۱) سیرالعارفین والے جمالی اور اس جمالی کے افکار میں زمین آسمان کا فرق ہے یہ جمالی مذہب کا مفکر ہے ۔

(۲) سیرالعارفین کا جمالی سنی اور چشتیہ سہروردیہ سلسلے کا صوفی تھا اور ان کتابوں کا مصنف جمالی مذہباً شیعہ ہے ۔

(۳) ان کتابوں کا مصنف جمالی اپنی کتابوں میں ایرانی مشائخ صوفیہ کا ذکر لاتا ہے ، جبکہ جمالی دہلوی مشائخ چشت کا نام لیتا ہے ۔

(۴) ۸۶۶ھ اور ۸۷۶ھ کے درمیان جمالی جبکہ جمالی کی عمر ۸۰ برس شمار

---

۱ - اسپرنگر ص ۴۴۶ -

۲ - بودلین ص ۷۸۷ -

۳ - بنگالی ایشیاٹک سوسائٹی ص ۲۸۴ ۔

کرکے اگر سال ولادت ۸۶۲ھ تسلیم کیا جائے تو فقط تین سال بنتی ہے یہ تصانیف کس طرح ان کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں۔

(۵) اخبارالاخیار میں ہے کہ جمالی ابتدا میں جلالی تخلص کرتے تھے۔ اگر ہم بہت لمبی عمر شمار کرکے ۸۶۶-۸۷۶ھ میں نوعمر تسلیم کریں تو اس حالت میں ان کتابوں میں جمالی کے بجائے جلالی تخلص ہونا چاہیے علاوہ ازیں تصوف اور مذہبی فلسفے پر اتنی دقیق کتابیں لکھنا ایک نو عمر لڑکے کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

(۶) جمالی اگر بسیار نویس تھے تو ۸۶۶-۸۷۶ھ کے دس برس میں تو ۲۶ کتابیں لکھیں اور بقیہ طویل عرصے میں فقط تین کتابیں لکھ سکے، یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے[۱]۔

در اصل تحقیق شدہ کتابیں فقط چار ہیں جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ منسوب شدہ کتابیں حقیقت میں جمالی اردستانی کی ہیں جن کا سال وفات ۸۷۹ھ ہے اور پیر جمال کے نام سے مشہور اور معروف صوفی اور شیعہ مفکر ہو گزرے ہیں اور جن کے متعلق ریحانۃ الادب میں ہے:

"محمد ملقب بہ جمال الدین از شعراء و عرفائے قرن نہم ہجرت کہ چند مثنوی بنام روح القدس و شرح الواصلین و کشف الارواح، کنز الدقایق و مہر افروز داشتہ و یک دیوان و قصائد و غزلیات نیز بدو منسوب... و در سال ہشت صد و ہفتاد و نہ ہجرت در گزشت........"[۲]

تذکرہ روز روشن میں ان کا ایک شعر ہے اور لکھا ہے کہ.....در اکثر علوم از ارباب کمال است[۳]۔ دہحذا نے اس کو، پیر شوریدہ جان، صافی ضمیر اور شیریں زبان لکھا ہے اور تصنیفات میں دیوان (چندین ہزار بیت) کشف الارواح، شرح الواصلین، روح القدس، فتح الابواب، مہر افروز، کنزالدقائق، تنبیہ العارفین، محبوب الصدیقین، مفتاح الفقر، مشکواۃ المحبین، معلومات مثنویات، استقامت نامہ، نور علی نور، ناظرو منظور، مراۃ الافراد کے نام لکھے ہیں۔ اس

---

۱ - اس بحث کے لیے ایوانوف دیکھنا چاہیے ص ۲۸۳-۲۸۶ اور اردو ادب ۱۴۷-۱۵۰۔

۲ - ریحانۃ الادب ۱ : ۲۸۳۔

۳ - روز روشن ص ۱۵۳۔

جمالی کے پیر کا نام پیر مرتضیٰ اردستانی لکھا ہے۱ -

اسی طرح اس جمالی اور اس کی کتابوں کا ذکر اور کتابوں میں بھی موجود ہے ، مثلاً ریاض العارفین (ص ۵۳)،الذریعہ (جزاج ۹)،ابن یوسف (مجلس ۵۴۵-۵۴۸) سامی (ب ۱۵۸۰-ج۱۸۳۱) ، معصوم (۲ : ۱۵۹) آذر (۱۷۵) دائرۃ المعارف فارسی (غلام حسین ۱ : ۷۴۷)۲ -

۸ ۔ داستان مثنوی مہر و ماہ

مثنوی مہرو ماہ کی داستان کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ شاہ بدخشاں کے یہاں

---

۱ ۔ لغت نامہ ص ۹۸ -

۲ ۔ ڈاکٹر ضیاءالدین سجادی استاد دانش گاہ تہران نے اورینٹل کالج لاہور کے صد سالہ جشن (دسمبر ۱۹۷۲ء) میں ایک مقالہ بعنوان مصباح الارواح ''جمالی دہلوی'' ۔ پڑھا ہے، جس میں وہی غلطی کی ہے جو اسپرنگر ، زخاؤ اور ایتھے سے سر زد ہوئی ہے ، یعنی مصباح الارواح جمالی اردستانی کو جمالی دہلوی کی تصنیف قرار دے کر مثنوی کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے کہ :

......چون تعقیب کردم و بہ جستجو پرداختم، مصباح الارواح حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی شاعر و عارف قرن نہم و اوائل قرن دہم ہجری را یافتم کہ در ۸۶۸ھ سرودہ شد و خود مصنف در ۹۴۲ھ در گزشتہ است'' ۔

ڈاکٹر سجادی کے سامنے پیرس کے نسخے کا عکس ہے (بلوشیے ۱۷۵۷) جس کے اختتام پر کاتب نے لکھا ہے—''رسائل منثور و منظوم فضل اللہ جمالی اردستانی دہلوی در گزشتہ ۹۰۱......'' مضمون نگار نے افسوس ہے کہ مثنوی کو پڑھ کر اندرونی شہادتوں سے استفادہ نہیں کیا بلکہ نہایت سرسری استفادہ کی بنا پر اس کو جمالی دہلوی کے نام جڑ دیا ہے ۔ اگر مصنف کی عمر ایک سو برس کی ہوتی تو بھی جمالی دہلوی تصنیف کرتے وقت ۲۵ برس کی عمر کے ہوتے اور اس قسم کی مذہبی ، اور عرفانی افکار کو نظم میں بیان کرنے کے لیے ۲۵ برس کی نوجوانی بہت کم ہے گویا اس مثنوی کو تصنیف کرنے (۸۶۸ھ) کے بعد بھی ۷۵ برس (۹۴۲ھ) جمالی جیے ہیں -

اولاد نہیں ہوتی تھی ، وہ دعا طلبی کے لیے خدا رسیدہ بزرگوں کی تلاش میں رہتا تھا ۔ بدخشاں کے پہاڑوں میں ایک بزرگ کا پتہ چلا اور بادشاہ وزیروں کے ساتھ ان کی خدمت میں پہنچا اور مدعا بیان کیا ۔ درویش نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور بادشاہ کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ماہ رکھا گیا ۔

شہزادے ماہ نے سن بلوغ کو پہنچ کر ایک رات شہزادی مہر کی شبیہ خواب میں دیکھی اور ہزار جان سے اس پر فدا ہو گیا ۔ صبح ہی سے اس کی کیفیت دگرگوں ہو گئی ۔ آہ و زاری میں وقت بسر ہونے لگا ۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن شاہزادے نے کچھ نہ بتایا ۔ مجبور ہو کر بادشاہ نے اس درویش کی طرف رجوع کیا ۔ درویش نے غور و فکر کے بعد وزیر کو واقعہ بتایا اور شاہزادی مہر کے باپ بہرام بادشاہ کا نام اور اس کے دارالسلطنت مینا کا نشان پتہ وغیرہ دیا ۔ وزیر نے شاہزادے اور اپنے بیٹے عطارد جس کو شاہزادے کے ساتھ مہر کی تلاش میں جانا تھا ، کامیابی اور خیر سلامتی کی درویش سے دعا طلب کی ۔ درویش نے کامیابی کا یقین دلایا ۔

بادشاہ نے ایک نقاش کو بلا کر شاہزادی مہر کے خد و خال کے مطابق جو درویش نے بتائے تھے اس سے ایک تصویر بنوائی ۔ جب تصویر سامنے آئی تو شاہزادے نے دوئی کے اندیشے سے اسے چاک کر ڈالا ۔

شاہزادہ ماہ ، عطارد کی ہمراہی میں لاؤ لشکر لے کر اپنے گوہر مقصود کی تلاش میں نکلا ۔ ساحل سمندر پر پہنچ کر کشتیوں میں آگے روانہ ہو گیا ۔ راستے میں ایک دن قیامت کا طوفان آیا کشتیاں الٹ پلٹ ہو گئیں ۔ سارا قافلہ سمندر میں منتشر ہو گیا ۔ شاہزادہ اتفاق سے ایک تختے کے سہارے بڑی مصیبتیں جھیلتا ہوا ساحل تک پہنچ گیا ۔

خشکی پر چلتے چلتے ماہ کوہ قاف تک جا پہنچا ، جہاں ایک مجذوب سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ وہاں اچانک ایسی طوفانی بارش شروع ہو گئی کہ شہزادہ ماہ اس کے سیلاب میں بہہ گیا ۔

وزیر زادہ عطارد طوفان سے رہائی پا کر ایک ہولناک دشت میں پہنچا جہاں سرگرداں آوارہ پھرتے پھراتے ایک قلعہ میں پہنچ گیا جس کا نام طربلوس تھا ۔ قلعہ پر ایک دیو کا قبضہ تھا جس کی دہشت ناکیوں کے واقعات سن کر عطارد

کے حواس خطا ہو گئے ۔ عطارد اس حالت میں حیران و پریشان تھا کہ اتنے میں شہزادہ ماہ بھی پھرتے پھراتے وہیں پہنچ گیا ، مدتوں کے بچھڑے یوں اچانک ایک دوسرے سے مل گئے اور فی الحال اس خوشی میں ساری تکلیفیں اور کلفتیں بھول گئے ۔

طربلوس کے اس دیو کو آخر کار ماہ اور عطارد مل کر مار دیتے ہیں اور طربلوس پر ماہ کا قبضہ ہو جاتا ہے ۔ شاہزادی سہر کے باپ بہرام کو جب معلوم ہوا تو اس نے اپنے وزیر سعد اکبر کو ایسے بہادر کو دیکھنے کے لیے بھیجا ۔ وزیر ماہ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا ۔ اور واپس پہنچ کر اپنے بادشاہ بہرام سے اس کی بہادری اور حسن و جمال کے اوصاف بیان کیے ۔ شاہزادی سہر جو یہ سن رہی تھی ، وہ ماہ پر غائبانہ عاشق ہو گئی ۔

شاہزادی سہر کی بیقراری کا حال جب سعد اکبر کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے خادم شہاب کے ذریعے ماہ کو پیغام بھیجا ۔ ماہ نے عطارد کو ساتھ لیا اور ایک خاص باغ میں پہنچ کر شاہزادی سے ملاقات کی ۔ کیوان نامی ایک بد طینت مخبر نے یہ واقعہ دیکھ لیا اور بہرام تک اس کی اطلاع پہنچا دی ۔ بہرام نے سعد اکبر کو مواخذہ کے لیے بلایا ۔ ماہ وہاں سے اپنے ملک طربلوس چلا گیا ۔

اس دوران میں روم کے بادشاہ اسد شاہ نے شہزادی سہر کے حسن و جمال کا شہرہ سنا اور اس پر عاشق ہو کر بہرام شاہ کو رشتہ کے لیے پیغام بھیجا ۔ اور ساتھ ہی عدم کامیابی کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی ۔ بہرام شاہ رشتہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا ، اس لیے شاہزادے ماہ سے مدد لے کر میدان جنگ میں آ گیا ۔ حریف نے شاہزادے ماہ کے ہاتھوں شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا ۔ غلامی کی مہر لگوا کر جان بخشی کرائی اور مطیع ہو گیا ۔

اس فتح کے بعد بہرام شاہ نے شہزادی سہر کی شادی شاہزادے ماہ کے ساتھ کردی ۔ ماہ اپنی دلہن کو لے کر طربلوس چلا گیا ۔

فصل بہار آنے کے ساتھ طربلوس میں شادی کے جشن منانے کی تیاریاں ہو گئیں ۔ عین جشن کے دن خضر نے شاہزادہ ماہ کو ان کے والد کی وفات کی خبر دی ۔ اس اچانک خبر نے شاہزادے کو اتنا صدمہ پہنچایا کہ شہزادہ وہیں بے ہوش ہو کر گرا اور دم دے دیا ۔ شادی کا جشن ماتم میں تبدیل ہو گیا ۔ عطارد نے

شاہزادے کو اسی باغ میں دفن کر دیا اور خود سوگ کرنے لگا۔
مہر کے لیے یہ قیامت تھی۔ چنانچہ صدمے کی تاب نہ لا کر آخر چند روز کے بعد اس نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کرکے رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ ماہ کی قبر شق ہوئی اور مہر اس کے آغوش میں چلی گئی۔ جب یہ حادثہ ہو گیا، اس وقت شاہزادے کے ساتھیوں کی دنیا تاریک ہو گئی۔ چنانچہ سب نے اسی باغ میں زندگی پر موت کو ترجیح دے دی۔
قصے کے عمومی خدو خال یہ ہیں۔ قصہ بظاہر عام روش کا ہے لیکن جمالی نے اس میں تصوف کے رموز و نکات کے رنگ بھرے اور عشق مجازی میں عشق حقیقی کی نقش بندی کرکے ایک طرف قصہ کو بامعنی کر دیا ہے اور دوسری طرز بیان استادی کا کمال دکھایا ہے۔

۹ - خاتمہ کلام

شیخ جمالی دہلوی کے سلسلہ میں یہاں پاکستان میں جتنا کچھ مواد فراہم ہو سکا، میں نے اس کو پڑھ کر جمالی کے سوانح اور آثار پر یہ صفحات مرتب کیے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہندوستان یا دنیا کے دوسرے کتب خانوں میں اور بھی ماخذ موجود ہوں جن کا نہ مجھ کو علم ہے اور نہ اس پر دسترس:

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

آئندہ ممکن ہے جمالی کے حالات میں اور بھی اضافہ ہو سکے اور ناممکن نہیں کہ زندگی کے کچھ نئے گوشوں سے پردہ اٹھے۔
ان اوراق کے بعد جمالی کی کتاب 'سیرالعارفین' کا اردو ترجمہ آپ کی نظر سے گزرنے والا ہے۔ یہ ترجمہ میرے دوست محمد ایوب قادری صاحب نے کیا ہے۔ بحیثیت مترجم انھیں سب ہی جانتے ہیں کہ وہ نہایت ہی مستند اور ترجمہ مطابق اصل کرنے والے دانشور ہیں۔ ان کا ترجمہ اہل تحقیق کو اصل کتاب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔
اردو میں اکثر تراجم غلط اور ناقص ہو رہے ہیں جو بجائے خود ایک المیہ ہے۔ محمد ایوب قادری صاحب نے اردو میں ترجمہ کا ایک خاص نہج پیدا کیا ہے۔ جسے ہر مترجم کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔

'سیر العارفین' کے اس ترجمہ میں حسب دستور قادری صاحب نے مفید حواشی اور مستند اضافے کیے ہیں جس سے اصل کتاب کی قیمت اور حیثیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

مرکزی اردو بورڈ نے اگر اسی طرح تراجم کا سلسلہ جاری رکھا تو مجھے یقین ہے کہ اردو کا دامن کسی نہ کسی دن ان علمی خزانوں سے جو اردو والوں کی نظر سے پوشیدہ ہیں، مالا مال ہو جائے گا۔ مرکزی اردو بورڈ یقیناً اپنی اس قابل قدر خدمت کی وجہ سے مبارکباد کا مستحق ہے۔

حسام الدین راشدی

خیابان جمشید

۳۶/۵ عامل کالونی - ۲

کراچی - ۵

۵ جولائی ۱۹۷۵ء

سیر العارفین مترجم[1]

۱۳۹۵ھ

---

۱ - "سیر العارفین مترجم" سے ۱۳۹۵ھ برآمد ہوتے ہیں جو اردو ترجمہ کا سال ہے -
(محمد ایوب قادری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ مؤلف

وہ تعریف کہ جو نیکی کے دروازے ، عبادت کرنے والوں پر کھولتی ہے اور وہ شکر جو صحرائے طلب کے سرگشتہ لوگوں کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے خاص اس ذات واجب الوجود (باری تعالیٰ) کے لیے ہے کہ جس نے اپنی عنایت کے حوض کے آب زلال سے اصحاب نبوت و ولایت کے اجسام و ارواح کے باغ کو سینچا اور اپنی ہمراہی و رازداری کے خلعت سے نوازا اور ان کے مزاج و فطرت کی کتاب کو

تخلقوا باخلاق اللہ — اللہ کے سے اخلاق پیدا کرو

کے حاشیے سے سنوارا ۔ اور فرائض و نوافل کے قرب کے اعزاز کے نقش و نگار سے آراستہ کیا ۔

سبحان اللہ عما یصفون ۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے ، جو یہ بیان کرتے ہیں

وہ بغیر کسی علت کے معبود ہے اور وہ بغیر کسی قلت کے (ہرجگہ) موجود ہے اور تمام اعداد (مخلوق) کا رجوع اس کے نقطۂ احدیت کی جانب ہے اور تمام افراد کا حساب اس کے فرد ہونے کے ذکر میں ہے

الواحد الفرد الذی لا یحتسب — اوصافہ بنہایۃ الاعداد

وہ ایسا واحد و یکتا ہے کہ جس کے اوصاف کا حساب اعداد و شمار کی انتہا میں نہیں آسکتا ہے

فرد ولکن لیس من افرادنا — احد ولکن لیس کالاحادنا

وہ یکتا ہے لیکن ہماری طرح یکتا نہیں — اور ایک ہے لیکن ہمارے جیسا ایک نہیں

بے انتہا درود ان حضرت محمود (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کہ جو مملکت لولاک کے صاحب تاج سلطان ہیں اور شرع کے راستوں کے لیے دلیل انوار ہیں ۔

شہدالنجوم علیٰ جلالۃ قدرہ — واعلی الکواکب بدرہ تعظیما

ستارے ان کی جلالت قدر کے شاہد ہیں — اور ستاروں نے اس ماہ (کامل) کی عظمت کو بلند کیا

نادی ملایکہ بسماء منادیا — صلوا علیہ وسلموا تسلیما

ملائکہ نے آسمان میں منادی کی — کہ ان پر درود و سلام بھیجو

کنت نبیا و آدم بین الماء والطین — میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم آب وگل میں تھے

ان کی نسبت کا نشان ہے

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ — میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت خاص ہے

ملک مقرب ولا نبی مرسل — کہ جس میں کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجایش نہیں

ان کی قربت کا بیان ہے۔ عرش اعظم ان کی قدر و منزلت کے آستانے کا فرش ہے اور

قاب قوسین او ادنیٰ — دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم ان کا نشان ہے

رسولے کہ عرش آمدش آستانہ — و ما کان شمس ولا زمہریرا

اور وہ ذات گرامی حضرت محمد ہیں ان پر، ان کی آل، ان کے اصحاب سب پر اللہ کا درود و سلام ہو۔

اس کے بعد اہل اللہ کا معتقد حامدبن فضل اللہ، جو بارگاہ خداوندی کا امیدوار ہے اور درویش ”جمالی“ کے عرف سے معروف ہے (اور وہ)[۲] عارفان باللہ کے راستوں کی خاک اور صاحبان نعمت کے خوانوں کا بھکاری ہے، عرض کرتا ہے کہ جب یہ احقرالانام (جمالی) زمانہ دراز کے بعد اللہ کے کرم سے بیت اللہ، روضہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی زیارات اور زمین مغرب (افریقہ)، یمن، بیت المقدس، روم، شام، سیربالخیر، عراق عرب، عراق عجم، آذربائیجان، گیلان، مازندران اورخراسان کے سفر سے واپس ہوا اور ہندوستان کے

دارالخلافہ یعنی شہر پر نور و سرور حضرت دہلی، اللہ اس کی بنیادوں کو مضبوط اور وہاں کے رہنے والوں کو محفوظ رکھے ، پہنچا کہ جو مشہور مقام اور اس درویش (جمالی) کا وطن مالوف ہے اور اپنا گندھک جیسا زرد چہرہ کہ جو مسافرت کی گرد سے آلودہ تھا ، اپنے پیر دستگیر حضرت سلطان المحققین برہان العارفین شیخ سماءالملت والدین کی فرحت افزا خاک پاء سے ملا اور خدا تعالیٰ کی اس نعمت جاودانہ کا شکر ادا کیا جو حضرت (شیخ سماء الدین) کی معیت سے میری پریشان طبیعت کو سکون کی صورت میں حاصل ہوا ۔ میں رات اور دن ، ظاہر اور پوشیدہ جناب مخدومی (شیخ سماء الدین) کی خدمت میں حاضر رہتا اوز حضرت کی برکتوں سے انوار سعادت حاصل کرتا ۔

شعر

ز تاثیر قبول صحبت پیر   بمقبولی زمین و آسمان گیر

گہے ہم کسوتاں راگشتہ رہبر   گہے ہم صحبتاں را روح پرور

میں بعض ارباب سیرت واہل بصیرت کے روبرو کہ جو اہل اسلوب و قلوب تھے ان انبیاء و اولیاء کے مقامات بابرکات کا ذکر کرتا کہ جن کی اس احقرالانام (جمالی) نے بیت المقدس اور شام وغیرہ میں زیارت کی تھی اور اہل اعتقاد و ارباب اتحاد سے کہ جو راہ دین کے سالک اور طریق یقین کے طالب ہیں ، (واقعات) بیان کرتا اور (اس ذکر سے) ان ارباب اتحاد و اعتقاد کے قلوب کو سرور حضور (کی کیفیت) بہم پہنچاتا اور ان کی محبت و مؤدت کا بیج حاضرین کی زمین استعداد و اعتقاد میں بوتا ۔

اکثر اہل صدق و صفا نے جو مہر و وفا کے ساتھ راہ طلب میں درست وراست قدم رکھتے تھے نہایت عاجزی سے باصرار مجھ سے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنی مسافرت کے دل چسپ حالات اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی بابرکت زیارات کی کیفیات کہ جن سے تم مشرف ہوئے ہو ، ضبط تحریر میں لاؤ اور ان عارفانِ اہلِ ولایت اور عالی درجات کے احوال کہ جن کی زندگی میں ان سے ملے ہو اور ان کی بابرکت صحبت سے فیضیاب ہوئے ہو، قلم بند کرو تاکہ سچے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو نعمتِ ابدی اور سرمدی حاصل ہو ۔ اور حاضر و غائب کو پورا پورا حصہ ملے ۔

میں نے کہا اے دینی دوستو اور حقیقی محبو ! مجھے عزیزوں کی التماس قبول

ہے مگر یہ گفتگو کہ جس کا ذکر اذکار ہوتا ہے اور جس کو وہ چاہتے ہیں، ضبط تحریر میں نہیں آ سکتی کیونکہ اس کے لکھنے کے لیے بڑا وقت چاہیے تاکہ یہ سرگزشت مکمل ہو سکے لہذا مجھے منظور رکھیے لیکن میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ان عارفان اہل کمال کے حالات [۲] و واقعات اور اعمال و افعال و اقوال کہ جو ملک ہندوستان میں اللہ، اس کے سواد کو روشن فرمائے، صاحب کرامات گذرے ہیں، قلم بند کروں۔

بیت

کز قدوم شان مثال بوستان جنت الماوی شدہ ہندوستان

اور ان بزرگان دین اور رہبران طریق کی کرامات، مقامات اور درجات کو ضبط تحریر میں لاؤں۔ وجہ یہ ہے کہ ان بزرگان اہل کمال کے احوال، واقعات اور طریقوں کے متعلق بعض جاہل مجاور اور نااہل معتقد ناواقف عوام الناس سے مختلف خلاف واقعہ باتیں بیان کرتے ہیں (اور اپنی اس تحریر سے) ان سننے والوں کو جو بغیر ثبوت کے مبہوت ہو جاتے ہیں اور ان کی گفتگو پر اعتقاد کر لیتے ہیں، باز رکھوں۔ اور جو کچھ مجھے سنجیدہ و متین اہل اخبار اور دین و دانش کی پاک کتاب سے یقینی طور سے معلوم و مفہوم ہوا ہے اس کو تحریر میں لاؤں۔

جب اہل الناس نے اس احقر الناس (جمالی) کی باتوں کو سنا تو نہایت رغبت اور خوش دلی سے قبول کیا اور اس کے امیدوار ہوئے (اور کہا) کہ یہ بات محض خدا تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے اس کو جلد لکھنا چاہیے تاکہ اس تحریر کی سیاہی کا سرمہ اہل بصیرت کی آنکھوں کے نور کو بڑھائے۔ اس بنا پر جو کچھ مجھے معلوم تھا اور جو کچھ (بطور یادداشت) لکھ رکھا تھا اس سب کو (بصورت کتاب) تحریر میں لایا اور میں نے اس مجموعہ معرفت کا نام جو عارفان صاحب کمال کی صورت و سیرت اور احوال و اعمال پر مشتمل ہے۔ ''سیرالعارفین'' رکھا تاکہ ذکر و اذکار کے ملاحظے کی برکت سے پڑھنے والوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب، نعمت عظیم اور دولت مستقیم حاصل ہو اور اس کتاب کے مؤلف (جمالی) کو ان نکات (معرفت) کے برکات سے خدا تعالیٰ دنیا و عقبیٰ میں نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

الحمد للہ کہ یہ خوش انجام کتاب بہت دنوں میں بادشاہوں کی اعلیٰ جائے پناہ، عالم آب و گل کے سلطان، دین و دنیا کے علم بردار، ملک و ملت کی

نشانیوں کو زینت دینے والے ، کائنات عالم میں یگانی طرز سے شاہان عرب و عجم میں منتخب ، سربلندی کی جنت میں مثل طوبیٰ اور صورت و معنی کے بادشاہ حضرت محمد ہمایوں بادشاہ غازی کے عہد سلطنت میں تکمیل کو پہنچی ، اللہ تعالیٰ ان کی سلطنت و مملکت کو قیامت تک مسلمانوں کے سروں پر قائم و دائم رکھے ،

مثنوی

این نور عوالم عجائب | بینا کن حاضر است و غائب
اخبار وجود اہل حال ست | آثار شہود لا یزال ست
در خانہ دل چراغ نور است | نا قابل ازین چراغ دور است
آنہا کہ ہنوز سر بجیب اند | پنہان بسر اوقات غیب اند
آن لحظہ کہ در ظہور آیند | از ظلمت خود بنور آیند
چو دور دہد زمان ایشان | این نور فتد ضمان ایشان[۴]

سلطان المشائخ خواجہ معین الدین حسن سجزی قدس سرہ

آں شہنشاہ جہان معرفت	ذات او بیروں ز ادراک و صفت
خسرو ملک آفتاب تخت و تاج	از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا	از خودی بیگانہ باحق آشنا
کردہ مرغ ہمتش زاوج کمال	بیضہ افلاک را در زیر بال
اختر برج سپہر لم یزل	گوہر درج کمال بے بدل
آں معین الدین ملت بے نظیر	فارغ از دنیا بملک دیں امیر
در ثنائے او جیالی را چہ حد	فیض او باید کہ فرماید مدد

وہ معدن تحقیق کے گوہر، دریائے تصدیق کے موتی، انوار معرفت کے آفتاب، گلزار مشیخت کے عرعرا اور تخت سرمدی کے سرور تھے۔ ان کا اسم گرامی خواجہ معین الملت و الدین محمد محبوب اللہ قدس اللہ سرہ ہے۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے مشائخ میں مشہور و معروف تھے اور بزرگوں کے حلقے میں اللہ کی صفات (عطائی) سے موصوف تھے اور ہندوستان کے تمام قطب اور غوث، حضرت خواجہ بزرگؒ کے حلقہ بگوش تھے۔

ابتدائی حالات

وہ سجستان میں پیدا ہوئے[2] اور شہر خراسان میں نشو و نما ہوئی[3]۔ ان کے پدر

۱۔ سرو کوہی۔

۲۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی تاریخ ولادت اور وصال میں خاصا اختلاف ہے۔ وحید احمد مسعود مؤلف ''سوانح خواجہ معین الدین چشتی'' نے تمام ماخذ کو پیش نظر رکھ کر ۵۳۰ھ کو سال ولادت قرار دیا ہے (ص ۷۵)۔

۳۔ حضرت خواجہؒ کے مولد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ وحید احمد مسعود لکھتے ہیں ''حضرت والا کی جائے ولادت سیستانی سنجر تھا اور اسی پر اجتماع بھی ہے۔ عربی داں حضرات کا سجستان کے اس قصبہ سنجر کو ''سجز''—

بزرگوار خواجہ غیاث الدین حسن نہایت نیک طبیعت انسان تھے اور وہ انتہائی پرہیزگار شخص تھے ۔ جب انھوں نے وفات پائی اور ملائے اعلیٰ کو کوچ فرمایا تو اس وقت خواجہ بزرگ کی عمر پندرہ سال کی تھی اور وہ ایک پن چکی اور باغ کے مالک تھے اور اسی سے بسر اوقات ہوتی تھی ۔

ابراہیم قندوزی مجذوب سے ملاقات

وہیں ایک مجذوب تھے، ان کو ابراہیم قندوزی کہتے تھے۔ اتفاق سے ان کے باغ میں ان کا گزر ہوا، حضرت خواجہ بزرگ پیڑوں کو پانی دے رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ درویش قندوزی آ رہے ہیں ۔ وہ دوڑے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور درختوں کے سایے میں بٹھایا ، انگوروں کا گچھا ان کے سامنے رکھ دیا اور خود دو زانو ہو کر با ادب ان کے سامنے بیٹھ گئے ۔ درویش ابراہیم قندوزی نے اپنی بغل سے تھوڑی سی کھلی نکالی ۔ دانتوں سے چبائی اور اپنے منہ سے نکال کر اپنے ہاتھ سے حضرت خواجہؒ کے منہ میں ڈال دی ۔ جیسے ہی انھوں نے وہ کھلی کھائی کہ ایک نور ان کے اندر روشن ہو گیا ، بس ان کا دل پورے طور سے املاک اور گھر کی جانب سے ہٹ گیا[1] ۔

سمرقند و بخارا کا سفر اور عثمان ہرونی سے ملاقات و بیعت

حضرت خواجہ نے دو تین روز کے بعد املاک و اسباب فروخت کرکے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور مسافرت اختیار کی ۔ وہ ایک زمانے تک سمرقند و بخارا میں رہے ۔ قرآن کریم حفظ کیا اور ظاہری علم پڑھا ، پھر وہاں سے عراق عرب کی جانب رخ کیا ۔ جب وہ قصبہ ہرون[2] پہنچے کہ جو نیشاپور کے نواح میں ہے تو حضرت شیخ الشیوخ غوث العالم عثمان ہرونیؒ[3] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً دو ڈھائی سال ان کی خدمت میں رہے ۔ ریاضت و مجاہدہ میں سخت کوشش کی ۔ جب وہاں کا

کہنا صحیح ہے لیکن ترکوں نے سنجرستان کے اس قصبے کو "سجر" کہا تو غلط نہیں کہا ۔" ص ۸۷ ۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو: سیر الاقطاب ص ۱۰۱ ، تاریخ فرشتہ ۲ : ۳۷۵ ، اکبر نامہ ، ۲ : ۱۵۴ ، علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ، ۲ : ۸۹ - ۹۰ ۔ معین الارواح ، ص ۹ ۔

۱ ۔ خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۲۵ ۔

۲ ۔ خیرالمجالس (نظامی ایڈیشن) ص ۵۲ ۔

۳ ۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی المتوفی ۶ شوال ۶۱۷ھ ۔

کام البلد کو پہنچ گیا تو حضرت غوث العالم خواجہ عثمان المنی سرہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[1]

شیخ عبدالقادر جیلانی سے عقیدت

وہاں سے رخصت ہوئے اور بغداد جانا چاہا ۔ قصبۂ سنجار[2] آئے ، اس زمانے میں شیخ نجم الدین کبریٰ[3] وہاں تھے ، ان سے ملے اور تقریباً ڈھائی مہینے ان کی صحبت میں رہے پھر وہاں سے قصبہ جیل آئے ۔ حضرت شیخ المشائخ[5] غوث الصمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلی[4] قدس سرہ سے ملے ۔ حضرت اس زمانے میں قصبہ جیل[5] میں تھے اور جیل ایک پرفیض مقام ہے ۔ وہاں کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے ۔ یہ قصبہ کوہ جودی کی وادی میں واقع ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ٹھہری تھی ، چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے :

واستوت علی الجودی اور وہ کوہ جودی پر ٹھہر گئی

یہ فقیر (جمالی) بھی بغداد سے اس قصبے میں پہنچا ہے ۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت سلطان الاولیاء محبوب سبحانی غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلی

---

١ ـ سیر الاقطاب ، ص ١٠٢ ـ وحید احمد مسعود کا خیال ہے کہ بیعت ٥٥٨ھ میں ہوئی ـ (سوانح خواجہ معین الدین چشتی ص ٨٨) ، مؤلف معین الارواح کا خیال ہے ـ ٥٦٢ھ میں بیعت ہوئی (ص ٢٢) ـ

٢ ـ سنجار پہاڑی مقام ہے ، موصل سے ڈھائی گھنٹے کا راستہ ہے (معین الارواح ص ٢٧) بزم صوفیہ (ص ٣٠) میں یہ مقام ''سنجان'' لکھا ہے ـ

٣ ـ ٦ جمادی اول ٦١٠ھ کو شہید ہوئے ـ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ، ص ٩٤ ـ ٩٦ ، خزینۃ الاصفیاء ، ص ٢٥٩ ـ ٢٦٠ ، نفحات الانس ، ص ٣٧٧ ، مناقب الاصفیاء ، ص ١١٢ ـ ١١٣ ـ

٤ ـ المتوفی ٥٦١ھ/١١٦٦ع ـ

٥ ـ خادم حسن مؤلف معین الارواح لکھتے ہیں کہ قصبہ جیل غلط ہے ، قصبہ جبل صحیح ہے ـ یہ مقام جبل جودی البرزکی ایک چھوٹی پہاڑی ہے ـ یہ موصل سے ٣٥ میل اور بغداد سے براہ راست اس کا فاصلہ ١٨٠ میل ہے اور براہ دجلہ دو سو میل ہے ـ فرشتہ (اردو ترجمہ ٢ : ٥٧٠) اور روضۃ الصفا نے بھی جبل جودی لکھا ہے (معین الارواح ، ص ٢٨) ـ

نے اس قصبہ کی زمین کو خرید کر وقف علی الاولاد کر دیا ہے ، چنانچہ ان کی پاک طینت اولاد اور سجادہ نشین اس قصبے میں رہتے ہیں اور حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادرؒ کا مقبرہ مطہرہ بغداد میں ہے اور بغداد سے قصبہ جیل سات دن کی مسافت پر ہے -

حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ نے حضرت سلطان المشائخ محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر قدس سرہ سے ملاقات کی اور ستاون روز[1] ان کی صحبت میں رہے اور طرح طرح کے علوم باطنی اور تسکین روحانی ان کی صحبت سے حاصل کیے۔ چنانچہ اب بھی حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کا حجرۂ متبرکہ اسی مبارک مقام پر ہے اور لوگ اس کی مرمت کرتے رہتے ہیں - یہ فقیر بھی اس جگہ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے اور وہاں دوگانہ پڑھ چکا ہے -

بغداد کا سفر

ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے بعد خواجہ معین الدین قدس سرہ بغداد آئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الملت[2] و الدین کے پیر حضرت شیخ المشائخ شیخ ضیاء الدین[3] قدس سرہ سے ملاقات کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے - اس زمانے میں شیخ اوحد الدین کرمانی[4] بغداد میں سلوک کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے - حضرت مولانا جلال الملت و الدین صاحب[5] مثنوی کے خلیفہ شیخ حسام الدین[6] چلپی سے منقول ہے کہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ نے خرقۂ خلافت شیخ المشائخ خواجہ معین الدین قدس سرہ سے حاصل کیا اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بھی ابتدائی زمانے میں حضرت خواجہ بزرگؒ کی صحبت میں رہے

---

۱ - اقتباس الانوار ، ص ۳۴ ، اور مراۃ الاسرار میں پنج ماہ اور ہفت روز لکھا ہے (معین الارواح ، ص ۲۹) -

۲ - شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی غرہ محرم ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ع -

۳ - شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی (۴۹۰ھ تا ۵۶۳ھ) - ان کی کتاب آداب المریدین مشہور ہے -

۴ - اوحدالدین کرمانی (ف ۶۳۴-۵ھ) کے لیے دیکھیے نفحات الانس ص ۳۸۶ - ۳۸۷، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۲۶۵ -

۵ - مولانا جلال الدین رومی المتوفی ۶۷۲ھ ، نفحات الانس ص ۲۹۹ - ۳۰۲ -

۶ - ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۰۵ - ۳۰۶ -

اور درجۂ کمال کو پہنچے -

ہمدان و تبریز کا سفر

شیخ حسام الدین چلپی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ المشائخ معین الدین بغداد سے ہمدان آئے اور شیخ یوسف ہمدانی سے ملے[1] وہاں سے تبریز کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر حضرت شیخ المشائخ ابو سعید تبریزی سے ملے [٦] وہ ایک عالی ہمت مجرد اور متوکل بزرگ تھے -

حضرت سلطان الاولیاء شیخ نظام الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت ابوسعید تبریزی کے ستر کامل مرید مثلاً شیخ جلال الدین تبریزیؒ تھے -

ریاضت و فقر

حضرت سلطان المشائخ شیخ فریدالملت و الدین قدس سرہ سے روایت ہے اور وہ اپنے پیر حضرت قطب الملت و الدین بختیار اوشیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ملک المشائخ و الاولیاء خواجہ معین الدین سجزیؒ کا ریاضت و مجاہدہ عجیب تھا - سات روز کے بعد روٹی کے کناروں سے جن کی مقدار پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتی تھی ، پانی میں بھگو کر افطار کرتے تھے -

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت کا لباس دوہرا سلا ہوا بغل بند (دوتائی) ہوتا ، اگر کسی جگہ سے پھٹ جاتا تو پاک کپڑے کے ٹکڑے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہوتا ، سی لیتے اور اس میں پیوند لگا لیتے - اوش سے جب اسپہان (اصفہان) آئے تو حضرت شیخ محمود اسپہانی سے جو بزرگ مشائخ میں سے تھے ، ملاقات کی -

اس زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین احمد ابن موسیٰ اوشی ، اوش میں تھے جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ[2] ہے اور وہ چاہتے تھے کہ شیخ محمود کے مرید ہو جائیں - جب وہ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ سے ملے اور حضرت خواجہ

---

۱ - باختلاف روایت شیخ یوسف ہمدانی کا انتقال ۵۳۵ھ یا ۵۳٦ھ میں ہوا ہے (مسالک السالکین ۲: ۲۷٦ ، تذکرۃ العابدین ص ۱۰٦ - ۱۰۷، معین الارواح ص ۱۷) - لہذا ممکن ہے کہ حضرت خواجہ نے ان کے مزار کی زیارت کی ہو -

۲ - صولت افغانی (ص ۱۹۳) کے مطابق یہ قصبہ مضافات بغداد سے ہے - ایک قصبہ اوش ماوراء النہر میں ہے جو بدخشاں کے شمال میں ہے اور اصفہان سے اس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل ہے (معین الارواح ص ۲۵ و ۳۱) -

کو دوتائی اوڑھے ہوئے دیکھا تو شوق قلبی سے خواجہ صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مرید ہو گئے چنانچہ خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو وہ دوتائی مرحمت فرمائی اور قطب صاحب نے وفات کے وقت وہ دوتائی اپنے سجادہ نشین حضرت فریدالدین مسعود کو مرحمت کی۔

حضرت قطب صاحب کے وصال کے وقت شیخ فریدالدین وہاں موجود نہ تھے ؛ اس وجہ سے شیخ محمد عطا حمیدالدین ناگوری کو وصیت کی کہ یہ دوتائی شیخ فریدالدین کو سپرد کر دیں جو اس وقت ہانسی میں تھے ۔ حضرت نظام الدین قدس سرہ فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس پیوند لگی ہوئی دوتائی کو دیکھا تھا ۔ ممکن ہے کہ آخر میں وہ ان (نظام الدین اولالیاء رح) ہی کے پاس پہنچ گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

خواجہ بزرگ ، اللہ کے محبوب ہیں

سنا گیا ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ نے حضرت شیخ عثمان ہرونی قدس سرہ سے خرقہ (خلافت) پایا تو وہ باون (۵۲) سال کے تھے ۔ خواجہ بزرگ خوب عبادت و ریاضت کرتے تھے اور آزاد پیر تھے، تن تنہا سفر کرتے ۔ جس جگہ پہنچتے اکثر قبرستان میں قیام کرتے ۔ وہ روزانہ قرآن کریم ضرور ختم کرتے اور جس جگہ ان کی تھوڑی سی بھی شہرت ہو جاتی یا کوئی شخص ان کے حالات سے واقف ہو جاتا تو وہاں سے اس طرح سفر کرتے کہ کوئی شخص (ان کے حال سے) واقف نہ ہوتا چنانچہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے بارہا اپنی زبان مبارک سے ذکر کیا کہ ہمارا معین الدین، محبوب اللہ (اللہ کا محبوب) ہے اور ہم اس کی مریدی پر فخر کرتے ہیں [۷] ۔ حضرت شیخ عثمان ہرونی کو ان سے بہت محبت تھی ۔ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ ان سے رخصت لے کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

شیخ عثمان ہرونی رح کا آتش پرست کے بچے کو آگ سے نکالنا

کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ المشائخ شیخ عثمان قدس سرہ اس فرط محبت کی وجہ سے کہ جو وہ خواجہ بزرگ سے رکھتے تھے ، اپنے مقام سے منتقل ہوئے ۔ چند منزلوں کے بعد وہ ایک ایسے مقام[۱] پر پہنچے کہ جہاں آتش پرست رہتے تھے ۔ انھوں نے اپنا آتش کدہ بنایا ہوا تھا جس کو وہ روشن رکھتے ۔ اس کے اوپر اینٹوں کا ایک گنبد بنا لیا تھا ۔ تقریباً بیس گاڑی ایندھن مقرر تھا جو وہ روزانہ اس

---

۱ ۔ صاحب معین الارواح نے لکھا ہے کہ یہ مقام ''رے'' تھا (ص ۲۰ ۔ ۲۱) ۔

میں لگاتے تھے ۔
جب حضرت شیخ وہاں پہنچے تو قصبے سے کافی دور ایک درخت کے نیچے ٹھیرے ۔ حضرت کے پاس ایک ملازم تھا جس کا نام فخرالدین تھا ، اس کو انھوں نے بھیجا کہ کچھ آٹا اور آگ لائے اور افطار کے لیے روٹی تیار کرے ۔ فخرالدین اس گاؤں میں پہنچا ، اس نے کچھ آٹا خریدا اور آگ کے لیے اس آتش کدہ پر پہنچا اور چاہا کہ کچھ آگ لے ۔ وہاں بہت سے آتش پرست تھے ، انھوں نے اس کو آگ کے پاس نہ جانے دیا ۔ خادم واپس آیا اور سب حال بیان کیا ۔

حضرت شیخ جس درخت کے نزدیک ٹھیرے ہوئے تھے ، وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا ۔ انھوں نے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی اور اس آتش کدہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ جب وہ آتش کدہ کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ آتش پرستوں کا پیر لکڑی کے ایک تخت پر بیٹھا ہوا آتش کدہ کی طرف متوجہ ہے اور ایک لڑکا جو تقریباً سات برس کا تھا اس کی گود میں ہے اور اس آتش پرست کا نام مختیا[1] تھا ۔ جب حضرت شیخ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس آتش پرست سے پوچھا کہ اس آگ کو کیوں پوجتے ہو اور اس کے پوجنے سے کیا فائدہ ، خدا کی پرستش کیوں نہیں کرتے کہ آگ کو اس نے پیدا کیا ہے ؟ آتش پرست نے جواب دیا کہ ہمارے دین میں آگ ایک عظیم وجود ہے پھر اس کو کیوں نہ پوجیں ؟ حضرت نے جواب دیا کہ اتنی عمر تک تم نے صدق دل سے آگ کی پرستش کی کہ جو ایک اشارے میں ناپید ہو سکتی ہے ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم ہاتھ ، پاؤں اور منہ اس میں ڈالو اور وہ اس کو نہ جلائے ۔ آتش پرست نے جواب دیا کہ اس کا کام اور خاصیت جلا دینا ہے ، یہ کس کی ہمت ہے کہ اس کے نزدیک جائے ۔

جب حضرت شیخ نے آتش پرست کا جواب سنا تو جو بچہ اس کی گود میں تھا اس کو کھینچ کر آگ کی طرف دوڑے ۔ آتش پرستوں نے رونا اور چلانا شروع کیا ۔ انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر آیت

قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم ۔	ہم نے کہا کہ اے آگ تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا ۔

پڑھی ور آتش کدہ میں داخل ہو گئے ۔ تقریباً چار گھنٹے تک اس میں رہے ،

---

[1] ۔ نسخۂ اول میں اس کا نام موجود نہیں ہے (ص ۸)، آب کوثر (ص ۲۲۳) میں یہ نام مختار اور معین الارواح (ص ۲۱) میں مخیشا لکھا ہے ۔

آگ کی گرمی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا - وہ رونے پیٹنے کا شور سنتے تھے مگر اس جگہ سے ہلتے نہیں تھے - کئی ہزار آتش پرست اس آتش کدہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور شور کرنے لگے -

آتش پرستوں کا قبول اسلام

بہت دیر کے بعد وہ اس عظیم آتش کدہ سے باہر آئے - شیخ کے خرقے (گدڑی) اور اس لباس کو جو وہ بچہ پہنے ہوئے تھا ، دھواں بھی نہیں لگا - آتش پرستوں نے بچے سے پوچھا کہ وہاں کیا حال تھا ؟ اس بچے نے جواب دیا کہ میں نے وہاں سوائے گلزار [۸] کے کچھ نہیں دیکھا اور میں حضرت شیخ کے پاس تفریح کرتا رہا - جب آتش پرستوں نے بچے سے یہ بات سنی اور حضرت شیخ کا یہ کرشمہ دیکھا تو یکبارگی سب نے اپنے سروں کو حضرت شیخ کے قدموں پر رکھ دیا اور ان کے پیروں کی خاک پر گر پڑے اور ایمان لے آئے -

حضرت شیخ نے ایک مدت تک وہاں قیام فرمایا اور اس بڈھے کی جو ان کا پیر تھا تربیت فرمائی اور اس کا نام شیخ عبداللہ رکھا - چنانچہ شیخ عبداللہ اولیاء میں سے ہوا اور اس بچے کا نام ابراہیم رکھا جس کو آتش کدے میں لے گئے تھے - وہ بھی اہل ولایت میں سے ہوا - ان لوگوں نے اس آتش کدے کو منہدم کر دیا اور وہاں ایک اچھی عمارت بنوائی - شیخ عبداللہ اور شیخ ابراہیم کے مقبرے وہیں ہیں[۱] وہ بہت متبرک اور بڑا قبرستان ہے - یہ فقیر (شیخ جمالی) بھی وہاں پہنچا ہے اور تقریباً دو ہفتے وہاں رہا ہے ، بہت سا فیض ان سے حاصل کیا - جب وہاں کے لوگوں سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ عثمان قدس سرہ اس جگہ دو ڈھائی سال رہے - چنانچہ ان کی خانقاہ اور حجرہ وہاں موجود ہے -

تبریز و خرقان کا سفر

حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ تبریز سے میہنہ اور خرقان کی جانب آئے - حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی نے اسی سال رحلت فرمائی[۲] - حضرت شیخ (ابوسعید)

---

۱ - گلزار ابرار (ص ۳۸) میں شیخ ابراہیم اور عبداللہ کو رازی (یعنی ساکن رے متصل طہران) لکھا ہے - دیکھیے فرشتہ (اردو) ۲ : ۵۷۳ - ۵۷۵ ، مسالک السالکین ۲ : ۲۶۶ - ۲۶۷ ، معین الارواح ص ۱۹ - ۲۱ -

۲ - شیخ ابوالحسن خرقانی کا انتقال ۴۲۵ھ میں ہوا لہذا یہ بیان صحیح نہیں ہے - نفحات الانس ص ۱۹۱ -

ابوالخیر میہنہ میں تھے ، ان کی زیارت کی[۱] - کہتے ہیں کہ حضرت شیخ مذکور (خواجہ بزرگ) تقریباً دو سال اس نواح میں رہے اور وہاں سے استرآباد تشریف لائے اور حضرت شیخ ناصر الدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے ، وہ ایک عالی مرتبہ اور کامل بزرگ تھے - ایک سو سات سال[۲] کی ان کی عمر تھی - حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی اور حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نے شیخ ناصرالدین کی صحبت پائی تھی اور وہ (دونوں) شیخ مذکور کی مصاحبت اور محبت پر فخر کیا کرتے تھے اور شیخ ناصرالدین استرآبادی کا تعلق دو واسطوں سے حضرت سلطان العارفین شیخ طیفور بایزید بسطامی[۳] سے تھا چنانچہ میں (شیخ جمالی) نے بھی ان مشائخ کی (قبور کی) زیارت کی ہے اور اپنا زرد چہرہ ان کے آستانے کی خاک پر ملا ہے - حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ حضرت ناصرالملت و الدین قدس سرہ کی صحبت سے مشرف ہونے کے بعد استر آباد سے ہری (ہرات) کی جانب روانہ ہوئے اور ایک مدت تک اس نواح میں رہے - حضرت کی عادت تھی کہ ایک جگہ کم قیام کرتے تھے ، روانہ سیر کرتے اور اکثر حضرت شیخ عبداللہ انصاری[۴] کے مقبرے میں رات گزارتے - ایک درویش کے علاوہ کوئی اور شخص ان کی خدمت میں نہیں رہتا تھا - اغلب یہ ہے کہ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے اور برابر سیر (الی اللہ) میں رہتے -

خواجہ بزرگ کے دست مبارک پر یادگار محمد، حاکم سبزوار کی توبہ

جب وہاں زیادہ شہرت ہوگئی اور یکبارگی خدا کی مخلوق ان کی طرف متوجہ ہوئی تو حضرت سبزوار چلے آئے - وہاں محمد یادگار[۵] نامی ایک حاکم تھا جو درشت مزاج ، کثیف طبیعت ، فاسق اور رفض میں مشہور [۹] تھا - جناب رسول کریم

---

۱ - شیخ ابوسعید ابوالخیر کا انتقال ۴۴۰ھ میں ہوا (نفحات الانس ص ۱۹۶) متن میں " او را دریافت " لکھا ہے - نسخۂ اول میں اس کا ترجمہ "ملاقات کی" کیا گیا ہے -

۲ - نسخۂ اول میں ایک سو ستائیس سال لکھا ہے (ص ۹) دیکھیے معین الارواح ص ۱۸ و مسالک السالکین ۲ : ۲۷۲ -

۳ - بایزید بسطامی ، انتقال ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ -

۴ - شیخ عبداللہ انصاری ، انتقال ۴۸۱ھ -

۵ - آگے "یادگار محمد" لکھا ہے -

صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو برا کہتا اور جس کسی کا نام ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہوتا، ان کو سخت تکلیف پہنچاتا اور ان کی بربادی کے درپے ہو جاتا۔ شہر کے نزدیک اس کا ایک باغ تھا، وہاں اس نے ایک راحت افزا حوض اور پرتکلف عمارت بنوائی تھی۔ جب وہ اس جگہ آتا تو شراب اور عیاشیوں میں مشغول ہوتا۔

حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ جب سبزوار آئے تو پہلے ہی دن اس باغ میں داخل ہوئے اور اسی حوض میں غسل کیا جو اس باغ میں تھا اور دو رکعت نماز پڑھی اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوگئے۔ اتفاق سے اسی روز یادگار محمد اس باغ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس درویش نے جو حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ کے ساتھ تھا، شیخ سے دور سے عرض کیا کہ امیر کے فراش، باغ میں آ گئے ہیں، ان کے بعد وہ بھی آئے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ اس باغ سے باہر نکل آئیں کہ وہ ایک موذی اور ظالم شخص ہے۔ حضرت شیخ نے اس کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی اور اس سے فرمایا کہ اس سرو کے سایے میں بیٹھ جاؤ جو حوض کے قریب ہے۔

اسی اثنا میں یادگار محمد کے فراش آ گئے اور انہوں نے اس کا خاص غالیچہ حوض کے کنارے بچھا دیا اور شیخ کی دہشت اور بزرگی کی وجہ سے وہ ان کو وہاں سے نہ اٹھا سکے اور نہ منع کر سکے۔ اسی اثناء میں یادگار محمد آ گیا۔ حضرت شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ جب اس کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہوگیا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ حضرت شیخ کی بزرگی و شان کی وجہ سے اس کے تمام مصاحبوں اور ہم نشینوں پر دہشت چھا گئی اور اس نے لرزاں و ترساں غالیچہ کو دور پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ حضرت شیخ نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا، وہ ذرا سی دیر میں بے طاقت ہوگیا اور گر پڑا۔ جب حاضرین نے یہ واقعہ دیکھا تو سب نے زمین پر سر رکھ دیے۔ حضرت شیخ نے اپنے درویش سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی حوض سے لے اور اس کے چہرے پر چھڑک۔ درویش مذکور نے شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، کچھ دیر کے بعد یادگار محمد ہوش آیا، اس نے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے بلند آواز سے فرمایا کہ تو نے توبہ کی؟ اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ میں نے توبہ کی، پھر حضرت نے فرمایا کہ وہ برا عقیدہ (رفض) جو رکھتا تھا اس کو چھوڑ دیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم چھوڑ دیا۔ نہیں معلوم کہ اس نے کیا دیکھا کہ یکبارگی ڈر گیا، کانپا اور بے ہوش ہوگیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ معین الدین نے فرمایا کہ وہ وضو کرے اور توبہ کے شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھے ۔ اس نے ایسا ہی کیا ۔ شیخ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مرید ہوگیا ۔ اس کے تمام مصاحبوں نے بھی اسی طرح توبہ کی ۔

کہتے ہیں کہ جس روز یادگار محمد نے توبہ کی اور بیعت سے مشرف ہوا ، تمام سامان اور نقدی جو اس کی ملکیت میں تھا ، حضرت کی نذر کر دیا ۔ [۰۱] حضرت شیخ نے فرمایا کہ تمام دشمنوں کو خوش کرے اور جس کسی سے جو کچھ ظلم و تشدد سے حاصل کیا ہے ، وہ اس کو واپس کر دے تا کہ حق سبحانہ تعالیٰ تیری توبہ کو استقلال و دوام عطا فرمائے اور تجھ پر رحمت کی نظر کرے ۔

یادگار محمد مذکور نے ایسا ہی کیا جیسا کہ حضرت شیخ کا حکم تھا ، تمام کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا اور جو کچھ ان سے متعلق دیکھا ، وہ بھی ان کو بخش دیا ۔ اس کی دو بیویاں تھیں ، دونوں کو طلاق دے دی اور دل و جان حضرت شیخ کی محبت و اُلفت و اتحاد و اعتقاد کی نذر کر دیے اور وہ واصلان حق سے ہوا ۔ میں (شیخ جمالی) نے یہ حکایت محمد نجفی سے اس وقت سنی جب اس فقیر کا گزر شہر ہری (ہرات) سے سبزوار میں ہوا[۱]۔

محمد نجفی سبزوار کے بزرگوں میں سے تھے اور صلاح و تقوی میں مشہور تھے ۔ اس کے بعد حضرت معین الدین قدس سرہ سبزوار سے حصار شادماں آئے ۔ محمد یادگار بھی ان کے ساتھ تھا ۔ اس کو اسی مقام پر مقرر کر دیا ۔ چنانچہ یادگار محمد کا مزار حصار شادماں میں ہے[۲]۔

خواجہ بزرگ اور حکیم ضیاء الدین بلخی

حضرت خواجہ وہاں سے بلخ آئے اور حضرت شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں چند ماہ قیام فرمایا ۔ وہاں مولانا حکیم ضیاء الدین بلخی تھے[۳] ۔ مولانا مذکور کو علم تصوف پر بالکل اعتقاد و اعتماد نہ تھا ۔ چنانچہ وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ علم تصوف ہذیان ہے کہ جو تپ زدہ اور مسلوب العقل بکا کرتے ہیں اور وہ (حکیم بلخی) مطلق اہل تصوف و معرفت پر اعتقاد نہ رکھتے تھے اور

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو معین الارواح ص ۳۶ ۔ ۳۸ ۔

۲ ۔ حصار شادماں متصل بلخ بسمت شمال و مشرق واقع ہے (معین الارواح ص ۵۰)

۳ ۔ گلزار ابرار (ص ۳۴) ضیاء الدین حامد لکھا ہے ۔

اس نیک بخت گروہ کے حق میں سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتے تھے - بلخ کے نواح میں ایک گاؤں تھا ، وہیں ان کا مدرسہ اور باغ تھا ، وہ زیادہ تر وہیں رہتے تھے - کمان ، چقماق اور نمک دان ساتھ رکھتے تھے - ان کا خادم ان چیزوں کو لیے رہتا - جس وقت آبادی سے جنگل کی طرف ان کا گزر ہوتا تو وہ شکار کرتے اور اس سے روزہ افطار کرتے -

اتفاق سے حضرت خواجہ کا گزر اس گاؤں میں ہوا جہاں حکیم ضیاء الدین درس دیتے تھے - وہاں تیر سے ایک کلنگ کو مارا اور چاہا کہ اس کے کباب بنائیں اور کام میں لائیں - حضرت نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا اور خادم کو حکم دیا کہ آگ جلائے اور کباب تیار کرے ، خود نماز پڑھنے میں مشغول ہوگئے - اتفاق سے مولانا حکیم ضیاء الدین کا اس طرف سے گزر ہوا ، دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہیں اور ان کا خادم کلنگ کے کباب بنا رہا ہے - مولانا مذکور بھوکے تھے ، انہوں نے چاہا کہ کچھ دیر اس درخت کے نیچے کہ جہاں حضرت زبدۃ المشائخ مشغول (عبادت) تھے ، قیام کریں اور کباب میں سے چند لقمے کھائیں - جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم ضیاء الدین کی یہ مجال [۱۱] نہ تھی کہ ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھیں لیکن تکلف سے انہوں نے اپنے کو باز رکھا - سلام کیا اور ان کے سامنے بیٹھ گئے ، اسی وقت حضرت زبدۃ المشائخ کے خادم نے کباب پیش کیا - حضرت شیخ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرمائی اور اس کلنگ کی ایک ران علیحدہ کی اور مولانا ضیاء الدین حکیم کے سامنے رکھ دی اور دوسری ران میں سے کچھ گوشت کاٹا اور خود تناول فرمایا - مولانا ضیاء الدین نے جب اس کباب میں سے ایک لقمہ اٹھایا اور کھایا تو فوراً اس لقمے کے اثر سے ان کے سینے میں ظلمتِ فلسفیانہ کا جو زنگ تھا، اس کی جگہ اسرارِ معرفت کے انوار رونما ہوگئے - چنانچہ مولانا مذکور اس نور کے ظاہر ہونے کے بعد از خود رفتہ ہو گئے - کچھ دیر بعد حضرت زبدۃ المشائخ نے اپنا پس خوردہ ان کے منہ میں ڈال دیا جس سے مولانا ہوش میں آ گئے -

مولانا ظہیر الدین بلخی سے سنا گیا ہے کہ جب مولانا ضیاء الدین کو اسرار وحدت کے انوار کی روشنی حاصل ہوگئی تو انہوں نے اپنا تمام فلسفیانہ کتب خانہ دریا میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو دنیاوی ساز و سامان سے آزاد کر لیا اور ان کے مرید ہوگئے اور ان کے تمام شاگرد بھی حضرت خواجہ بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوئے - مولانا ضیاء الدین کو اس جگہ متعین کر دیا اور خود غزنیں کی

طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں حضرت شمس العارفین عبدالواحد سے ملاقات کی جو حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید کے پیر تھے[۱]۔

لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ملاقات

وہاں سے شہر لاہور آئے۔ حضرت شیخ المشائخ شیخ پیر علی ہجویری کہ جن کا قول ہے :

الفقیر عندی من لا قلب لہ، و لا ارب لہ،	میرے نزدیک فقیر وہ ہے کہ جس کا نہ کوئی دل ہو اور نہ اس کو کسی چیز کی حاجت ہو۔

اسی سال انتقال فرما گئے تھے[۲] لیکن حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی کہ جو حضرت شیخ سعد الدین حمید کے پیر ہیں، زندہ تھے۔ حضرت زبدۃ المشائخ و الاولیاء معین الحق و الدین اور حضرت شیخ المشائخ شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان بے انتہا محبت و اتحاد ہوگیا[۳]۔

۱۔ ملاحظہ ہو معین الارواح ص ۵۰، گلزار ابرار ص ۳۴-۳۵، مسالک السالکین ۲ : ۱۷۶۰، وقائع شاہ معین الدین چشتی ص ۱۵، احسن السیر ص ۱۳۷-۱۳۸۔

۲۔ ''ہم در آں سال از دار فنا رحلت نمودہ بود'' یہ بات صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت علی ہجویری کا سال انتقال ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ میں ہوا۔ ملاحظہ ہو کشف المحجوب (اردو ترجمہ علامہ ابوالحسنات قادری) مقدمہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص ۵۹۔

۳۔ ملاحظہ ہو آئین اکبری ۲ : ۲۰۷، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۶، ۲۵، شاہجہاں نامہ (محمد صالح کنبوہ) ۱ : ۵۰۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ حضرت خواجہ کا ورود لاہور ۵۸۷ھ تا ۵۸۸ھ ہوا (وحید احمد مسعود ص ۷۱، تاریخ السلف ص ۸، ۹، کشف المحجوب (اردو) مقدمہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری ص ۵۱ - ۵۲)۔ آب کوثر کے مولف شیخ محمد اکرام نے قاضی تولک ملقب بہ معین الدین کو خواجہ معین الدین اجمیری سمجھ کر سلطان محمد غوری کے لشکر میں شامل کر دیا، حالانکہ فارسی کی عبارت بہت واضح ہے مگر معلوم نہیں شیخ صاحب نے کس طرح سے یہ بات لکھ دی۔ دیکھیے آب کوثر ص ۲۲۶ اور طبقات ناصری (منہاج سراج، مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی) ص ۳۴ - ۳۵ نیز دیکھیے سیرالاولیاء ص ۴۵ و اخبار الاخیار ص ۲۲۔

[اسی زمانے میں سلطان معز الدین محمد سام دہلی کو فتح کر چکا تھا اور اس نے اپنے خاص غلام سلطان قطب الدین ایبک کو دارالخلافہ دہلی میں چھوڑ دیا تھا ، وہ خود غزنین کی طرف لوٹ گیا تھا ۔ اثناء راہ میں اس نے انتقال کیا][1]

ورودِ دہلی

حضرت زبدۃ المشائخ معین الحق و الدین قدس سرہ حضرت شیخ حسین زنجانی سے رخصت لے کر دارالخلافہ دہلی کی طرف متوجہ ہوئے ۔ جب وہ اس مبارک مقام (دہلی) پر پہنچے، چند مہینے انہوں نے آرام کیا ۔ ان کا متبرک حجرہ اس جگہ پر تھا کہ جہاں آج کل شیخ رشید مکی کی قبر ہے ۔ اب بھی ان کی مسجد کے آثار میں سے ایک محراب قائم ہے ۔

اجمیر

جب خاص و عام کا ازدحام [۱۲] ان کے پاس زیادہ ہوا تو دہلی سے شہر اجمیر کی طرف روانہ ہوگئے ۔ اگرچہ اس متبرک مقام پر اسلام کی رونق قائم ہو چکی تھی لیکن بدبخت کفار کا غلبہ وہاں سے ایک ورسنگ کے فاصلے پر قائم تھا ۔

سلطان قطب الدین ایبک نے سید السادات حسین مشہدی کو اس مقام کی داروغگی سپرد کی ۔ وہ تنبلی میں دفن ہیں[2] اور شہید ہوئے ہیں ۔ سید مذکور نے (حضرت خواجہ کی) آمد کو غنیمت سمجھا ، وہ ان کی صحبت میں رہے ۔ اس علاقے کے بہت سے مشہور کفار اس خلاصۂ ابرار (حضرت خواجہ بزرگ) کی برکت سے ایمان سے مشرف ہوئے اور بہت سوں نے جنھوں نے ایمان قبول نہیں کیا ، ان کے حضور میں بے حد و شمار نذریں بھیجیں اور اس وقت تک وہ کفار اسی طریقے سے معتقد ہیں ۔ ہر سال

---

۱ ۔ نسخۂ اول میں یہ پورا پیرا گراف نہیں ہے (ص ۱۲) ۔

۲ ۔ مولوی عبدالقادر رام پوری نے گڑھ بٹھلی لکھا ہے ۔ معین الارواح (ص ۴۹) میں بٹیلی، سیرالاقطاب (ص ۱۳۵) میں پٹلی لکھا ہے ۔ بعض نے بٹیلی لکھا ہے ۔ مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ تارا گڑھ کا دوسرا نام ہے ۔ سید حسین ، ان کے عہد اور ان کے مزار و کتبات کے لیے دیکھیے :

(۱) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ۲ : ۴۴، ۱۰۸ ۔

(۲) معین الارواح ص ۵۳ ۔

(۳) احسن السیر ص ۱۱۳ ۔ ۱۱۶ ۔

(۴) اکبر نامہ ۲ : ۴۶۵ ۔

(اجمیر) آتے ہیں اور اس عالی مرتبہ اور بزرگ شیخ کے آستانے پر اپنا سر رکھتے ہیں اور کافی رقوم روضہ مطہرہ کے مجاوروں کے پاس بھیجتے ہیں اور خدمت بجا لاتے ہیں[1]۔

ایسا سنا گیا ہے کہ سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں دو مرتبہ خواجہ بزرگ دارالخلافہ دہلی تشریف لے گئے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ واقعہ حضرت سلطان المشائخ شیخ قطب الدین احمد بختیار اوشی کے ذکر میں تحریر کیا جائے گا ۔

صوفی حمید الدین ناگوری کی توبہ

دوسرے خلفاء مثلاً شیخ المشائخ سلطان التارکین اقیر حمید الدین صوفی سوالی کا ذکر جو ناگور میں مدفون ہیں[2]، حضرت شیخ نظام الملت و الدین سے اس طرح منقول ہے کہ وہ بڑے تارک تھے اور موضع سوال میں رہتے تھے کہ جو اجمیر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر ہے ۔ وہ ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے ۔ وہ نہایت خوبصورت تھے ۔ چنانچہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی فریفتہ ہو جاتی تھی ۔ جب انہوں نے حضرت معین الملت و الدین کی صحبت پائی تو تائب ہو گئے ۔ توبہ کر لینے کے بعد ان کی ہم نشینوں نے پھر فسق و فجور کی طرف بلایا ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمربند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کی حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں ۔ انہوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یکبارگی ترک و تجرید اختیار کر لی اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا فقراء کو دے دیا ۔ تقریباً دس جریب زمین دریا کے کنارے تھی جسے وہ کسیوں (پھاوڑوں) سے کھودتے تھے اور سبزی بو دیتے تھے اور ہر سال

---

۱ - تاریخ فرشتہ ۲ : ۳۷۷ ۔

۲ - شیخ حمید الدین سوالی ناگوری المتوفی ۲۹ ربیع الثانی ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ع ۔ مگر سلطان التارکین (سوانح عمری صوفی حمید الدین ناگوری) کے مولف نے سال انتقال ۶۷۷ھ لکھا ہے (ص ۱۲۹) ۔
تفصیل کے لیے دیکھیے :
(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۷۰، ۱۷۱ ۔
(۲) نزہۃ الخواطر (جلد اول) ص ۱۲۵، ۱۲۶ ۔
(۳) اخبار الاخیار ص ۳۵ - ۳۷ ۔
(۴) ثمرات القدس، ۴۸ الف ۔

اسی پر قناعت کرتے تھے- گدڑی پہنتے تھے ، دوسرے لباس کی طرف مطلق متوجہ
نہیں ہوتے تھے اور نذرانہ و شکرانہ قبول نہیں کرتے تھے -

ان کی زوجہ خدیجہ نامی تھیں جو زہد میں رابعۂ عصر تھیں - ایک ہفتے کے بعد
نیم کے پتے سے ایک بار افطار کرتیں - ایک فقیر نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا
بات ہے کہ بعض مشائخ زندگی میں بڑی شہرت حاصل کرتے ہیں اور مرنے کے بعد
کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا اور بعض مرنے کے بعد خاص و عام میں شہرت پاتے
ہیں [۱۳] انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اپنی زندگی میں شہرت کا کوشاں ہے
خداوند کریم اس کے مرنے کے بعد اس کے نام و نشان کو پوشیدہ کر دیتا ہے اور
جو شخص اپنی زندگی میں اپنے کو پوشیدہ رکھتا ہے، اس کا ذکر خیر مرنے کے بعد
مشرق سے مغرب تک مشہور ہو جاتا ہے -

ایک ہندو کا قبول اسلام

حضرت شیخ نظام الدین سے منقول ہے کہ اجمیر کے نواح میں ایک ہندو تھا-
حضرت شیخؒ ہمیشہ اس کے متعلق فرماتے کہ یہ مرد صاحب نعمت اور ولیٔ خدا ہے -
لوگ متحیر ہوتے تھے کہ حضرت خاص کافر کو خدا کا ولی کہتے ہیں - آخرکار وہ
ہندو ، مسلمان ہو گیا اور اولیاء اللہ میں سے ہوا -

حمید الدین صوفی ناگوری اور شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا ملتانی کا مذاکرہ

یہ بھی سنا گیا ہے کہ دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نے حضرت
جلال الدین پر ایک تہمت لگائی اور ایک محضر تیار کیا - چنانچہ اس کی تفصیل
حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ذکر میں انشاء اللہ تحریر کی جائے گی -

مختصر یہ کہ اس محضر میں بڑے بڑے مشائخ حاضر تھے ، حضرت سلطان
المشائخ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا بھی موجود تھے - شیخ حمید الدین سوالیؒ
نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے سوال کیا کہ اے مخدوم ! اس میں کیا
حکمت ہے کہ جس جگہ لوگ مال رکھتے ہیں وہاں سانپ بھی اپنا مسکن بنا لیتے
ہیں ، جیسا کہ مشہور ہے کہ خزانہ سانپ کے ساتھ ہوتا ہے اور پھول (گلاب) کانٹے
کے ساتھ - سانپ اور مال میں نہ صوری مناسبت ہے اور نہ معنوی ، ان دونوں کی
ہمراہی کا سبب معلوم نہیں ہوتا - حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے

۱ - نسخۂ اول میں حضرت شیخ کو ''شیخ حمید'' لکھ دیا ہے (ص ۱۳) -

جواب دیا کہ اگرچہ صورت کی مناسبت نہیں ہے لیکن معنوی مناسبت ہے کیونکہ زہر کی وجہ سے سانپ مہلک ہے اور مال بھی اکثر لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے - شیخ حمید نے کہا بس مال بھی سانپ کی تعریف میں آتا ہے لہذا جس نے مال کو محفوظ کیا حقیقت میں سانپ کو محفوظ کیا ، شیخ حمید مذکور نے یہ بات حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے متعلق کہی کیونکہ ان کے یہاں دنیا (کا مال و اسباب) تھا - انہوں نے فوراً جواب دیا کہ مال اگرچہ مثل سانپ کے ہے لیکن جو شخص سانپ کا منتر جانتا ہے سانپ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے - پھر شیخ حمید نے جواب دیا کہ کیا ضروری ہے کہ ایک پلید زہر والے جانور کو محفوظ کیا جائے اور اس کے منتر کا محتاج رہے -

حضرت شیخ الاسلام بہاء الملت و الدین نے جب شیخ حمیدالدین کا مقدمہ مضبوط دیکھا تو سمجھے کہ حمید الدین صوفی کا سوال صرف مجھ پر عائد نہیں ہوتا بلکہ میرے پیر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ پر بھی عائد ہوتا ہے - انہوں نے فوراً مراقبہ کیا ، حضرت شیخ شہاب الدین کی روح کو حاضر پایا ، گویا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اے بہاء الدین ! سلطان التارکین حمید الدین صرف چشتی سے [۱۴] کہو کہ تمہاری درویشی کا حسن و جمال ایسا نہیں ہے کہ اس کو نظر لگ جائے لیکن ہماری درویشی کا جمال اتنا کامل ہے کہ اگر تھوڑی سی سیاہی اس کے چہرے پر نہ لگائیں تو نظر لگ جانے کا احتمال ہے - جب حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ نے یہ جواب دیا [تو انہوں نے پھر جواب میں کہا کہ تمہارا حسن صفاتی ہے ، ذاتی نہیں ہے - جمال ذاتی کو کبھی نظر نہیں لگتی - جب سلطان التارکین کا یہ جواب حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے سنا تو وہ خاموش ہو گئے] -[۱]

بدر الدین موئنہ دوز خجندی

وہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کے جوار پر انوار میں دفن ہیں - وہ ایک بزرگ اور صاحب کشف و کرامات شخص تھے[۲] اور زیادہ تر حضرت شیخ

۱- نسخۂ اول میں قوسین کی عبارت حذف ہے (ص ۱۴) -

۲ - سیرالعارفین (نسخہ کراچی میوزیم ورق ۱۰ الف) میں صراحت ہے کہ شیخ بدر الدین محمود موئنہ دوز حضرت خواجہ اجمیری کے خلیفہ تھے - یہ جملہ مطبوعہ متن میں حذف ہے - شیخ بدر الدین محمود موئنہ دوز ، قاضی ←

مشائخ خواجہ قطب الدین کی مصاحبت میں رہتے تھے ۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی سے منقول ہے کہ جس کسی کا غلام بھاگ جاتا تو وہ شیخ محمود موئنہ دوز کے پاس آتا اور غلام کے بھاگنے کی صورت حال ان کے سامنے پیش کرتا ۔ وہ کچھ غور کرنے کے بعد فرماتے کہ جاؤ فلاں وقت اس کو پاؤ گے لیکن جب بھاگا ہوا غلام مل جائے تو ہم کو خبر کر دینا تاکہ اس کا بوجھ ہمارے دل سے اتر جائے ۔ مخلوق بھی (غلام) مل جانے کے بعد خبر کر دیتی تھی ۔

ایک دن ایک شخص ان کے سامنے آیا اور عرض کیا کہ حضور میرا ایک غلام بھاگ گیا ہے ، دعا فرمائیے کہ مل جائے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ فلاں وقت مل جائے گا اور جب وہ تمہیں مل جائے تو مجھے خبر کر دینا ۔ اس نے کہا کہ ایسا ہی کروں گا ۔ خدا کے حکم سے اسی وقت پر وہ غلام مل گیا جیسا کہ حضرت شیخ نے فرمایا تھا لیکن اس نے حضرت شیخ کو خبر نہیں کی کہ غلام مجھے مل گیا ہے ۔ اتفاق کی بات کہ دو تین روز کے بعد وہ غلام پھر بھاگ گیا ۔ غلام کا آقا پھر شیخ کے پاس آیا اور صورت حال بیان کی کہ وہ (غلام) مجھے مل گیا تھا مگر پھر بھاگ گیا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ تو نے مجھے اس کے ملنے کی خبر نہیں دی ، اب وہ تجھے نہیں ملے گا ۔ ایسا ہی ہوا ۔

خواجہ بزرگؒ کی اولاد کا بیان

جس زمانے میں کہ یہ فقیر (جمالی) حضرت خواجہ بزرگؒ کے مزار متبرک کی زیارت سے مشرف ہوا ، اس وقت حضرت کی اولاد میں شیخ المشائخ شیخ بایزید سجادہ نشیں تھے ، وہ بڑے اور عظیم الشان شیخ گزرے ہیں ۔ سید شمس الدین طاہر نے کہ جن کی عمر ایک سو پچاس سال کی تھی ، حضرت شیخ بایزید مذکور سے خرقہ

حمید الدین ناگوری کے مرید اور خواجہ قطب الدین کاکیؒ کے معتقد و مصاحب تھے ۔ بقول مؤلف مزارات اولیائے دہلی ۶۵۵ھ اور بقول مؤلف خزینۃ الاصفیاء (ج ۱ ، ص ۲۸۵) ۶۵۷ھ میں انتقال ہوا ۔ ملاحظہ ہو :

(۱) اخبار الاخیار ص ۵۶ ۔
(۲) جواہر فریدی ص ۱۶۸ ۔
(۳) مزارات اولیائے دہلی ص ۱۰۰ ۔

خلافت پایا ۔ وہ شیخ المشائخ شیخ نورا[1] کے مرید تھے[2] کہ جو بنگالہ میں مدفون ہیں ۔

سید شمس الدین کو حضرت ملک المشائخ و الاولیاء سماء الحق و الدین قدس سرہ سے بہت اعتقاد [۱۵] و اتحاد تھا اور اس احقرالانام (شیخ جمالی) سے بھی بہت محبت تھی ۔ ان (شمس الدین) سے سنا گیا ہے کہ حضرت زبدۃ المشائخ معین الدین نے آخر عمر میں نکاح کیا تھا اور اولاد ہوئی تھی لیکن جب یہ حقیر (شیخ جمالی) اپنے پیرزادہ سجادہ نشین شیخ المشائخ نصیرالدین[3] کی ہمراہی میں حضرت زبدۃ المشائخ معین الحق و الدین کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے گیا اور ان کی ہمراہی میں زیارت سے مشرف ہوا ، وہاں ایک بڑے عظیم القدر مجاور مولانا مسعود تھے جن کی عمر اسی سال کی تھی چنانچہ ان کے بزرگوں کے بزرگ احمد بن محمد بن مخدوم قاضی تاج بن مخدوم قاضی شمس الدین دہلوی نبیرۂ امام محمد شیبانی، حضرت شیخ مشار الیہ قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے ۔

مولانا احمد سےجو حضرت شیخ کے خادم تھے منقول ہے کہ جب حضرت شیخ اجمیر سے پہلی مرتبہ دہلی گئے اور پھر واپس آئے تو انھوں نے نکاح کیا ۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ سید وجیہ الدین محمد مشہدی کہ جو سید حسین مشہدی کے چچا تھے کہ جو تنبلی میں مدفون ہیں اور شہید ہوئے ہیں ، اس شہر مذکور (اجمیر) کے داروغہ تھے۔ ان کی ایک بیٹی تھی عصمت و عفت میں باکمال ، اس کا نام بی بی عصمت تھا ۔ یہ لڑکی بالغ ہو چکی تھی، وہ چاہتے تھے کہ اس کو کسی بزرگ زادہ کے نکاح میں دے دیں اور نہایت اعلیٰ خاندان ہونے کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے لائق اور مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے ساتھ نکاح کردیں ۔ وہ اکثر اسی فکر و تامل میں رہتے تھے ۔ اتفاق سے انھوں نے ایک رات حضرت امام جعفر صادق رض کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرزند وجیہ الدین! جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ اس لڑکی کا نکاح شیخ معین الدین سجزی کے ساتھ کر دو ۔ سید وجیہ الدین مذکور حضرت شیخ سے تعلق رکھتے تھے ، انھوں نے یہ واقعہ حضرت شیخ سے ظاہر کیا ۔ حضرت شیخ رح نے

---

۱ ۔ شیخ نورالحق و الدین ، شیخ علاء الحق کے فرزند ، مرید اور خلیفہ تھے ، ۸۱۳ھ میں انتقال ہوا (اخبار الاخیار ص ۱۵۸ ۔ ۱۶۰)

۲ ۔ نسخۂ اول میں شیخ نور کے مرید ہونے کا ذکر نہیں ہے (ص ۱۵) ۔

۳ ۔ نسخۂ اول میں شیخ نظیر الدین لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے (ص ۱۵) ۔

فرمایا کہ میری عمر کا آخری وقت ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، میں قبول کرتا ہوں لہذا نکاح ہو گیا[1] - یہ پاک طینت اور درست اعتقاد اولاد اس بزرگ خاندان اور اعلیٰ دودمان سے ہے[2] -

حضرت شیخ (معین الدین) نکاح ہونے کے بعد تقریباً سات سال زندہ رہے، اس کے بعد جوار رحمت حق میں آرام کیا جب ان کی عمر ستانوے سال کی ہو گئی تو انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا - علیہ الرحمہ و الغفران -

ان کا وصال ۲ رجب پیر کے دن ہوا[3] -[۱۶]

---

۱ - اسلام جیسے فطری اور عالم گیر مذہب کی اساسی تعلیم اور قران کریم کی روشنی میں یہ باتیں مجاوروں کی گھڑی ہوئی داستانیں معلوم ہوتی ہیں - اسلام مساوات اور اخوت کا پیغام لے کر آیا اور اس نے ''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' کا اعلان کر کے نسل و نسب کی سامراجیت کے بتوں کو چکنا چور کر دیا -

۲ - خواجہ معین الدینؒ کے نکاح اور اولاد کے سلسلے میں ملاحظہ ہو :

(۱) سوانح خواجہ معین الدین چشتی ص ۱۶۸ - ۱۷۳

(۲) معین الارواح ۶۷ - ۶۹

(۳) وقائع شاہ معین الدین چشتی ص ۵۳ - ۵۷

(۴) تحقیقات اولاد خواجہ صاحب حصہ اول و سوم

(۵) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ۲ : ۹۵ - ۹۷ -

۳ - خواجہ معین الدین کا انتقال باختلاف روایت ۶۳۲ھ یا ۶۳۳ھ میں ہوا، مؤلف معین الارواح کہتے ہیں ۶۲۷ھ میں ہوا -

سلطان العارفین برہان الواصلین
شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ

آں نہنگ محیط نور خدا — غرقۂ لجۂ حضور خدا
رفتہ در لامکاں زہستیٔ خویش — کردہ اسرار حق پرستی خویش
شدہ از جاں بلامکاں واصل — کردہ ہر دم ہزار جاں حاصل
در خدا محو در خفی و جلی — قطب دین بختیار شیخ ولی
زندہ جاوداں زفیض عظیم — کشتۂ زخم خنجر تسلیم
سینۂ عارفاں ازو گلشن — دیدۂ عاشقاں ازو روشن
دائم او را مقام عالی باد — نظر او جانب جمالی باد

وہ تخت تجرید کے جمشید ، توحید و تفرید کے نور کے آفتاب ، لامکاں کے محرم راز ، اعزاز جاودانی کے مستحق ، کشتۂ خنجر تسلیم و رضا ، صدق و صفا کے گلشن کے گلدستے ، اسرار الٰہی کے منبع ، انوار نامتناہی کے مطلع اور طہارت و پاکی کے آسمان کے آفتاب ہیں -

ابتدائی حالات

حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ قصبہ اوش کے رہنے والے تھے چنانچہ اس قصبہ کی تعریف زبدۃ المشائخ خواجہ معین الدین قدس سرہ کے ذکر میں بیان ہوئی ہے - جب حضرت سلطان العاشقین خواجہ قطب الدین قدس سرہ پیدا ہوئے تو ان کے پدر بزرگوار کمال الدین احمد موسیؒ نے[1] اس دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرمائی ، حضرت اس وقت ڈیڑھ سال کے تھے - ان کی نہایت پاک ذات ، مریم صفات ، عفت و عظمت میں باکمال والدہ ماجدہ ان کی پرورش و تیمارداری کرتی تھیں -

---

۱ - خواجہ نعمت اللہ ہروی نے لکھا ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ کا تعلق افغانوں کے قبیلہ سڑبنی سے تھا (تاریخ خان جہاں و مخزن افغانی ص ۲۰۷ ، ۱۱۷ ، تاریخ افاغنہ ۲ : ۷ - ۱۱) - بزم صوفیہ (ص ۶۳) کے مؤلف نے سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیاء کے حوالے سے ان کا نسب حضرت علیؓ سے ملایا ہے -

جب وہ تقریباً پانچ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے ایک پڑوسی کو بلایا۔ ایک طباق میں کچھ حلوہ رکھا اور حضرت خواجہ (بختیار) کو ان کے ہمراہ معلم کے پاس بھیجا۔

تعلیم و تربیت

اتفاق سے راستے میں ایک پیر روشن ضمیر کا سامنا ہوا، انھوں نے دیکھتے ہی کہا کہ بچے کو کہاں لیے جاتے ہو؟ پڑوسی نے عرض کیا کہ یہ بچہ خاندان اہل فلاح و صلاح سے ہے۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، اس کی والدہ نے جو نہایت نیک خاتون ہیں، میری خوشامد کی ہے کہ میں اس بچے کو کسی مکتب میں لے جاؤں اور کسی نیک معلم کے سپرد کر دوں کہ وہ اس کو قرآن پڑھا دے۔ جب ان پیر نے اس پڑوسی کی یہ تقریر سنی تو فرمایا کہ اس بچے کو چھوڑو اور میرے سپرد کر دو تا کہ میں ایسے ایسے معلم کے پاس لے جاؤں کہ اس کی برکت اس میں تاثیر کمال پیدا کر دے اور وہ اس پر نہایت مہربانی کرے۔ جب اس پڑوسی نے اس بے مثل پیر کی یہ شفقت و عنایت دیکھی تو وہ بخوشی رضا مند ہو گیا کہ آپ کا ارشاد درست ہے۔

اس مقام پر ایک نہایت با کمال معلم تھے جن کا نام ابوحفص[۱] تھا۔ وہ عبادت اور سعادت میں مصروف تھے، ان کے پاس حضرت خواجہ قطب الدینؒ کو لائے اور ان کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ یہ بچہ مبارک اور خدائے بزرگ و برتر کا برگزیدہ ہے وہ ایک دن اولیائے بزرگ اور گروہ مشائخ میں سے ہوگا۔ تم کو چاہیے کہ نہایت مہربانی کے ساتھ قرآن شریف پڑھاؤ۔ معلم مذکور نے دل و جان [۲۱] سے قبول کیا اور وہ پیر وہاں سے چلے آئے۔ اس کے بعد شیخ ابو حفص حضرت شیخ خواجہ قطب الدین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم ان بزرگ کو جانتے ہو جو تم کو یہاں لائے تھے؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے معلم سے عرض کیا کہ میری والدہ نے مجھ کو ایک پڑوسی کے سپرد کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے معلم کے پاس لے جائے۔ راستے میں ان بزرگ پیر سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے مجھ کو آپ کی قدم بوسی سے مشرف کرا دیا۔ شیخ ابوحفص نے فرمایا کہ اے بیٹے! یہ پیر حضرت خضر علیہ السلام تھے جو تجھ کو یہاں لائے اور میرے سپرد کیا۔

۱۔ گلزار ابرار اور تاریخ خان جہان و مخزن افغانی (ص ۲۱۳) میں ابوالحفیظ لکھا ہے مگر خیر المجالس (ص ۱۰۸) میں ابوحفص ہے۔

حضرت شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی نے یہ حکایت خیرالمجالس میں نقل کی ہے[۱] -

بیعت

مولانا ابوحفص رح کی صحبت کی برکت سے حضرت شیخ المشائخ شیخ قطب الدین نے ظاہری و باطنی اخلاق اور شریعت و طریقت کے آداب حاصل کیے۔ وہ دینی معاملات اور ظاہر و باطن کے یقینی حالات سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے چنانچہ ایک ساعت کے لیے بھی عبادت و ریاضت سے غافل نہ رہتے اور ہر وقت خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں مستغرق رہتے ۔ اتفاق سے حضرت زبدۃ الاولیاء و خلاصہ الاتقیاء خواجہ معین الملت و الدین وہاں پہنچے ، ان کی بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت پائی[۲] -

جیسا کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ وہ اس ملک کے بہت سے لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے اور چاہتے تھے کہ مکہ معظمہ کو چلے جائیں ۔ اس زمانے میں ان (خواجہ بختیار رح) کی عمر بیس سال کی تھی ۔ وہ اپنے مریدوں کی پوری تربیت کرتے تھے اور دن رات میں نہایت ایثار سے دو سو پچاس رکعت نماز پڑھتے تھے[۳] اور رات کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہزار مرتبہ درود شریف بھیجا کرتے تھے ۔

کثرت درود اور حضوری رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سلطان الاولیاء نظام الحق و الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ قصبہ اوش میں حضرت زبدۃ الابرار شیخ قطب الدین بختیار کے ایک مرید رئیس تھے جن کا نام احمد تھا[۴] جو نہایت نیک شخص تھے ۔ ایک رات کو انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا محل ہے اور اس کے گرد مخلوق جوق در جوق جمع ہے

---

۱ - ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۱۰۷ - ۱۰۸ -

۲ - سیر الاقطاب ص ۱۴۵ ، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۵ -

۳ - نسخہ اول میں پچانوے رکعت لکھا ہے (ص ۳۷) -

۴ - یہ روایت فوائد الفواد سے منقول ہے ۔ دو مطبوعہ نسخے (نولکشور اور لاہور) پیش نظر ہیں ، ان میں رئیس کا نام ''احمد'' مذکور نہیں ہے ۔ ممکن ہے کسی خطی نسخے میں ہو جس کی بنا پر سیر العارفین نے یہ نام احمد نقل کیا ہو ۔ مؤلف بزم صوفیہ نے رئیس احمد نام لکھ دیا (بزم صوفیہ ص ۶۴) -

اور ایک پرنور پستہ قد شخص اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے اور لوگوں کے پیغام باہر سے اندر لے جاتا ہے اور جواب لاتا ہے ۔ رئیس مذکور احمد نے کہا کہ میں اس محل کی درگاہ میں پہنچا اور ایک شخص سے پوچھا کہ محل کے اندر کیا ہے اور یہ پستہ قد شخص کون ہے جو جاتا ہے اور آتا ہے ۔ اس نے جواب دیا کہ محل کے اندر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ مرد عبداللہ مسعود[1] ہیں کہ جو حضور کے سامنے خاص و عام کے پیغام لے جاتے ہیں اور جواب لاتے ہیں ۔ رئیس مذکور احمد ، عبداللہ مسعود [۱۸] کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں میری جانب سے عرض کیجیے کہ میں حضرت کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونا چاہتا ہوں ۔ عبداللہ مسعود محل کے اندر گئے اور باہر آئے ، مجھے اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تجھ میں ابھی تک اتنی اہلیت نہیں ہوئی ہے کہ تو مجھے دیکھے ۔ تو جا اور میرا سلام ، قطب الدین بختیار اوشی کو پہنچا اور ان سے کہہ کہ تم ہر رات جو تحفہ میرے لیے بھیجتے تھے ، تین راتوں سے وہ نہیں پہنچا ہے ۔ جب رئیس مذکور حضوری کے اس خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت خواجہ قطب الدین سے رات کی کیفیت اور خواب بیان کیا ۔ حضرت شیخ خواجہ (بختیار) سمجھ گئے کہ اس خطا کا کیا سبب ہے (اور وہ یہ تھا) ۔

جب ان (خواجہ قطب الدین) کی والدہ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ وہ ضرور سفر کریں گے تو انہوں نے نہایت تکلف کے ساتھ ایک نیک لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا ۔ وہ منکوحہ نہایت حسینہ اور جمیلہ تھی چنانچہ حضرت شیخ کو بہ تقاضائے بشریت ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سے قدرے محبت ہو گئی اور اس بیوی کی ہمراہی اور محبت کی وجہ سے تین راتوں سے وہ درود جو تین ہزار مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جاتا تھا نہیں بھیجا گیا ۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے فوراً اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی[2] اور وہاں سے بغداد روانہ ہوگئے ۔ کچھ عرصے کے بعد وہ اس مقدس

---

۱ - اجل صحابی ہیں ۔ وفات ۳۲ھ ۔

۲ - فوائد الفواد (نول کشور ، ص ۱۰۷ - لاہور ، ص ۱۸۴) تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی ، ص ۱۵۷ ، سیر الاقطاب ص ۱۵۶ ، خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۲۷۲ - سیر الاولیاء (اردو ترجمہ ص ۴۶ - ۴۷) ۔

مقام (بغداد) پر پہنچ گئے اور وہاں جو عارف حضرات تھے، ان سے ملے۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور بڑے بڑے مشائخ ان کی صحبت سے محظوظ ہوئے۔

برصغیر پاک و ہند میں ورود

اس زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی دوسری مرتبہ خراسان سے واپس ہو کر وہاں پہنچے تھے۔ چونکہ حضرت زبدۃ المشائخ شیخ معین الملت و الدین خراسان سے ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی کی طرف روانہ ہو چکے تھے اور حضرت (خواجہ قطب الدین) کو ان سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا، وہ بھی بغداد سے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ (جلال تبریزی) بھی شیخ (قطب الدین بختیار) کی ہمراہی کو غنیمت سمجھ کر ان کے ساتھ چل دیے اور کچھ عرصے میں اس بزرگ مقام پر پہنچ گئے جو قبۃ الاسلام شہر ملتان ہے۔ وہاں حضرت شیخ الإسلام بہاء الحق و الدین زکریا قریشی رہتے تھے۔ وہ آں دونوں نامدار اور باوقار بزرگواروں کی صحبت سے کہ جن سے ان کو بے انتہا محبت و شفقت تھی، مل کر بہت خوش ہوئے اور وہ اکثر ایک جگہ رہتے تھے۔ اس زمانے میں قبۃ الاسلام ملتان ایک ترک قباچہ بیگ[1] کے قبضہ و تصرف میں تھا [۱۹] کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

ملتان پر مغلوں کا حملہ

حضرت سلطان الاولیاء نظام الحق و الدین محمد بدایونی سے منقول[2] ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ سلطان العاشقین شیخ قطب الدین اوشی، برہان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاء الدین زکریا قریشی ایک جگہ پر تھے یکبارگی چند ملعونوں (مغول) نے خطا و ختن کی جانب سے آ کر ملتان کے قلعے کو گھیر لیا اور اہل ملتان اپنی زندگیوں سے ناامید ہو گئے۔ وہ قباچہ بیگ حضرت قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں آیا اور حضرت سے اس بلا کے دور کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے ایک تیر مانگا اور اس ترک کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ جب مغرب کی نماز کا وقت ہو تو قلعے کے برج پر جا کر کفار کی طرف اس تیر کو پھینکنا۔ قباچہ مذکور نے وہ تیر لے لیا اور قلعے کے برج پر پہنچا اور اس تیر کو کمان میں رکھ کر ان ملعونوں (مغول) کی

---

۱ - ناصر الدین قباچہ ۶۲۵ھ میں دریائے سندھ میں غرق ہوا (طبقات ناصری، ص۸۳)۔
۲ - فوائد الفواد ص ۱۸۵، سیر الاولیاء ص ۴۷ -

جانب پھینک دیا اور گھر چلا آیا - اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی رات اس علاقے کے قرب و جوار سے وہ قوم ایسی ناپید ہو گئی کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہا -

چند روز کے بعد حضرت خلاصۃ المشائخ (خواجہ قطب الدین) وہاں سے دارالخلافہ دہلی کی طرف چلے اور شیخ جلال الدین تبریزی غزنین کی طرف چلے گئے - اگرچہ قباچہ نے بہت اصرار کیا کہ کچھ عرصے اپنی ذات بابرکات سے اس مقام کو اور عزت بخشیں لیکن حضرت شیخ متوجہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ جگہ شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا کے ذمے اور حوالے ہے اور ہمیشہ ان کی پناہ میں رہے گی -

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت سلطان العارفین شیخ فریدالحق و الشرع و الدین قدس سرہ مسعود اجودھنی ملتان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی بیعت سے مشرف ہوئے - انشاء اللہ تعالیٰ ان کے ذکر میں تحریر کیا جائے گا -

شمس الدین التتمش کا استقبال کرنا

منقول ہے کہ جب وہ حضرت شہر ملتان سے دہلی تشریف لائے . سلطان شمس الدین التتمش نے حق سبحانہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور ان کا استقبال کیا اور چاہا کہ حضرت کو شہر میں لائیں اور حضرت شہر میں سکونت پذیر ہوں - حضرت نے پانی کے استعمال کی وجہ سے سرحد کیلوکھری میں قیام فرمایا اور وہیں رہنے لگے - چنانچہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود اودھی کتاب خیر المجالس میں ذکر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں دہلی کے شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی تھے ، ان کی تعریف حضرت سلطان المشائخ نظام الحق نے کتاب [۲۰] فوائد الفواد میں کی ہے - شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی کو حضرت سلطان المشائخ قطب الدین بختیار سے بے حد اتحاد اور زیادہ اعتقاد ہو گیا اور حضرت شیخ محمد عطا المعروف بہ حمید الدین ناگوری کو شہر بغداد میں حضرت قطب المشائخ سے بہت اعتقاد ہو گیا تھا اس جگہ سو گنا ظاہر ہوا اور حضرت حمید الدین محمد عطا صدق و صفا کی وجہ سے اکثر اوقات حضرت (خواجہ قطب الدین) کی صحبت میں رہتے -

سلطان شمس الدین ہفتے میں دو بار ان کی خدمت میں جاتا اور ان سے فیض

---

۱ - مغول نے ملتان پر ۶۲۱ھ میں حملہ کیا تھا (طبقات اکبری ص ۵۸) نیز دیکھیے سیر الاقطاب ص ۱۴۹ -

حاصل کرتا ۔ چونکہ ان کی مبارک قیام گاہ شہر سے کچھ دور تھی اس لیے سلطان شمس الدین نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اگر براہ عنایت و کرم آپ شہر کے نزدیک قیام پذیر ہو جائیں تو بہت بہتر اور نہایت خوب ہو ۔ حضرت شیخ (خواجہ قطب الدین) نے ان کی درخواست منظور کرلی اور شہر کے نزدیک مسجد ملک اعز الدین کے نزدیک قیام فرمایا ۔ تمام معززین اور امراء ان کی جانب متوجہ ہوئے اور سب ان کی صحبت اور طریقے کے عاشق و فریفتہ ہو گئے ۔ اسی زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی[1] ان کی بیعت اور خرقے سے مشرف ہوئے تھے اور آنھوں نے اپنی عمر عزیز ان کی صحبت میں گزار دی اور طرح طرح کی برکتیں حاصل کیں ۔

منقول ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین شہر میں رہنے لگے تو آنھوں نے اشتیاق ملاقات کا ایک خط حضرت سلطان الآفاق شیخ معین الحق و الدین کی خدمت میں روانہ کیا ۔ وہ اس زمانے میں شہر اجمیر میں قیام پذیر تھے ۔

اگر بہ بشارت اشارت مسرور فرمایند شرف پابوس حاصل نمودہ آید ۔	اگر حضور اجازت سے مشرف و مسرور فرمائیں تو شرف قدم بوسی حاصل ہو ۔

حضرت معین الحق و الدین رح نے خط کے جواب میں یہ مضمون ارسال فرمایا

المرء مع من احب ، معتبر است ۔ قرب جانی را بعد مکانی مانع نیست بسلامت و بصحت ہم آنجا باشید ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چند گاہ بارادت حضرت اللہ ہم درآں طرف توجہ نمودہ خواہد شد ۔	''المرء مع من احب'' درست ہے ۔ قرب جانی کو بعد مکانی کبھی مانع نہیں ہوتا ہے ۔ صحت و سلامتی سے وہیں رہو ۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ عرصے کے بعد بمشیت ایزدی ہم خود اس طرف آئیں گے ۔

مجبوراً ان پیر بزرگوار (خواجہ بزرگ) کے حکم سے خلاصۃ الابرار (خواجہ قطب الدین) اس شہر (اجمیر) کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ۔

شیخ الاسلامی کے عہدے سے انکار

منقول ہے کہ اسی زمانے میں حضرت شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی نے

---

۱ ۔ شیخ بدر الدین غزنوی کے لیے دیکھیے اخبار الاخیار ص ۵۶ ۔ ۵۷ ۔ نیز دیکھیے تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۵ ۔ ۱۵۶ ، سیرالاولیاء ، ص ۱۶۵ ۔ مزارات اولیائے دہلی (ص ۷۰) میں تاریخ انتقال ۱۱ ربیع الاول ۶۵۷ھ اور وفیات الاخیار (ص ۲۴) میں ۱۶ ربیع الاول ۶۵۷ھ لکھا ہے ۔

دعوت اجل کو قبول کیا یعنی اس دارزحمت سے جوار رحمت حق کی طرف کوچ کیا۔ سلطان شمس الدین نے چاہا کہ اس شہر اور علاقے کو حضرت شیخ المشائخ قطب الدین بختیار کے سپرد کر دیں۔ حضرت نے شیخ الاسلامی کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ اس کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔ آج تک ان بزرگوار (نجم الدین صغریٰ) کا مزار [۲۱] مولانا برہان الدین بلخی کے متبرک مقبرہ کے نزدیک دہلی میں حوض شمسی پر موجود ہے[۱]۔

نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام دہلی

ان شیخ نجم الدین صغریٰ کا طریقہ اور اخلاق شیخ الاسلامی کے زمانے سے پہلے بہتر تھا۔ اس کے بعد جب اقبال دنیوی ان کو حاصل ہوا تو اس (سابقہ) حالت پر نہیں رہے۔ ادھر مخلوق خواجہ قطب الدین کی طرف بے حد و حساب متوجہ ہوئی اور لوگ ظاہری و باطنی فیوض سے مستفید ہوتے اور ترک علائق کر کے خواجہ قطب الدین کی صحبت میں رہنے لگے۔ اس سے ان (نجم الدین صغریٰ) کو حسد ہوا۔

شیخ الاسلام کی خواجہ بزرگ سے ملاقات

منقول ہے کہ اس زمانے میں شیخ معین الملت و الدین تشریف لائے۔ حضرت شیخ المشائخ قطب الملت والدین کو ایک بڑی دولت مل گئی۔ انھوں نے پروردگار کا دوگانہ ادا کیا اور چاہا کہ سلطان شمس الدین التتمش کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع دیں۔ حضرت شیخ المشائخ معین الدین نے منع فرما دیا کہ میں صرف تمہاری ملاقات کے لیے یہاں آیا ہوں کسی کو میرے حال سے تشویش میں مت ڈالو۔ میں دو تین روز سے زیادہ اس جگہ قیام نہیں کروں گا۔ حضرت (خواجہ بزرگ) کو خاص و عام کا اجتماع مطلق پسند نہیں تھا۔

باوجودیکہ وہاں کے قرب و جوار کے رہنے والے تمام مشائخ، حضرت کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھا مگر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ اس حسد کے سبب سے نہ آئے کہ جو وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار سے رکھتے تھے حالانکہ شیخ الاسلام مذکور کو حضرت (خواجہ بزرگ) سے خراسان

۱۔ مزارات اولیائے دہلی میں تاریخ انتقال برہان الدین بلخی ۱۳ ذی الحجہ ۶۸۷ھ تحریر ہے۔ ان کے مزار کے قریب نجم الدین صغریٰ کا مزار ہے (مزارات اولیائے دہلی ص ۹۷ - ۹۸) نیز دیکھیے اخبار الاخیار ص ۵۲۔

میں بے حد اتحاد و اعتقاد تھا - دوسرے یا تیسرے روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ نجم الدین کی ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے - شیخ الاسلام نے نیا مکان بنایا تھا اور وہ مزدوروں کو تاکید کر رہے تھے کہ اسی حال میں حضرت شیخ معین الدین وہاں پہنچ گئے - شیخ الاسلام نجم الدین جیسا کہ چاہیے تھا اس طرح ان کی جانب استقبال کے لیے نہیں بڑھے اور محبت و مؤدت سے پیش نہ آئے - حضرت سلطان المشائخ معین الدین کو یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی - انہوں نے فوراً کہا کہ اے نجم الدین ! تجھ پر کیا بلا آ گئی کہ جس نے تجھے بدل دیا شاید شیخ الاسلامی کے مرتبے نے تجھ میں غرور پیدا کر دیا - جب شیخ الاسلام نے یہ بات سنی تو شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا اور عذر کرنے لگے اور کہا کہ میں وہی مخلص ہوں کہ جو اس سے پہلے تھا اور قدم بوسی کرتا ہوں - اب آپ نے (اپنے) ایک مرید (خواجہ قطب الدین بختیار اوشی) کو یہاں چھوڑ رکھا ہے کہ تمام مخلوق اور شہر کے مشائخ اس کی طرف متوجہ ہیں اور میری شیخ الاسلامی کو کوئی نہیں پوچھتا کہ کس کھیت کی مولی ہے - حضرت شیخ معین الدین نے [۲۲] جب یہ بات سنی تو مسکرائے اور فرمایا کہ نجم الدین خاطر جمع رکھو کہ میں ان سلکہ سے قطب الدین بختیار کو اپنے ساتھ شہر اجمیر لے جاؤں گا - حضرت نے یہ بات کہی اور گھر سے باہر چلے آئے - شیخ الاسلام نے ہر چند کھانے کے لیے اصرار کیا مگر حضرت نے قبول نہیں کیا۱ -

کہتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ و الاولیاء شیخ فرید الملت والدین مسعود اجودھنی اس زمانے میں سلطان المحققین حضرت خواجہ قطب الدین کی خدمت میں تھے اور حضرت (شیخ فرید الدین)، خواجہ قطب الدین کی صحبت میں حضرت معین الملت و الدین کی دست بوسی کے شرف سے بھی مشرف ہوئے - چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین بارہا فرماتے تھے کہ بابا بختیار تم نے ایک بڑے شہباز کو قید کر لیا ہے کہ جو سوائے سدرۃ المنتہیٰ کے اور کہیں قیام نہیں کرے گا - یہ فرید ایک شمع ہے کہ درویشوں کے خاندانوں کو منور کرے گا -

خواجہ قطب الدین کی اجمیر کو روانگی

چند روز کے بعد حضرت معین الملت و الدین نے شہر اجمیر کی جانب روانگی اختیار کی اور حضرت خواجہ قطب الدین ان کے ہمراہ روانہ ہوئے - بس ان کے شہر

---

۱ - سیرالاولیاء (آردو ترجمہ) ص ۵۰ - ۵۱ -

دہلی سے باہر جانے کی وجہ سے ہر محلہ میں کہرام مچ گیا اور ایک ماتم بپا ہو گیا۔ شہر کے بزرگوں نے بہت رنج کیا، حد یہ کہ حضرت قطب الملت و الدین جس جگہ قدم رکھتے تھے، لوگ وہاں کی خاک کو تبرک کی طرح اٹھا لیتے تھے۔ جب حضرت زبدۃ المشائخ معین الحق و الدین نے یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ بابا قطب الدین تم اسی مقام پر رہو کہ تمہارے جانے سے یہاں کے لوگ بہت پریشان اور مضطرب ہیں ۔ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ اتنے دلوں کو صدمہ پہنچایا جائے ۔ اس شہر کو تمہاری پناہ میں دیا ۔ سنا گیا ہے کہ جب سلطان شمس الدین نے یہ بات (روانگی خواجہ قطب الدین) سنی تو پریشان ہو کر ان کے پیچھے دوڑا اور جب وہ حضرت کے پاس پہنچا تو اس نے بھی حضرت (خواجہ معین الدین) سے عرض کیا ۔ اس کی درخواست کو حضرت شیخ (خواجہ بزرگ) نے قبول کیا ۔ حضرت خواجہ قطب الدین اپنی جگہ واپس چلے گئے اور وہیں قیام فرمایا ۔ سبحان اللہ کیا اچھا طریقہ تھا کہ ان کی نظر میں دنیا و ما فیہا خشخاش کے ایک دانے کے برابر بھی نہ تھی ۔ وہ ہرگز کوئی ایسا نذرانہ جو نصاب (زکواۃ) کے لائق ہو اور اس پر زکواۃ واجب ہو جائے ہرگز قبول نہیں فرماتے تھے اور ہمیشہ ذات حق کی یاد میں مستغرق رہتے ۔ جب نماز کا وقت آتا تو مراقبہ سے آنکھیں کھولتے ، غسل کرتے اور نماز ادا کرتے ۔

ازدواجی زندگی

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت شیخ قطب الدین نے آخر میں قرآن مجید [۲۳] حفظ کیا[۲] اور ہر روز کلام اللہ کے دو ختم کر لیتے تھے ۔ عجب زمانہ تھا ، اپنے پاس پیسہ نہیں رکھتے تھے۔ آخر زمانے میں ازدواجی زندگی اختیار کی ۔ حضرت کے دو جوڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔ چھوٹے لڑکے کا نام شیخ محمد رکھا اور بڑے کا شیخ احمد کہ جو ان کے مزار کے برابر دفن ہیں ۔ اس مقام کے مجاور نے وہاں کا نام شیخ احمد تماجی[۳] مشہور کر دیا ہے ۔ شیخ محمد مذکور سات سال کی عمر میں فوت ہوگئے۔ حضرت (خواجہ قطب الدین) کی زوجہ نے لڑکے کی وفات پر گریہ و زاری کی ۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے جب بیوی کی

---

۱ ۔ سیرالاولیاء ص ۵۵ - ۵٦ ۔
۲ ۔ فوائد الفواد ص ۱۳۵ ۔
۳ ۔ نسخۂ اول میں شماجی لکھا ہے (ص ۵۳) ۔

آواز سنی تو شیخ بدر الدین غزنوی سے پوچھا کہ میرے گھر میں رونے کی آواز کیسی ہے اور کون گریہ و زاری کرتا ہے؟ شیخ بدر الدین نے عرض کیا کہ حضور کے فرزند ارجمند انتقال فرما گئے، شاید ان کی ماں مضطرب ہیں۔ جب یہ سنا تو افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر مجھ کو اس کی تکلیف سے واقفیت ہوتی تو خدا کی درگاہ میں اس کی زندگی کے لیے دعا کرتا، حق تبارک تعالیٰ قبول فرماتا۔ چونکہ اس کا وقت آ گیا تھا اس لیے مجھے معلوم نہیں ہوا۔ یہ کہا اور اس کی ماں کو رونے سے منع کیا اور خود مراقبۂ حق سبحانہ تعالیٰ میں مستغرق ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسا ان کا استغراق تھا کہ ان کو اپنے بیٹے کی تکلیف اور موت کی بھی خبر نہ ہوئی[۱]۔

کاکی کی وجہ تسمیہ

منقول ہے کہ ان کو کاکی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب انھوں نے دہلی میں توطن اختیار کیا تو کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے۔ اس زمانے میں ان کے گھر میں بیوی، کنیزیں، لڑکے اور خادم سب نو نفر تھے جو ان سے متعلق تھے۔ ان کے پڑوس میں ایک مسلمان بقال رہتا تھا جس کا نام شرف الدین[۲] تھا۔ اس شرف الدین کی بیوی سے حضرت (خواجہ بختیار) کی زوجہ کے تعلقات تھے، وہ کبھی کبھی ان کے گھر آتی تھی۔ جب کوئی چیز موجود نہ ہوتی اور ایک دو فاقے ہو جاتے تو حضرت خواجہ قطب الدین کی بیوی، شرف الدین بقال کی زوجہ سے آدھا تنکہ یا اس سے کم یا زیادہ قرض لے لیتیں جس سے اپنے بچوں اور متعلقین کا کھانا تیار کرتیں۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی۔ جب غیب سے کچھ عنایت ہو جاتا تو قرض ادا کر دیتیں۔

ایک دن شرف الدین بقال کی عورت نے ان کی بیوی سے کہا کہ اے بی بی! اگر ہم نہ ہوں اور قرض نہ دیں تو تمہاری حالت مرنے کے قریب پہنچ جائے۔ یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین کی بیوی کو ناگوار ہوئی اور یہ عہد کیا کہ قرض کے طور پر اس سے ہرگز کچھ نہیں لیں گے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ انھوں نے یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین سے عرض کر دی کہ جب ہمارے گھر میں متواتر دو تین فاقے گزر [۲۴] جاتے ہیں تو میں اس بقال شرف الدین کی عورت سے تھوڑا سا قرض لے لیا کرتی تھی جس سے متعلقین کے لیے کھانا تیار کرتی تھی۔ اب شرف الدین

---

۱ - سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۶ -
۲ - ملاحظہ ہو مزارات اولیائے دہلی ص ۶۹ - ۷۰ -

کی عورت نے اس طرح کی بات کہی کہ اگر ہم نہ ہوں تو تمہارے یہاں ہلاکت واقع ہو جائے ۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے جب یہ بات اپنی بیوی سے سنی تو کچھ دیر تامل کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ شرف الدین کی بیوی سے قرض نہیں لینا چاہیے اور ایک طاق کی طرف اشارہ کیا کہ جو ان کے حجرۂ مبارک میں تھا اور فرمایا کہ ضرورت کے وقت جس قدر روٹیاں چاہئیں ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اس میں سے نکال لینا اور اپنے متعلقین میں سے جس کو چاہنا دے دینا ۔ چنانچہ ان کی بیوی اس طاق سے کہ جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا تھا ، گرم روٹیاں نکال لیتیں اور تقسیم کر دیتیں ۔ اب بھی ان کے متبرک مقبرے میں روٹیاں پکاتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں[۱] ۔

خضر علیہ السلام سے ملاقات

خضر علیہ السلام اکثر ان کے پاس آتے تھے ۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پیر فرید الملت والدین قدس سرہ سے سنا ہے کہ وہ صاحب کمال جب ابتدائی زمانے میں قصبہ اوش سے باہر آئے اور ایک شہر میں پہنچے ۔ چند روز وہاں قیام کیا ۔ اس شہر سے دور ایک مسجد تھی جس میں ایک مینار تھا ۔ ان کو ایک دعا ملی کہ جو کوئی اس دعا کو آخر شب میں پڑھے اور خالی گوشے میں دو رکعت نماز ادا کرے تو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اس سے ملاقات کریں ۔ حضرت (خواجہ بختیار) آخر شب میں اس مسجد میں آئے ۔ دو رکعت نماز پڑھی اور جو دعا ان کو ملی تھی اس کو پڑھا ۔ کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا ۔ جب وہاں سے واپس آئے تو اس مسجد کے دروازے پر ایک نورانی بزرگ کو دیکھا انھوں نے کہا کہ رات کے وقت تم اس جگہ کیا کرتے ہو ؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ اے خواجہ ! مجھ کو ایک دعا اس جگہ ملی تھی کہ جو کوئی اس مسجد کے گوشے میں جائے ۔ دو رکعت نماز پڑھے اور اس دعا کو پڑھے تو اسے اللہ تعالیٰ خواجہ خضر علیہ السلام سے ملائے گا ۔ اس بزرگ نے کہا کہ کیا تو دنیا چاہتا ہے ؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے کہا کہ دنیا سے میں کچھ نہیں چاہتا ۔ پھر اس بزرگ نے کہا کہ کیا تجھے کچھ قرض ادا کرنا ہے ؟ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ مجھے قرض ادا کرنا نہیں ہے ۔

---

۱ ۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خواجہ قطب الدین ضرورت مندوں کو سونے یا چاندی کی کاک دیا کرتے تھے (ابن بطوطہ ۲ : ۴۷) ۔

پھر اس بزرگ نے کہا کہ خواجہ خضر کا کیا کرے گا کہ وہ خود تیری طرح سرگرداں ہیں ۔ اس شہر میں ایک مرد ہے کہ جو حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور حضرت خضر سات[1] مرتبہ اس بزرگ کے پاس جا چکے ہیں مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی ۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بزرگ متبرک صورت مسجد کے ایک گوشے سے ان پہلے بزرگ کے پاس آئے جو حضرت سے گفتگو کر رہے تھے ۔ جب انہوں نے ان کو دیکھا تو حضرت سلطان المشائخ (خواجہ قطب الدین) کا ہاتھ پکڑا اور ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یہ مرد یعنی حضرت ملک المشائخ قطب الملت و الدین، دنیا [۲۵] نہیں چاہتے اور نہ ان کو کچھ قرض ادا کرنا ہے لیکن تمہاری صحبت کے آرزو مند ہیں ۔ جب انہوں نے یہ کہا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ حضرت خواجہ خضر ہیں اور دوسرے بزرگ بھی مردان غیب سے تھے ۔ خواجہ قطب الدین کو حقیقت معلوم ہو گئی تو دونوں ان کی نظر مبارک سے غائب ہو گئے[2] اور یہ واقعہ ابتدائے سلوک میں گزرا ۔ اس حقیر (جمالی) نے بھی اس جگہ کو دیکھا ہے ۔

حوض شمسی (دہلی) کی تعمیر

سلطان شمس الدین التتمش کے دل میں عرصے سے یہ خیال تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض بنوائے[3] کہ خدا کی مخلوق اس کے پانی سے فیضیاب ہو ۔ چونکہ پانی شہر سے دور تھا لوگ کنوؤں کا پانی استعمال کرتے تھے ۔ اتفاق سے سلطان شمس الدین نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ گھوڑے پر سوار کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے شمس الدین ! اگر تو حوض بنوانا چاہتا ہے تاکہ خلق خدا کو اس سے آرام ملے تو جس جگہ میں کھڑا ہوا ہوں اس جگہ بنا ۔ جب سلطان شمس الدین بیدار ہوا تو اس نے اس جگہ کو کہ جس کے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا بہت تلاش کیا کہ

---

۱ ۔ فوائد الفواد (ص ۲۱۲) میں بارہ مرتبہ لکھا ہے ۔
۲ ۔ فوائد الفواد ص ۲۱۲ - ۲۱۳ ، سیرالاولیا (اردو ترجمہ) ص ۴۷ - ۴۸ ۔
۳ ۔ شمس الدین التتمش نے بدایوں کی گورنری کے زمانے میں بدایوں میں ایک حوض تعمیر کرایا تھا ۔ کنز التاریخ ص ۴۶ ، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۳ : ۶۲۴ ۔

کہاں ہے؟ ایک مصاحب کو حضرت خواجہ قطب الملت و الدین کے پاس بھیجا اور اطلاع دی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر حضور کی اجازت ہو تو میں آؤں اور عرض کروں۔ یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین کو بھی معلوم ہو چکی تھی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان مذکور کو اس امر کی بشارت فرمائی ہے کہ فلاں خاص زمین پر حوض بنایا جائے۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ جلد چلے آؤ۔ میں بھی اس جگہ چلتا ہوں کہ جس جگہ کی بابت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض بنانے کا حکم فرمایا ہے۔ جب مصاحب مذکور سلطان کے پاس پہنچا تو جو کچھ شیخ سے سنا تھا ظاہر کیا۔ سلطان فوراً حضرت شیخ کی جانب روانہ ہوا جب ان کے گھر پہنچا تو ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ قطب الدین فلاں جگہ تشریف رکھتے ہیں سلطان بھی اسی جگہ پہنچ گیا۔ دیکھا کہ حضرت شیخ نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوگانہ ادا کرنے کے بعد سلطان مذکور نے حضرت شیخ (قطب الدین بختیار کاکی) کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سم کے نشان اس جگہ پر ظاہر ہو گئے تھے اور وہاں سے پانی بھی جاری ہو گیا تھا۔ اسی جگہ حوض بنایا گیا اور اس جگہ کہ جہاں سموں کے نشان ظاہر ہوئے تھے ایک عمارت بنا دی گئی اور اس حوض کو مکمل کرا دیا گیا اور اس جگہ سے ایک سیراب کرنے والا چشمہ جاری کیا گیا کہ جو کبھی خشک نہیں ہوتا اور اس چشمے سے اکثر باغات کی آبیاری کی جاتی ہے[1]۔

مردان غیب سے ملاقات

اس چشمے اور حوض کی تعریف خواجہ امیر خسروؒ نے اپنی کتاب قرآن السعدین[2] میں کی ہے اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ اس حوض پرفیض کے قریب کتنے اولیاء اللہ آرام کرتے ہیں[3] اور اکثر حضرت خواجہ قطب الدین بھی وہاں

---

۱ - حوض شمسی کے لیے دیکھیے آثار الصنادید (طبع دہلی) ص ۵۷ اور آثار الصنادید (طبع کراچی) ص ۹۲ - ۹۳، سفر نامہ ابن بطوطہ (اردو ترجمہ) ۲ : ۴۶ - ۴۷ -

۲ - ملاحظہ ہو قران السعدین ص ۳۲ - ۳۳ و آثار الصنادید ص ۹۲ -

۳ - خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ع بروز یکشنبہ، حوض شمسی اور وہاں کے بزرگان کرام کے مزارات کی زیارت کی -

عبادت میں مشغول رہتے [۲۶] اور مردمان غیب سے ملاقات فرماتے اور بے انتہا فیض یاب ہوتے ۔ اکثر شیخ حمید ناگوریؒ، خواجہ محمود موینہ دوزؒ، شیخ بدر الدین غزنوی اور شیخ تاج الدین[1] منور اوشی بھی ان کے پاس رہتے ۔

ایک روز ایک بزرگ شتر سوار نیلا لباس پہنے ہوئے اس حوض کے کنارے پہنچے ۔ وہ لنگی باندھ کر اور خرقہ اتار کر حوض میں داخل ہوئے، غسل کیا، پانی سے باہر آئے، دوگانہ ادا کیا اور یہ درویش حضرت خواجہ قطب الدین کے ساتھ اس مسجد میں کہ جو سلطان شمس الدین کے لنگر خانے کے نزدیک حوض کے کنارے واقع ہے تشریف فرما تھے ۔ اچانک اس نیلی پوشاک والے شتر سوار نے نماز ادا کرنے کے بعد آواز دی کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کے کیا نام ہیں ؟ شیخ تاج الدین منور اوشیؒ نے جواب دیا کہ اس جگہ کئی درویش ہیں کہ جو ذات باری کی یاد میں مشغول رہتے ہیں ۔ پھر اس بزرگ نے فرمایا کہ اے تاج الدین منور حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور محمد عطا کو میرا سلام پہنچاؤ کہ ابو سعید دمشقی نیاز مند خاص ہے ۔ اور وہ مردان غیب سے ہے ۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین نے ابوسعید دمشقی کا نام سنا تو درویشوں کے ہمراہ ان کی طرف دوڑے ۔ جب اس جگہ پہنچے تو ان کا کوئی نشان اور اثر نہ پایا ۔ اکثر مردان غیب تنہائی اور خلوت میں شیخ (بختیار کاکی) کے پاس آتے تھے اور ان سے ملاقات کرتے تھے ۔

شیخ نظام الدین ابوالموید

منقول ہے کہ جب حضرت سید نور الدین[2] مبارک غزنوی غزنیں سے دارالخلافہ دہلی پہنچے ۔ ان کی ایک بہن تھیں جن کو رابعۂ عصر کہنا مناسب ہے انتہائی عفیفہ، نام نامی بی‌بی سائران تھا ۔ وہ عفت مآب زمانہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کو بھائی کہتی تھیں ۔ شیخ نظام الدین ابو الموید جو حضرت بی‌بی سائران کے فرزند تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کے تربیت یافتہ تھے وہ بھی بزرگ ترین اولیاء[3] میں سے ہیں ۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ

---

۱ ۔ مزارات اولیائے دہلی ص ۴۷ ۔

۲ ۔ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے، وفات ۶۳۲ھ ۔ دیکھیے اخبار الاخیار ص ۳۴ ۔ ۳۵ ۔

۳ ۔ شیخ نظام الدین ابو الموید بن شیخ جمال الدین غزنی میں پیدا ہوئے، وہیں سے

نظام الملت و الدین محمد بدایونی ان کے اوصاف میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شروع زمانے میں دہلی کی جامع مسجد میں کہ جس میں مینار ہے، میں جمعہ کے روز موجود تھا کہ حضرت شیخ المشائخ نظام الدین (ابوالموید) تشریف لائے اور صلوٰۃ تحیۃ المسجد میں مشغول ہوگئے کہ ان کی نماز نے مجھ پر حالت استغراق طاری کر دی اور ذوق تمام حاصل ہوا - نماز ادا کرنے کے بعد وہ منبر پر گئے - ایک خوش الحان شخص قاسم مصری تھے، انھوں نے کلام اللہ کی ایک آیت تلاوت کی - اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدین (ابوالموید) نے فرمایا کہ میں نے اپنے بابا کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ بیت :

نہ از عشق تو نے از تو عذر خواہم کرد[۱] جان در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

[۲۷] اس شعر کے سنتے ہی مخلوق نعرے مارنے لگی اور حاضرین رونے لگے - مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں از خود رفتہ ہو گیا[۲] -

امساک باراں اور شیخ نظام الدین ابو الموید کی دعا

اور ان ہی حضرت سے منقول ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ایک مرتبہ شہر میں بارش نہیں ہوئی - شیخ نظام الدین کو لوگوں نے مجبور کیا کہ بارش کے لیے دعا کیجیے - وہ منبر پر گئے اور بارش کے لیے دعا کی - اپنا رخ

پرورش اور تعلیم و تربیت پائی، اکابر مشائخ سے فیض پایا - ۶۷۲ھ میں انتقال ہوا (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ۱ : ۲۳۷) ان کے ایک فرزند عبداللہ تھے جن کے صاحبزادے شیخ جمال شمس العارفین (مدفون کول، علی گڑھ) ہیں - ان کی اولاد اور خاندان کے حالات میں ۱۱۵۳ھ میں راجی محمد نے ایک کتاب اخبار الجمال معروف بہ اشجار الجمال لکھی ہے جس میں ان کا نسب ابوعبیدہ ابن الجراحؓ سے ملایا ہے - مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے المعارف (ابن قتیبہ) کے حوالہ سے حضرت ابو عبیدہ کے متعلق لکھا ہے ''لاعقب لہ'' (استاذ العلماء ص ۲) -

۱ - فرشتہ میں یہ مصرع اس طرح ہے ''در عشق تو کے از تو حذر خواہم کرد'' (فرشتہ ۲ : ۱۰۸) اور فوائد الفواد (ص ۲۲۳) اور نزہۃ الخواطر (۱ : ۲۳۷) میں یہ مصرع اس طرح ہے : ''بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد''

۲ - فوائد الفواد ص ۲۲۳ -

مبارک آسمان کی جانب کیا اور زبان مبارک سے عرض کیا کہ اے خدا تیری عظمت کی دہائی ہے اگر تو نے آج مینہ نہ برسایا تو میں پھر کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ یہ کہا، ابھی وہ منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے کہ بارش ہونے لگی۔ اس کے بعد سید قطب الدین ترمذی نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھ کو آپ سے کامل اعتقاد ہے اور جانتا ہوں کہ آپ کو حق تعالیٰ سے پورے طور پر نیاز حاصل ہے لیکن آپ نے یہ بات کیوں کہی تھی کہ اگر بارش نہ بھیجی تو میں پھر کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید نے جواب دیا کہ میں یقین سے جانتا تھا کہ حق تعالیٰ باران رحمت بھیجے گا۔ اس وقت یہ ایک زائد بات کہہ دی۔ سید صاحب نے کہا کہ کیسے جانتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ مجھ سے اور حضرت نور الدین غزنوی سے سلطان شمس الدین کی مجلس میں کسی بات پر نزاع ہو گیا تھا اور وہ حضرت مجھ سے کچھ رنجیدہ ہو گئے تھے۔ جب مجھ سے لوگوں نے دعائے باراں کے لیے کہا تو میں ان کے روضے پر گیا اور کہا کہ مجھ سے لوگ دعائے باراں کے لیے کہتے ہیں اور آپ مجھ سے رنجیدہ ہو گئے ہیں۔ اگر آپ معاف فرما دیں تو دعائے باراں کروں۔ میں نے روضے سے آواز سنی کہ میں نے تم سے صلح کی۔ تم جاؤ اور دعائے باراں کرو۔ حق تعالیٰ ضرور باران رحمت بھیجے گا۔ میں نے اس بھروسے پر یہ بات کہی تھی[1]۔

حضرت سلک المشائخ شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھیؒ سے منقول ہے کہ ایک زمانے میں بارش نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید کو تمام بزرگوں نے دعائے باراں کے لیے منتخب کیا۔ وہ منبر پر گئے، دعا کے درمیان ہاتھ کو آستین کے اندر کر لیا۔ ایک اور کپڑا باہر نکالا، پھر آسمان کی طرف دیکھا اور اس کپڑے کو ہلایا۔ اتنی بارش ہوئی کہ تحریر میں نہیں آ سکتی۔ جب اپنے مکان پر تشریف لائے، مولانا وجیہ الدین یحییٰ نے جو حضرت سلطان العارفین قطب الدین کے مرید ہیں، ان سے دریافت کیا کہ آپ نے جو کپڑا آستین سے نکالا، آسمان کی طرف دیکھا اور اس کو ہلایا، یہ سب کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ کپڑا وہ دوپٹہ تھا کہ جو حضرت سلطان العارفین قطب الدین بختیار اوشیؒ نے میری والدہ کو عطا کیا تھا۔ اس کی برکت سے بارش ہوئی[2]۔

---

۱ - فوائد الفواد ص ۳۴۴، فرشتہ ۱ : ۳۰۱ -

۲ - فوائد الفواد ص ۳۳۸ - ۳۳۹، فرشتہ ۱ : ۳۰۱ - ۳۰۲ -

ناصری شاعر دربار التتمش میں

سنا گیا ہے کہ ایک شاعر ناصری ماوراء النہر سے دہلی آیا اور حضرت سلطان العارفین و العاشقین [۲۸] قطب الدین بختیار اوشی کے مکان کا پتہ لوگوں سے پوچھا ۔ جب ان کے مکان کا پتہ معلوم ہو گیا تو وہ مقدس مقام کی طرف دوڑا اور حضرت قطب الدین کی آستانہ بوسی سے مشرف ہوا ۔ اس نے دعا کی درخواست کی کہ میں نے ایک قصیدہ سلطان شمس الدین کی مدح میں لکھا ہے ۔ حضور کرم فرمائیں کہ اس کا بہترین صلہ میرے ہاتھ آئے ۔ چنانچہ حضرت شیخ نے فاتحہ پڑھی اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جا انعام با برکت پائے گا ۔ ناصری مذکور ان کے ارشاد سے خوش ہوا ۔

جب وہ سلطان کی خدمت میں پہنچا ، اس نے کھڑے ہو کر قصیدے کے اشعار پڑھنا شروع کیے ۔ اس قصیدے کا مطلع یہ تھا کہ جو کتاب فوائد الفواد میں تحریر ہے ۔ شعر :

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ تیغ تو مال و خیل[1] ز کفار خواستہ

سلطان اس مطلع کے شروع ہونے کے وقت کسی دوسری بات میں مشغول تھا ۔ ناصری مذکور نے حضرت شیخ قطب الدین سے شفاعت چاہی اور مدد مانگی ۔ اسی وقت سلطان شمس الدین نے ناصری کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ پڑھ

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ تیغ تو مال و خیل ز کفار خواستہ

باوجودیکہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ تھا لیکن ایک ہی مرتبہ سن لینے سے مطلع یاد ہوگیا کہ اس نے پڑھنے کا حکم دیا ۔ جب ناصری نے قصیدہ ختم کیا تو سلطان نے فرمایا کہ ناصری اس قصیدے میں کتنے اشعار ہیں جو تم نے لکھے ہیں ؟ ناصری نے عرض کیا کہ ترپن اشعار ہیں ۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس کے صلے میں ناصری کو ترپن ہزار سفید تنکے (چاندی کا سکہ) دیے جائیں ۔ ناصری مذکور کا ہرگز یہ کہاں نہیں تھا کہ ترپن ہزار سفید تنکے حاصل کرتا ۔

مولانا سراج سے کہ جو طبقات (ناصری) کے مؤلف ہیں ، منقول ہے کہ میں نے ناصری سے سنا ہے کہ میں جب سلطان شمس الدین کے حضور میں قصیدہ لے جا رہا تھا ، سلطان المشائخ قطب الدین نے دعا فرما دی تھی ۔ جب سلطان کے سامنے قصیدہ لے گیا اور مطلع ادا کرنے کے وقت سلطان مذکور دوسری طرف متوجہ

---

۱ ۔ در فوائد الفواد پیل بجائے خیل (ص ۲۵۹) ۔

تھا، میں نے اپنے دل میں نیت کی اور شیخ قطب الدین کا وسیلہ اختیار کیا کہ "اگر سلطان اس قصیدے کی جانب پوری توجہ فرمائے اور جو صلہ بھی مجھے انعام دے، میں اس کا نصف حضرت شیخ کے پاس بطور شکرانہ لے جاؤں گا۔ جب مجھے ترپن بزار سفید تنکے انعام ملے تو میں ان میں سے نصف تنکے حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں لے گیا اور حضرت سے اپنی نیت کا حال بیان کیا۔ میں جتنی رقم شکرانے میں لے گیا تھا، وہ سب اُنہوں نے مجھ کو بخش دی اور مطلق اس (رقم) کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

مجلس سماع

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ علی سجستانی[1] کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، صاحبان حال اور اہل کمال درویش جمع تھے [۲۹] حضرت سلطان العارفین و زبدۃ العاشقین شیخ المشائخ قطب الملت و الدین بختیار اوشی بھی موجود تھے۔ قوال نے یہ شعر پڑھا:

بیت

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است[2]

حضرت سلطان المشائخ قطب الملت و الدین کو ایسا حال، تغیر اور تحیر پیدا ہوا کہ بالکل از خود رفتہ ہوگئے۔ سلطان المشائخ و الاولیاء شیخ محمد عطا المشہور بہ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ المشائخ بدر الدین غزنوی حضرت کو مکان پر لائے اور جن قوالوں نے یہ شعر پڑھا تھا، اُن کو بلایا۔ جیسے ہی وہ شعر کی تکرار کرتے تھے حضرت سلطان المشائخ قطب الدین کو وجد آتا تھا۔ یہاں تک کہ تین شبانہ روز اسی حال میں رہے۔ نماز کے وقت از سر نو وضو فرما کر فرض اور سنت موکدہ ادا کرتے تھے اور پھر وہی کیفیت ہو جاتی تھی یہاں تک کہ حضرت کی ہڈیاں اپنی جگہ پر نہیں رہیں۔

کشتۂ خنجر تسلیم

چوتھی شب میں حضرت کی حالت زیادہ خراب ہوگئی۔ حضرت کا سر مبارک حضرت شیخ محمد عطا حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا اور ان کے پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی گود میں تھے۔ اسی حالت میں شیخ حمید الدین نے عرض کیا

---

۱ ۔ در فوائد الفواد "سجزی" (ص ۲۴۶) ، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۱ ۔
۲ ۔ فوائد الفواد ص ۲۴۶ - ۲۴۷ ۔

کہ حضور کی حالت غیر ہو رہی ہے - اپنے خلفاء میں سے کسی ایک کے متعلق حکم فرما دیجیے کہ جو جناب کی جگہ پر ہو جائے - اگرچہ حضرت شیخ (قطب الدین بختیار کاکی) کے فرزند اکبر تھے لیکن حضرت ان کی جانب متوجہ نہ ہوئے اور حکم دیا کہ وہ خرقہ جو حضرت شیخ المشائخ معین الدین سے مجھے ملا ہے خاص مصلے ، عصا اور چوبی نعلین کے ساتھ شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچا دیں -

فرید الدین مسعود کی سجادہ نشینی

اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام فرید الملت و الدین شہر ہانسی میں قیام پذیر تھے - جس رات کو حضرت قطب الملت و الدین نے رحلت فرمائی ، اسی رات کو حضرت فرید الملت و الدین قدس سرہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب الملت و الدین کو درگاہ باری تعالیٰ میں بلاتے ہیں - یہ خواب دیکھنے کے بعد وہ علی الصباح دہلی کی جانب روانہ ہو گئے - وہاں کے دن شیخ محمد عطا حمید الدین ناگوری نے ایک درویش کو ہانسی کی طرف دوڑایا کہ حضرت شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کو اس حادثے کی اطلاع دے - کہتے ہیں کہ وہ درویش حضرت سلطان المشائخ فرید الدین مسعود سے قصبہ ...م درہ میں جو کم و بیش آدھے راستے میں ہوگا ، ملا - درویش مذکور نے وہ خط جو اس کے پاس تھا حضرت کو دیا - جب حضرت (فرید الدین مسعود) نے اس خط کو پڑھا تو اس جگہ سے تیز تر روانہ ہوئے ، چنانچہ تیسرے روز حضرت سلطان المشائخ قطب الدین کے مقبرے پر پہنچے اور اپنا گرد سے بھرا ہوا چہرہ ان کے مرقد پر ملا -

حضرت شیخ محمد عطا (حمید الدین ناگوری) اور شیخ بدر الدین نے خرقہ ، مصلیٰ ، عصا اور چوبی نعلین اس جگہ حاضر کیے اور حضرت قطب المشائخ و الاولیاء (بختیار کاکی) کی وصیت ان سے بیان کی - انھوں نے اس مجلس میں [۳۰] وہ خرقۂ مبارک زیب تن کیا ، وہ خاص مصلیٰ بچھایا اور دوگانہ ادا کیا اور حضرت سلطان المشائخ و الاولیاء قطب الملت و الدین کے مکان میں قیام فرمایا -

مرقد کے لیے زمین خریدنا

حضرت خلاصۂ المشائخ شیخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ عید کا دن تھا ، حضرت شیخ خواجہ قطب الدین نے عید گاہ سے واپسی فرمائی اور اس جگہ تشریف لائے کہ جہاں اب حضرت کا روضۂ مطہرہ ہے - اس جگہ تھوڑی سی زمین تھی جہاں کوئی قبر نہ تھی - وہاں کچھ دیر کھڑے ہوئے اور غور فرمایا - جو

درویش آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا کہ آج عید ہے، خلق خدا انتظارمیں ہے کہ آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہو اور کھانا کھائے۔ آپ اس جگہ دیر کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ مجھ کو اس زمین سے بوئے عشق آ رہی ہے، کچھ دیر یہاں ٹھیرو۔ اس زمین کے مالک کو تلاش کیا اور اس کو بلوایا اور مال حلال سے اس زمین کو خریدا اور اپنے دفن کے لیے اس کو معین فرمایا[1]۔

وصال

شیخ المشائخ بدر الدین غزنوی سے منقول ہے کہ جس رات حضرت قطب الملت و الدین رحلت فرمائیں گے ان کے پائے مبارک میری گود میں تھے۔ میں نے حالت غنودگی میں دیکھا کہ حضرت آسمان کی جانب پرواز کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے بیداری میں دیکھا وہ پاک ذات ملک صفات اس خاک دنیوی سے جانب افلاک روانہ ہوگئی یعنی حضرت انتقال فرما گئے۔ ان کا انتقال ۱۴ ربیع الاول بروز پیر ہوا[2]۔

---

۱ ۔ سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۵ ۔
۲ ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ع کو ہوا (اخبار الاخیار ص ۳۲)، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۲ ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء بروز اتوار حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی ۔

شیخ المشائخ والاولیاء فرید الدین مسعودؒ

گل گلزار انوار معانی   دُر دریائے گنج لا مکانی
محیط معرفت شیخ خدا بیں   بقا باللہ را سلطان بہ تمکیں
مئے وحدت زجام عشق خوردہ   قدم در عالم لاہوت بردہ
چو فائے فقر را برقاف شد جائے   سویدائے دلش شد نقطہ فائے
بپا فا گشت بر نامش ہویدا   کمال فقر فخری کرد پیدا
بملک فقر فخری شاہ مقصود   فرید الدین و ملت شیخ مسعود
جمالی را چہ حد آں کہ اقدام   کشاید سوئے مدح آں نکو نام

وہ اولیائے کبار کا خلاصہ، اتقیائے اخیار کا انتخاب، تقدیس ربانی کے جنگل کے شیر، تسبیح سبحانی کی شبستاں کی شمع، اسرار مشیت خداوندی کے محرم اور انوار الٰہی کے ہمدم، ذات لا نہایت کے قرب سے خوب ،قرب، صفات بیغایت کے لور سے موصوف، اور طاعت خداوندی میں مستغرق تھے ۔ سلطان المشائخ فرید الدین مسعود اولیائے کبار میں سے تھے اور طریقہ مشیخت میں صاحب اعتبار تھے ۔ وہ عجیب و غریب روش رکھتے تھے ۔ بود و باش کا طریقہ بھی خوب تھا ۔ کشف و کمالات میں درجہ عظیم اور تسلیم و رضا میں مستقیم تھے ۔

والد بزرگوار

ان کے والد بزرگوار جمال الدین سلیمان، [۳۱] سلطان محمود غزنوی کے بھانجے[۱] کابل کی طرف سے سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں ملتان آئے ۔ ملتان کے اطراف میں کھوتوال نامی ایک قصبہ ہے ۔ وہ بزرگوار وہاں کے قاضی ہوگئے ۔ وہیں انہوں نے شادی کی اور وہیں سکونت اختیار کر لی ۔ ان کے تین بیٹے ہوئے ۔ بڑے بیٹے کا نام اعز الدین محمد[۲]، منجھلے کا فرید الدین مسعود اور چھوٹے کا

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکر (وحید احمد مسعود) ص ۶۰ (آگے اس کتاب کا حوالہ ''سوانح بابا فرید'' سے دیا جائے گا)۔
۲ ۔ وحید مسعود نے بڑا بیٹا ''فرید الدین گنج شکر'' کو بتایا ہے۔ (سوانح ←

نجیب الدین محمد متوکل تھا ۔ ان نیک لڑکوں کی والدہ گرامی، وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں[1] ۔ وہ صلاحیت و عفت میں کامل تھیں اور ان کے کمالات و حالات مشہور ہیں ۔

والدہ ماجدہ

حضرت شیخ نظام الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ[2] ایک رات ان کی والدہ عبادت و تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور ان کے گھر میں داخل ہوا ۔ اس عفت مآب بی بی کے خوف سے وہ اچانک اندھا ہو گیا ۔ اس نے چاہا کہ وہ وہاں سے باہر چلا جائے مگر اندھا ہو جانے کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا ۔ اس نے آواز دی کہ میں چور ہوں اور اسباب چرانے کے لیے اس گھر میں آیا تھا ۔ اس گھر میں ضرور کوئی ایسی ہستی ہے کہ جس کی دہشت نے مجھے اندھا کر دیا ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بینائی چشم مجھے دوبارہ عطا ہو جائے تو پھر میں کبھی چوری نہیں کروں گا اور کفر سے اسلام میں داخل ہو جاؤں گا ۔ حضرت فرید الحق و الدین کی والدہ نے جب اس چور کے یہ الفاظ سنے تو اس کی بینائی کے لیے خدا سے دعا کی ۔ اللہ کے حکم سے چور کی آنکھیں بینا ہو گئیں ۔ اس صاحب کمال والدہ کے سوا کسی اور کو اس حال کی واقفیت نہ تھی ۔

جب دن نکلا تو ایک شخص اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ آیا اور ان کے لیے دہی بھی لایا اور کہا کہ میں وہی چور ہوں کہ جو گزشتہ رات اس گھر میں چوری کے لیے آیا تھا اور ایک نیک بی بی یہاں نماز میں مشغول تھیں ۔ میں دہشت سے بالکل اندھا ہوگیا ۔ میں نے دل میں عہد کیا کہ اگر میں بینا ہو جاؤں تو (آئندہ) ہرگز چوری نہیں کروں گا ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نیک بی بی کی برکت سے میری آنکھیں روشن ہو گئیں ۔ اب میں آیا ہوں کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسلمان ہو

بابا فرید ص ۶۲ - ۶۶ ۔ خلیق احمد نظامی نے "اعز الدین محمود" لکھا ہے ملاحظہ ہو

The Life and Times of Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakar

آئندہ اس کا حوالہ "فرید الدین گنج شکر" سے دیا جائے گا ۔

۱ ۔ ان خاتون کا نام قرسم خاتون یا مریم خاتون بتایا جاتا ہے (سوانح بابا فرید ص ۶۲، ۶۶)۔

۲ ۔ فوائد الفواد، ص ۲۰۹ - ۲۱۰ ۔

چاؤں۔ آخر اس نے ایسا ہی کیا، اور وہ صالحین سے ہوا، اس نے بہت سی خدمات انجام دیں۔ اب اس کی قبر اسی قصبے میں ہے۔ اس علاقے کے لوگ اس مزار کی زیارت سے برکتیں حاصل کرتے ہیں اور وہ شیخ عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الدین مسعود کے والد کی قبر اور حضرت شیخ کے بڑے بھائی اعز الدین محمد کا مزار اسی قصبے میں واقع ہے۔

خرقہ پوشی کے بعد ہانسی روانگی

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت قطب المشائخ والاولیاء بختیار اوشی کی وفات کے بعد حضرت شیخ المشائخ فرید الدین نے جب ان کا متبرک خرقہ پہنا تو ایک ہفتے سے زیادہ سلطان المشائخ (خواجہ بختیار کاکی) کے مکان میں [۳۲] نہ ٹھیرے اور شہر ہانسی کی طرف روانہ ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ وہاں (دہلی میں) حضرت نے اپنے پیر کے جماعت خانے میں قیام کیا تھا اور دہلی کے لوگوں نے ان کی قدم بوسی کے لیے ہجوم کیا۔ حضرت کو یہ بات پسند نہ آئی کہ مخلوق تشویش میں پڑے۔

اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، حضرت نماز کے ارادے سے گھر سے باہر نکلے، دیکھا کہ ایک مجذوب کہ جس کا نام سرہنگا تھا مکان کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ وہ مجذوب شہر ہانسی میں اکثر ان کی صحبت سے مشرف ہوتا رہتا تھا اور اس کو ان سے محبت تھی۔ جب اس نے حضرت سلطان المشائخ کو دیکھا تو ان کے پیروں پر گر گیا، سر خاک پر رکھ دیا اور رو کر کہنے لگا کہ شہر ہانسی میں میں نے اکثر آپ سے درم پائے ہیں اور میں (زیارت سے) مشرف ہوا ہوں۔ اب جب آپ نے یہاں قیام فرمایا تو مجھ سے نہ ہو سکا کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو بغیر دیکھے ہوئے ہانسی میں رہوں۔ آپ کے پیچھے پیچھے میں وہاں سے دوڑا اور یہاں پہنچ گیا۔ مجھے لوگوں نے اجازت نہیں دی کہ آپ کی قدم بوسی حاصل کروں۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس بات نے بہت رنجیدہ کیا۔ نماز جمعہ ادا کی اور فرمایا کہ جو نعمت حضرت پیر قطب الملت سے مجھے ملی ہے چاہے یہاں رہوں یا وہاں رہوں[۲] وہ میرے ساتھ رہے گی۔ یہ گفتگو کی اور شہر ہانسی کی طرف واپس ہوگئے۔ جب وہاں پہنچے

۱۔ سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۸۔
۲۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۳۱۵ - ۳۱۶، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۶۵ - ۶۶۔

تو وہاں کے خاص و عام کا زیادہ ازدحام ہوا اور لوگ زیارت کے لیے آنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت وہاں سے منتقل ہوگئے اور فرمایا کہ میں یقیناً ایسی جگہ قیام کروں گا کہ جہاں کوئی شخص مجھے پریشان نہ کرے۔

سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ جمال الدین ہانسوی[1] اس زمانے میں ان کے خرقۂ مبارک سے مشرف ہوئے تھے یعنی خلافت پائی تھی کہ جب حضرت شیخ الاسلام فرید الدین شہر دہلی سے اپنے پیر قطب الملت کی وفات کے بعد ہانسی کو واپس ہوئے تھے۔

اجودھن میں قیام

مختصر یہ کہ حضرت ملک المشائخ (فرید الدین) شہر ہانسی کے سفر کے بعد قصبہ اجودھن پہنچے کہ جو مشہور شہر دیبالپور کے قریب ہے، وہ ایک خراب مقام تھا وہاں آرام کیا۔ اس قصبے میں لوگ زیادہ تر خراب طبع، بد مزاج اور بد اعتقاد تھے۔ وہاں کسی شخص نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ جگہ اچھی ہے، اس جگہ اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو سکتا ہوں۔ قصبہ سے باہر کچھ درخت تھے، ان میں سے ایک بڑا درخت دیکھا اور اس درخت کے نیچے کمبل بچھا دیا اور وہاں عبادت میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ وہاں کوئی شخص ان سے مزاحم نہ ہوا اور انہیں اطمینان کلی نصیب ہوا۔

شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول[2] ہے کہ حضرت شیخ فرید الملت و الدین نے اس قصبے میں شادی کی، لڑکے پیدا ہوئے [۳۲] جامع مسجد کے قریب مکان بنوایا، ان کی اولاد وہاں رہتی تھی اور وہ اکثر اوقات اس مسجد میں نہایت استغراق سے مشغول عبادت رہتے، چنانچہ حضرت کی شہرت اطراف و جوانب میں ہو گئی کہ یہ ایسا آفتاب ہے کہ جو قطب الاقطاب ہے اور قصبہ اجودھن میں طلوع ہوا ہے۔ وہ اپنے ظاہر و باطن کے نور کے پرتو سے جس پر نظر ڈالتا ہے اس کو منور کر دیتا ہے۔

---

۱ - بابا فرید کے عزیز خلیفہ تھے - خزینۃ الاصفیاء میں (۱ : ۲۸۶) میں سال انتقال ۶۵۹ھ دیا ہے۔ حالات کے لیے دیکھیے اخبار الاخیار ص ۶۷ -۶۹ ؛ سیرالاولیاء ص ۱۷۸ - ۱۸۴ ، گلزار ابرار (اردو) ص ۵۴ ، تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۳ - ۱۶۴ ، برہان (دہلی) نومبر دسمبر ۱۹۶۰ء -

۲ - خیر المجالس ص ۸۹ - ۹۰ -

منقول ہے کہ جب ان کی بزرگی کی شہرت دنیا میں چاروں طرف پھیل تو طالبان حق نے اس سلطان الآفاق کی طرف یکایک رخ کیا ۔ حضرت کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی جماعت یکجا ان کی خدمت میں حاضر ہوتی تو آپ ان سے فرماتے دوستو! جب میرے پاس آیا کرو تو الگ الگ آیا کرو تاکہ تم علیحدہ ملاقات کر سکو۔

قاضی اجودھن کی خصومت

منقول ہے[۱] کہ قصبہ اجودھن کے قاضی کو حضرت سے بہت حسد اور دشمنی ہوگئی اور وہ ہمیشہ مخالفت میں رہتا تھا اور اس مقام کے گروہ بند حضرات کو وقتاً فوقتاً اشتعال دیتا رہتا تھا ، وہ لوگ اس پریشان دل (قاضی) کے اغوا سے حضرت سلطان المشائخ کے لڑکوں کو تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے ۔ حضرت سلطان المشائخ متوجہ نہیں ہوتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ انتہائے دشمنی کی وجہ سے قاضی نے شہر ملتان کے علماء کو اطلاع دی اور استفتاء لکھا کہ کیا یہ جائز ہے کہ ایک شخص جو اہل علم سے ہے خود کو درویش کہلوائے ، ہمیشہ مسجد میں رہے اور وہاں گانا سنے اور رقص کرے ۔ جب یہ استفتاء شہر ملتان کے علماء کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ بات تم نے کس کے متعلق لکھی ہے تاکہ ہم بتائیں ۔ قاضی مذکور نے شیخ المشائخ فرید الدین مسعود کا نام لیا ۔ جب انھوں نے حضرت (فرید الدین مسعود) کا نام مبارک سنا تو فوراً قاضی مذکور سے انکار کر دیا اور کہا کہ اے قاضی ! تو ایسے درویش کا نام لیتا ہے کہ مجتہدوں کو بھی یہ قوت نہیں ہے کہ اس کے قول و فعل پر اعتراض کریں اور اس کی مخالفت کریں ۔ قاضی مذکور نے جب ان کی بات سنی تو شرمندہ اور پریشان ہوا اور اپنے مقام پر واپس آیا لیکن وہ دشمنی سے باز نہیں آیا ۔ جس جگہ حضرت سلطان المشائخ کے لڑکوں یا ان کے معتقدین کو دیکھتا حتی الامکان ان کو تکلیفیں پہنچاتا ۔ انھوں نے شیخ المشائخ سے عرض کی کہ قاضی اور یہاں کے گروہ بند لوگ بہت تکلیفیں پہنچاتے ہیں ، ان کا ظلم و جور حد سے گزر گیا ہے ۔ حضرت سلطان المشائخ نے یہی جواب دیا کہ ان کے مظالم برداشت کرو ۔ ظالم ہمیشہ تباہ ہوتا ہے ۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ان کا نشان بھی نہ رہا اور جو لوگ باقی رہ گئے وہ حضرت کے لڑکوں کے مطیع ہوگئے اور اب تک ویسے ہی مطیع ہیں ۔

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۱۶۶ ۔

حضرت نظام الدین اولیاء [م۳] بدایوں سے منقول ہے کہ آخرکار وہ بد نہاد و پرفساد قاضی ایک ناپاک اور بے باک قلندر سے ملا۔ اور اس کو کوئی چیز دی اور اس بات پر رضا مند کر لیا کہ جب حضرت عبادت میں مشغول ہوں تو اُن کو تکلیف پہنچا کر غائب ہو جائے۔ حضرت سلطان المشائخ کی عادت تھی کہ نماز کے بعد سر خاک پر رکھ دیتے تھے اور دو تین گھنٹے تک اسی حالت میں رہتے اگر موسم سرما ہوتا تو ان کے سر مبارک پر آستین ڈال دی جاتی۔

ایک دن کوئی شخص وہاں موجود نہ تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ چمڑے کا لباس پہنے اور حلقہ کانوں میں ڈالے ایک قلندر وہاں آیا اس نے بڑے زور سے آواز دی اور ان کے نزدیک کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ حضرت شیخ کی وہ حالت جاتی رہی۔ حضرت سلطان المشائخ نے اسی وقت کہ سجدے میں تھے، آواز دی کہ یہاں کوئی نہیں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے اسی حالت میں کہا کہ میرے نزدیک ایک قلندر کھڑا ہے۔ میں نے عرض کی کہ ہاں! پھر فرمایا کہ اس کی کمر میں ایک زنجیر ہے۔ میں نے اس قلندر کی طرف دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں! پھر فرمایا کہ سفید حلقہ اس کے کان میں ہے۔ میں نے دیکھا تو یہ بھی تھا۔ حضرت شیخ الملت فرماتے ہیں کہ ہر بار جب حضرت سلطان المشائخ کے حکم سے میں اس قلندر کی طرف دیکھتا تھا تو اس کو متغیر پاتا تھا، یہاں تک ہوا کہ حضرت سلطان شیخ المشائخ نے اسی حالت میں فرمایا کہ مولانا نظام الدین! وہ ایک ننگی چھری بغل میں لے کر آیا ہے۔ اس سے کہو کہ تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہاں سے چلا جا۔ قلندر نے جب یہ بات سنی۔ فوراً وہاں سے بھاگا اور غائب ہو گیا[۱]۔

بابا فرید کا تحمل

سلطان المشائخ نظام الملت سے منقول ہے[۲] کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ فرید الملت سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے، اسی وقت ایک قلندر پہنچا۔ میں اور مولانا بدر الدین اسحاق حاضر تھے۔ قلندر مذکور حضرت شیخ المشائخ و الاولیا سے مخاطب ہوا اور سخت آواز سے کہا کہ کیا تو نے اپنے کو بت بنایا ہے اور مخلوق سے اپنی پرستش کراتا ہے؟ حضرت شیخ المشائخ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بنایا ہے،

۱۔ فوائد الفواد ص ۲۶۰ - ۲۶۱ -
۲ - فوائد الفواد ص ۸۰ - ۸۱ -

عطائے بزرگ نے بنایا ہے ۔ قلندر نے کہا کہ نہیں تو نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا ہے ۔ سلطان المشائخ نے جواب دیا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو کچھ نہیں بنا سکتا مگر حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو نوازتا ہے ۔ قلندر مذکور نے جب یہ بات سنی تو سر زمین پر رکھ دیا ۔ پھر کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ کے تحمل پر شاباش اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آفریں ہو اور جب تک دنیا باقی رہے ، یہ تحمل باعزت رہے ۔ اس کے بعد وہ چلا گیا ۔

تعلیم و بیعت

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت سے منقول ہے کہ جب [۳۵] حضرت سلطان العاشقین قطب الملت و الدین کی خدمت میں (حضرت فرید الدین مسعود) مرید ہوئے تو فرید الدین مسعود اٹھارہ سال کے تھے ، قبۃ الاسلام ملتان میں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور کتاب نافع[1] جو علم فقہ میں ہے پڑھتے تھے ، اسی مسجد میں رہتے تھے اور زہد و تقویٰ میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے ، قرآن شریف حفظ کرتے تھے ، دن اور رات میں ایک قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے ۔

حضرت شیخ المشائخ قطب الملت بختیار اوشی اس مسجد مذکور میں اتفاقاً تشریف لائے ۔ شکرانے کے دو نفل پڑھے اور بیٹھ گئے ۔ شیخ المشائخ فرید الملت کی ان کے چہرۂ منور پر نظر پڑی ۔ دیکھتے ہی اُن کو دل دے دیا اور ان کے قدم مبارک پر سر رکھ دیا ۔ حضرت سلطان العاشقین قطب العارفین بختیار نے دیکھا کہ ایک خوبصورت اور خوش اخلاق جوان کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے ہے ۔ ان سے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کونسی کتاب ہے اور اس میں کتنی فصلیں اور باب ہیں ؟ سلطان المشائخ فرید الملت نے جواب دیا کہ اس کتاب کو نافع کہتے ہیں ۔ حضرت قطب الملت و الدین نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب نافع ہوگی ۔ فوراً حضرت شیخ المشائخ فرید الملت نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو حضرت

---

۱ ۔ کتاب نافع فقہ حنفی کی کتاب ہے جس کے مؤلف ابوالقاسم بن یوسف الحسینی ہیں ۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری کی نظر سے مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی (ضلع بہاول نگر) کے کتب خانے میں گزرا ہے جو ۱۵ ذی الحجہ ۷۵۰ھ کا مکتوبہ ہے ۔ دیکھیے البلاغ کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ ۔

مخدوم کی خدمت میں نفع حاصل ہوگا۔ اسی وقت حضرت شیخ المشائخ فرید الدین شرف ارادت سے مشرف ہوئے اور سعادت جاودانی حاصل کی ۔

تربیت

سنا گیا ہے کہ جب حضرت قطب الملت و الدین اوشی شہر ملتان سے دارالخلافہ دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو تین منزل تک حضرت شیخ المشائخ قطب الملت و الدین ساتھ رہے ۔ اس جگہ حضرت قطب المشائخ بختیار اوشی نے حکم دیا کہ اے بابا فرید ! اس ترک و تجرید کے ساتھ کچھ عرصے تک علم ظاہری میں مشغول رہو ۔ اس کے بعد دہلی آؤ اور میری صحبت میں رہو ۔ مجھ کو انشاء اللہ تعالیٰ تم وہاں پاؤ گے ۔ حضرت ملک المشائخ فرید الملت والدین نے ان کے حکم سے ایسا ہی کیا اور وہاں سے شہر قندھار چلے گئے - پورے پانچ سال تک تحصیل علوم کی ۔ ان کی طبع مبارک نے علم لدنی کے چشمے جاری کر دیے اور وہ وہاں سے دہلی کو واپس ہوئے ۔ قطب الملت و الدین وہاں موجود تھے ۔ وہ چند روز میں اس مقام سعادت انجام (دہلی) پر پہنچ گئے اور پیر منتظر خواجہ قطب الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے چنانچہ قطب المشائخ ان کے پہنچنے سے بے حد خوش ہوئے ۔

(دہلی میں) غربی دروازے کے نزدیک ایک برج ہے ، اس برج کے نیچے ایک حجرہ بنوا کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے [۳۶] اور دو ہفتے کے بعد پیر منتظر کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ اس کے برخلاف بعض درویش مثلاً شیخ بدرالدین غزنوی اور شیخ احمد نہروالی[۲] ہمیشہ حضرت شیخ الملت و الدین کی خدمت میں رہتے تھے[۳] ۔

جب شہر دہلی میں ان کی بہت شہرت ہوئی اور مخلوق نے اس صاحب کمال کے حال میں مزاحمت کرنی شروع کی تو پھر حضرت قطب الملت و الدین سے اجازت و رخصت لے کر ہانسی چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی ۔ چنانچہ تحریر ہے

---

۱ ۔ خیرالمجالس ص ۲۲۰ - ۲۲۱ ، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۶ ۔

۲ ۔ شیخ احمد نہروالی بڑے پایہ کے شیخ تھے ۔ پارچہ بافی ذریعۂ معاش تھا ۔ جس مجلس میں حضرت خواجہ بختیار کاکی کا وصال ہوا تھا اس میں موجود تھے۔ ۵۶۸۱/ ۱۱۸۲ء میں بدایوں میں انتقال ہوا ۔ فوائد الفواد ص ۲۸۹ ، اخبار الاخیار ص ۴۷ ، خیرالمجالس ص ۲۷۶ ۔

۳ ۔ نسخۂ اول میں شیخ بدر الدین اور احمد نہروالی کے نام نہیں ہیں (ص ۶۹) ۔

کہ اپنے پیر بے نظیر (قطب الدین کاکی) کے انتقال کے بعد دہلی آئے اور پھر ہانسی چلے گئے اور وہاں سے قصبہ اجودھن[1] پہنچے اور وہیں توطن اختیار کر لیا۔

ایک فقیر کی گستاخی

حضرت نصیر الملت و الدین اودھی سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پیر نظام الملت والدین سے سنا ہے کہ ایک دن ایک درویش گدڑی پہنے ہوئے شیخ المشائخ فرید الدین کی خدمت میں پہنچا۔ شیخ نے اس کو کچھ دلوا دیا اور جانے کو کہا۔ فقیر کھڑا رہا، اس نے دیکھا کہ شیخ کے مصلے پر شانہ دان میں ایک کنگھی رکھی ہے۔ اس نے کہا کہ اے شیخ یہ کنگھی مجھے دے دو۔ چونکہ شیخ الاسلام کے پاس وہی ایک کنگھی تھی، انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر اس فقیر نے بڑے زور سے سخت آواز میں کہا کہ اے شیخ اگر تو یہ کنگھی مجھے دے تو تجھے مجھ سے برکت حاصل ہو۔ اس کے بعد شیخ المشائخ فرید الحق نے فرمایا کہ میں نے تجھے اور تیری برکت کو بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد وہ فقیران کے سامنے سے چلا گیا۔ قصبہ اجودھن کے پاس دریا جاری ہے۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے گدڑی اتاری اور غسل کے لیے دریا میں آترا۔ وہ دریا میں ایسا ڈوبا کہ اس کا نشان بھی نہ ملا۔

متصرف کی دشمنی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن کا متصرف اس مقام کے قاضی سے میل رکھتا تھا اور ہمیشہ شیخ کی اولاد اور ان کے عزیزوں کو تکلیفیں پہنچاتا رہتا تھا۔ حضرت شیخ کو ہمیشہ یہ خبر پہنچتی مگر شیخ توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب ان کی جانب سے تکالیف انتہا کو پہنچ گئیں تو مولانا شہاب الدین نے جو حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے تھے عرض کیا کہ آپ کی یہ بزرگی ہمیں یہی فائدہ دیتی ہے کہ دن رات قصبے کے متصرف کی دشمنی کی وجہ سے تکالیف میں مبتلا ہیں۔ شیخ نے وہ عصا جو ان کے سامنے رکھا تھا، اٹھایا اور زمین پر مارا۔ اسی وقت متصرف مذکور کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو اٹھا کر شیخ کے دروازے پر لے چلو۔ دروازے تک نہیں آنے پایا تھا کہ مر گیا۔

۱۔ وحید احمد مسعود کا خیال ہے کہ بابا فرید ۶۲۲ھ سے ۶۳۴ھ تک ہانسی مقیم رہے ۶۳۵ھ میں اجودھن آئے (سوانح بابا فرید ص ۹۱، ۱۰۲ و مابعد)۔

ایک ظالم کی اصلاح

حضرت نظام الدین قدس سرہ سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن میں ایک عامل منشی تھا مگر اس علاقے کا گورنر عامل مذکور کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ عامل شیخ کامل فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفارش کی درخواست کی کہ والی مذکور مجھے ہمیشہ تکلیف دیتا رہتا ہے اور کسی طرح تکلیف پہنچانے سے باز نہیں آتا۔ حضرت شیخ نے [۲۷] اپنے خادم کو اس گورنر کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ اس درویش کی (میری) خاطر سے اس مظلوم منشی پر رحم کر۔ رئیس مذکور انہی مظالم پر قائم رہا اور پہلے سے زیادہ رنج و تکلیف پہنچانے لگا۔

وہ عامل پھر شیخ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے مخدوم! اس رئیس نے آپ کی منت کو نہیں سنا بلکہ تکالیف کے پہنچانے میں زیادتی کر دی۔ حضرت شیخ نے اس منشی سے فرمایا کہ میں نے تیری سفارش کی، اس نے نہیں سنی، شاید کسی نے کسی مظلوم کی شفاعت تجھ سے کی ہو گی اور تو نے نہیں سنی ہوگی۔ وہ عامل وہاں سے اٹھا اور حضرت شیخ سے دعا چاہی کہ میں آج کے بعد کسی شخص کو رنج نہیں پہنچاؤں گا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا خدمت کروں گا اور اگر کوئی کسی کے لیے سفارش کرے گا، خواہ وہ میرا دشمن ہی کیوں نہ ہو، اس سے رخ نہیں پھیروں گا۔ اس دوران میں اس والی (گورنر) نے عامل مذکور کو گھوڑا اور خلعت مرحمت کیا اور ملک المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بھی توبہ کر لی۔

ایک نوجوان کا گناہ سے باز رہنا

حضرت نظام الملت و الدین سے منقول ہے[۱] کہ شہر دہلی سے ایک جوان قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہوا تاکہ سلطان المشائخ فرید الملت کی خدمت میں جا کر تائب ہو جائے اور ارادت کا شرف حاصل کرے۔ اس کو راستے میں ایک پریشان حال خوبصورت مغنیہ ملی۔ وہ مطربہ اس فکر میں تھی کہ اس جوان سے تعلق پیدا کرے۔ چونکہ وہ جوان درست نیت رکھتا تھا اس لیے اس مطربہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا یہاں تک کہ ایک منزل پر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ جوان اور وہ فاسقہ مغنیہ دونوں ایک گاڑی میں سوار ہوئے۔ وہ مطربہ گاڑی میں اس جوان کے نزدیک آ کر اس طرح بیٹھ گئی کہ ان دونوں کے درمیان حجاب اور رکاوٹ نہ رہی۔ مطربہ مذکور نے ناز و غمزہ شروع کیا۔ ان حرکتوں سے اس جوان کا دل قدرے اس کی جانب متوجہ ہوا

۱۔ فوائد الفواد ص ۲۷۲، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۶۔

اور آہستہ سے اس جوان نے اپنا ہاتھ اس مطربہ کی طرف بڑھایا ۔ اس وقت اس نے ایک مرد کو دیکھا کہ فوراً ظاہر ہوا اور اس نے اس جوان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ شیخ کی خدمت میں توبہ اور ارادت کی نیت سے جا رہا ہے اور دل میں فسق و فجور کی طرف مائل ہے ۔ یہ (کہہ کر) وہ غائب ہوگیا ۔ اس جوان نے جب یہ واقعہ دیکھا تو وہ گاڑی سے اتر آیا اور متنبہ ہوا ۔

جب وہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے پہلی بات جو اس جوان سے کہی یہ تھی کہ تجھ کو خدا تعالیٰ نے اس روز کہ جب تو مطربہ کی طرف مائل ہوا تھا اپنے فضل سے محفوظ رکھا ۔ اس کے بعد اس کو مرید کیا ۔

بابا فرید کی دعا سے مریض کو صحت

حضرت شیخ المشائخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان الاولیاء فرید الملت و الدین مسعود کے ایک مرید محمد شاہ غوری تھے ۔ کہتے ہیں کہ وہ سچے اور نیک آدمی تھے ۔ ایک مرتبہ شیخ المشائخ مذکور کی خدمت میں نہایت پریشان ، حیرت زدہ اور فکر مند پہنچے ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت نے [۳۸] پوچھا کہ اے محمد شاہ کیا بات ہے کہ اس درجہ پریشان اور حیران ہے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ میرا ایک حقیقی بھائی ہے وہ اتنا بیمار ، پریشان اور علیل ہے کہ مرنے کے قریب ہے ۔ جب آپ کی خدمت میں آیا ہوں ، عجب نہیں کہ ختم ہوگیا ہو ۔ اس کی وجہ سے میں پریشان ہوں ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین نے فرمایا کہ اے محمد شاہ جس طرح تو اس وقت حیران و پریشان آیا ہے ، میں تمام عمر محبت حق میں اسی طرح رہتا ہوں اور کسی سے ظاہر نہیں کرتا ہوں ۔ اسی وقت ان کو حکم دیا کہ گھر جاؤ ، انشاء اللہ تمہارے بھائی کو صحت ہو جائے گی ۔ اسی وقت محمد شاہ غوری ان کے پاس سے اٹھے اور اپنے گھر پہنچے ۔ دیکھا کہ ان کا بھائی بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا گویا اس کو کوئی تکلیف اور بیماری ہی نہ تھی[۱] ۔

بابا فرید پر جادو

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ (بابا فرید) مسعود کو سخت تکلیف اور بیماری ہوئی ۔ یہاں تک کہ بھوک بالکل جاتی رہی ۔ شیخ المشائخ نے چند روز تک نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا ۔ فرزند ، مرید اور معتقد جمع ہوئے

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۳۹۴ ۔ ۳۹۵ ، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۶ ۔ ۷۷ ۔

اور طبیبوں کو بلایا ۔ انھوں نے جب سلطان المشائخ کی نبض دیکھی تو کہا کہ ہم کو نبض اور قارورے سے کوئی بیماری نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت کو کیا بیماری ہے ۔ مجبوراً (اطباء) واپس چلے گئے ۔

دوسرے دن حضرت شیخ کی تکلیف زیادہ بڑھی ۔ انھوں نے سب دوستوں کو بلایا ۔ حضرت شیخ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میں بھی اس جماعت میں حاضر تھا ۔ حضرت سلطان المشائخ نے مجھ سے ، شیخ بدر الدین سلیمان سے کہ جو شیخ المشائخ فرید الملت کے فرزند تھے اور دوسرے مریدوں سے فرمایا کہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں میری صحت کے لیے دعا کرو ۔ ہم سب چلے آئے اور دعا میں مشغول ہو گئے ۔

اس رات کو بدر الدین سلیمان نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان سے کہتے ہیں کہ شہاب ساحر کے لڑکے نے جادو کیا ہے ۔ قصبہ اجودھن میں ایک شخص تھا اس کو شہاب ساحر کہتے تھے ، وہ جادو گری میں مشہور تھا ۔ اس کے بعد شیخ بدر الدین نے ان بزرگ سے پوچھا اس کام کی تدبیر کیا ہے اور یہ سحر کس طرح دور ہو سکتا ہے ؟ بزرگ نے فرمایا کہ ایک شخص شہاب کی قبر پر جا کر بیٹھ جائے اور انھوں نے چند کلمات خواب میں پڑھے کہ ان کلمات کو اس کی قبر پر پڑھے ۔ شیخ بدر الدین سلیمان نے ان کلمات کو خوب یاد کر لیا ۔ وہ کلمات یہ تھے :

ایها المقبور المبتلیٰ اعلمی بان ابنک
قد سحر و آذی ؤقل له [۳۹] لیکف بأسه عنا
و الا تلحقه مالحق بنا[1]

اس کے یہ معنی ہیں کہ اے وہ شخص جو قبر میں رکھ دیا گیا ہے اور آزما لیا گیا ہے ، جان لے کہ در حقیقت تیرے لڑکے نے جادو کیا ہے اور تکلیف پہنچائی ہے ۔ پس اس سے کہو کہ باز آئے اور اس سحر کو ہم سے علیحدہ کر دے ۔ اگر تو نہیں کہے گا تو اس چیز سے متصل ہو جائے گا جو چیز ہم سے متصل ہے ۔

جب دن ہوا تو شیخ نظام الملت و الدین ان دوستوں کے ساتھ جو حضرت شیخ کے حکم سے مشغول عبادت ہوئے تھے شیخ بدر الدین سلیمان کی خدمت میں گئے ۔ (دوستوں نے) صورت حال بیان کی کہ شیخ بدر الدین سلیمان نے ایسا خواب دیکھا ہے ۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے نظام الملت و الدین کو بلایا

---

۱ ۔ خیر المجالس ص ۱۱۷ ۔

اور حکم دیا کہ ان کلمات کو یاد کر لو اور جاؤ شہاب ساحر کی قبر لوگوں سے پوچھو اور اس کی قبر پر بیٹھ کر یہ کلمات پڑھو۔ ان کے حکم سے شیخ نظام الملت والدین گئے، شہاب ساحر کی قبر معلوم کی۔ وہ مشہور تھی، ہر شخص نے بتلادی۔ اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ گئے اور یہی کلمات پڑھے اور زمین پر ہاتھ مارا۔ اس قبر کی زمین کچ (پختہ) کر دی گئی تھی، اس قبر کے سرہانے کچ کے اوپر تھوڑی سی مٹی تھی اس پر ہاتھ مارا۔ اتفاقیہ اس کو کریدا، مٹی ہٹ گئی، اس طرح گویا کہ اس کے نیچے بھی مٹی تھی اور زیادہ کریدا یہاں تک کہ ان کا ہاتھ اندر چلا گیا۔ شیخ مذکور فرماتے ہیں کہ جب وہ مٹی دور ہو گئی اور میرا ہاتھ اندر چلا گیا تو میں نے زیادہ تلاش کی۔ ایک چیز میرے ہاتھ میں آئی، اس کو میں نے باہر نکال لیا۔ آٹے کا ایک بت بنایا تھا اور اس میں سوئیاں چبھو دی تھیں اور گھوڑے کی دم کے بال اس بت پر مضبوط باندھ دیے تھے۔ میں اس آٹے کے بت کو شیخ المشائخ فرید الملت کے حضور میں لے گیا۔ حضرت شیخ نے حکم دیا کہ وہ سوئیاں اس بت سے نکال لو اور ان بالوں کو جو بندھے ہوئے ہیں کھول لو۔ میں جو سوئی کھینچتا تھا، اس سے ان کی تکلیف کم ہوتی تھی اور آرام ملتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے تمام سوئیاں نکال لیں اور ان بالوں کو کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت شیخ کو صحت کلی ہو گئی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس بت کو توڑ دو اور دریا میں ڈال دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔[۱]

جب یہ بات قصبہ اجودھن کے حاکم کو معلوم ہوئی تو اس نے اس جادو گر کو جس نے یہ حرکت کی تھی، گرفتار کر کے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج دیا اور اعلان کیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ حضرت شیخ حکم دیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی ہے، میں نے بھی اس کے شکرانے میں اس کو معاف کر دیا اور اس کی خطا کو بخش دیا۔ تم بھی کوئی تعرض نہ کرو۔

درویشوں کی کج خلقی اور اس کا انجام

حضرت نظام الملت و الدین سے منقول ہے [۲۰] کہ جس زمانے میں میں حضرت فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک دفعہ پانچ درویش ان کی خلوت میں پہنچے۔ وہ درویش کج خلق اور بہت باتونی تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت کے پاس سے اٹھے اور یہ بات کہی کہ ہم ساری دنیا میں گھومے پھرے

۱۔ خیر المجالس ص ۱۱۶ - ۱۱۷ -

لیکن جیسا درویش کہ چاہیے ویسا ہمیں نہیں ملا۔ درویشی کا دعویٰ کرنے والے چند لوگ جنھوں نے اپنے آپ کو درویش مشہور کر رکھا ہے آملے۔

حضرت فرید الملت والدین نے فرمایا کہ اے درویشو! تھوڑی دیر یہاں بیٹھو (کچھ قیام کرو) تاکہ میں تمہیں درویش دکھاؤں۔ کھانا پیش کیا مگر وہ یہاں سے چل دیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ خیر جب یہاں سے جاتے ہو تو دوسرے راستے سے جانا کہ جو آباد ہے۔ وہ لوگ چونکہ پریشان تھے انھوں نے حضرت کی گفتگو کی طرف توجہ نہیں کی اور چل پڑے۔ حضرت نے ایک شخص کو ان کے پیچھے دوڑایا تاکہ وہ معلوم کرے کہ کس راستے سے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص جو ان کے پیچھے دریافت حال کے لیے گیا تھا، یہ خبر لایا کہ وہ لوگ جنگل کے راستے سے گئے۔ حضرت شیخ نے جب یہ خبر سنی تو بہت روئے اور فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہاں تک کہ خبر آئی کہ ان پانچوں آدمیوں کو لو لگ گئی، چار ایک ساتھ مر گئے۔ ان میں سے ایک کسی کنوئیں پر پہنچا، اس نے پانی بہت پی لیا اور وہیں سو گیا (مر گیا)۔

بالوں کی درازی درویشی نہیں

سلطان الاولیاء نظام الملت والدین سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم کہ جس کا نام نصیر الدین تھا، شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کی خدمت میں پہنچا۔ شاید تجارت کی نیت رکھتا تھا اور رعونت و خواری سے خالی نہیں تھا، اس فکر میں تھا کہ سر کے بال بڑھا لے۔ ایک دن ایک جوگی (حضرت کے) جماعت خانے میں آیا۔ اس جوگی سے طالب علم (نصیر الدین) پوچھنے لگا کہ سر کے بال کس چیز سے بڑھتے ہیں؟ حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس طالب علم سے اس قسم کی گفتگو سنی کہ بالوں کو بڑھانے کے لیے جوگی کی جانب متوجہ ہے تو مجھ کو کراہت ہوئی کہ یہ طالب علم شیخ المشائخ کی خدمت میں کیوں آیا ہے اور بالوں کی درازی کے لیے جوگی کی طرف کیوں متوجہ ہے۔

حدیث ہے:

تحت کل الشعرة جنابة — ہر ہر بال کی جڑ میں ناپاکی ہے

مختصر یہ کہ اس زمانے میں خواجہ وحید الدین جو حضرت شیخ الاسلام خواجہ معین الدین سجزی کے پوتے تھے، حضرت فرید الملت و الدین کی خدمت میں آئے اور بیعت کی درخواست کی اور بال منڈوانے کے لیے عرض کیا۔ حضرت شیخ فرید

الملت و الدین نے فرمایا کہ میں نے تمھارے خاندان کے دستر خوان سے روٹی کے ٹکڑے چنے ہیں (یہ بزرگی حاصل کی ہے) یہ بے ادبی ہے کہ تم میری بیعت کرو اور میں تم کو اپنا مرید بناؤں ۔ خواجہ وحید الدین مذکور نے زمین پر سر رکھ دیا، بہت روئے اور کہا کہ اے آقا ! آپ کی طرح مرشد اس زمانے [۱م] میں کہاں مل سکتا ہے کہ جس کی بیعت و ارادت کے لیے جائیں اور سعادت حاصل کریں اور میں حضرت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ جب حضرت شیخ الاسلام فرید الحق نے خواجہ وحید الدین کی گریہ و زاری اس درجہ دیکھی تو ان کو شرف ارادت بخشا اور اپنے خرقۂ خاص سے اس منبع اخلاص (خواجہ وحید الدین) کو نوازا اور بال منڈوائے ۔

اس زمانے میں نصیر الدین طالب علم نے بڑی کہ جو بالوں کی درازی کی فکر میں تھا ، بیعت کے لیے عرض کیا اور بیعت کی سعادت حاصل کی ، بال منڈوا دیے اور جو کچھ تجارت کی نیت سے وہ دولت اپنے پاس رکھتا تھا وہ سب درویشوں میں صرف کر دی اور اس نے درویشی اختیار کر لی ۔[1]

ایک قلندر کا واقعہ

حضرت شیخ المشائخ نصیر الملت و الدین محمود اودھیؒ سے منقول ہے جو انھوں نے خیر المجالس میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ المشائخ فرید الملت والدین اپنے حجرۂ مبارک میں عبادت الٰہی میں مشغول تھے، ناگاہ ایک قلندر پہنچا ، خادم نے حجرے کے دروازے پر ایک کمبل بچھا دیا کہ حضرت شیخ اس پر بیٹھا کرتے تھے ۔ (قلندر) اس پر بیٹھا، حضرت بدر الدین حاضر تھے، کچھ کھانا لائے اور قلندر کے سامنے رکھ دیا ۔ جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تو اس نے مولانا بدر الدین سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضرت شیخ کو دیکھوں ۔ مولانا نے جواب دیا کہ اس وقت حضرت شیخ عبادت میں مشغول ہیں ، کسی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں وہ حجرے میں جائے اور ان کو اطلاع دے ۔ اس قلندر نے ایک سبز گھاس انبان کہ یہ قوم اس کی طرف منسوب ہے ، نکالی اور اپنے کشکول میں ڈالی اور اس کے خمیر کرنے میں مشغول ہوا ۔ یہاں تک کہ اس کا عرق حضرت شیخ کے کمبل پر گرنے لگا ، شیخ بدر الدین اسحاق آگے بڑھے ، قلندر سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے درویش! حد سے زیادہ بے ادبی نہیں کرنی چاہیے ۔ اس جگہ سے اٹھ اور کسی دوسری طرف چلا جا ۔ قلندر مذکور نے چیخ ماری ۔ اس نے کشکول

---

۱ - فوائد الفواد ص ۴۰۳ - ۴۰۵ -

اٹھایا اور شیخ بدر الدین کے مارنا چاہا ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین نے جو حجرۂ خاص میں مشغول عبادت تھے ، اس بات کو اپنے نور باطن سے معلوم کر لیا اور فوراً حجرۂ خاص سے باہر تشریف لائے ، قلندر کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ اس کو میری وجہ سے بخش دو ۔ قلندر نے کہا کہ درویش ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں اور جب اٹھا لیتے ہیں تو نیچا نہیں کرتے ہیں ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس دیوار پر مار دو ۔ قلندر نے کشکول دیوار پر مار دیا وہ دیوار فوراً گرگئی ۔ قلندر نے اپنا سر نیچا کر لیا اور اپنا راستہ لیا ۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے مولانا بدر الدین سے فرمایا کہ اکثر عام لوگوں کے لباس میں خاص ہستیاں بھی ہوتی ہیں ۔ جس گھاس کا وہ خمیر کر رہا تھا ، یہ وہ نہیں تھی کہ جس کو قلندر استعمال کرتے ہیں [۴۲] شاید وہ آزمائش کے لیے آیا ہو[۱] ۔

بابا فرید کی دعا سے باز کی واپسی

شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن سے چار فرسخ کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے ۔ وہاں ایک قشال خانی[۲] ترک حاکم تھا ۔ اس کے پاس ایک باز تھا جو پرندوں کے شکار میں طاق تھا ۔ ترک مذکور اس باز کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اس نے وہ باز، میر شکار کے سپرد کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ اس باز کو میری موجودگی کے بغیر ہرگز کسی جانور پر نہ چھوڑنا ، ایسا نہ ہو کہ یہ اڑ جائے اور پھر واپس نہ آئے ۔ اگر میرے حکم کو نہ مانا تو اپنی اور اپنی اولاد کی طرف سے ہاتھ دھو لینا ۔

اتفاق سے وہ میر شکار اپنے دوستوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار گھوم رہا تھا ، ناگاہ چند سفید کلنگ ان کے اوپر سے گزرے ۔ دوستوں نے خوشامد کی اور کہا کہ سات کلنگ جا رہے ہیں ۔ اس باز کو جو تمہارے پاس ہے ان پر چھوڑ دو ، شاید ہم کباب بنائیں ۔ میر شکار نے دوستوں کو جواب دیا کہ میرے آقا نے سخت تاکید کر دی ہے کہ تا وقتیکہ میں موجود نہ ہوں اس باز کو ہرگز کسی جانور پر نہ چھوڑنا ، کبھی ایسا نہ ہو کہ یہ تیز اڑے اور غائب ہو جائے ۔ کیا معلوم کہ جب ہم باز اڑائیں تو یہ گم ہو جائے ۔ میرا آقا ترکی ہے اور بہت بیباک و غضبناک ۔ اگر باز گم ہو گیا تو مجھ کو اور میری اولاد کو مار ڈالے گا ۔ دوستوں نے پھر کہا کہ

---

۱ ۔ خیر المجالس ص ۱۲۹ - ۱۳۱ ۔
۲ ۔ نسخۂ اول میں "قشال خانی" نہیں ہے (ص ۷۵) ۔

ہم دس بارہ سوار ہیں اور تیز رفتار گھوڑے رکھتے ہیں ۔ ایسا نہیں ہونے دیں گے کہ باز غائب ہو جائے ۔

مختصر یہ کہ جب انھوں نے بہت خوشامد کی تو میر شکار نے باز چھوڑ دیا اور کلنگوں کی طرف اڑایا ۔ کلنگ ایک طرف کو چلے گئے ، باز دوسری طرف کو چلا گیا اور برابر اونچا ہوتا چلا گیا ۔ یہاں تک کہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا ۔ ہر ایک دوست اس کی تلاش میں ادھر ادھر گیا اور میر شکار روتا اور کپڑے پھاڑتا ہوا نہایت پریشانی اور رنج و غم میں قصبہ اجودھن کے نزدیک پہنچا اور اسی حالت میں حضرت شیخ المشائخ فرید الملت کی خدمت میں آیا ۔ جب حضرت کو دیکھا ، ایک آہ بھری اور ماتمیوں کی طرح برے حالوں زار زار رونے لگا ۔ حضرت شیخ المشائخ نے مہربانی سے اس کو اپنے سامنے بلایا ، بٹھایا اور پوچھا کہ تیرا یہ رونا پیٹنا کس وجہ سے ہے ؟ اس نے باز کا حال ان کی خدمت میں بیان کیا کہ اے مخدوم ! ظالم و جابر خونخوار ترک نے ایک باز میرے سپرد کیا تھا اور اس نے بے حد وصیت و تاکید کر دی تھی کہ اس باز کو میری عدم موجودگی میں نہ اڑایا ۔ مجھ سے میرے چند دوستوں نے اصرار کیا اور میں نے ان کی خوشامد کی وجہ سے اس باز کو اڑایا چنانچہ وہ اڑا ، نظروں سے غائب ہوا اور گم ہو گیا مجھے یقین ہے کہ اگر باز مذکور میں نے اس کے سپرد نہ کیا تو وہ مجھ کو اور میری اولاد کو زندہ نہیں چھوڑے گا ۔ میرا خیال ہے [۴۳] کہ جو گھوڑا اور لباس میرے پاس ہے ، اس کو چھوڑ دوں اور جلاوطن ہو کر کہیں چلا جاؤں اور کسی کونے میں مر جاؤں ۔ اس میں شک نہیں ہے کہ وہ ترک میرے بیٹوں اور متعلقین کا خون بہا دے گا اور ان کو خاک میں ملا دے گا ۔

حضرت شیخ نے جب اس کی یہ گفتگو سنی تو کچھ کھانا منگایا اور فرمایا کہ یہ کھانا کھاؤ ۔ شاید اللہ تبارک و تعالیٰ تمھاری دل جمعی کر دے اور وہ باز تمھارے سپرد کر دے ۔ میر شکار نے روٹی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا لیکن گلا خشک ہونے کی وجہ سے نگل نہیں سکا ۔ جب حضرت شیخ نے میر شکار کا اضطراب اور پریشانی اس درجہ دیکھی تو اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ تیرا یہ باز قلعے کے کنگورے پر بیٹھا ہے جا اور پکڑ لے ۔ جب میر شکار نے باز کو دیکھا تو اپنا سر حضرت کے قدموں سے ملا اور باز کو پکڑ لیا ۔ پھر شکریہ ادا کرنے کے لیے شیخ بزرگوار کی خدمت میں آیا اور جس گھوڑے پر سوار تھا اسے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا ۔ حضرت شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ تو گھوڑے پر سوار

ہو کر اپنے گھر جا اور باز کو اس کے مالک کے سپرد کر دے اور گھوڑے کو فروخت کر کے نصف قیمت میرے پاس لا تا کہ اس کی قیمت کی رقم نصف نصف ہو جائے اور میرے اور تیرے درمیان حق برادری پورا ہو جائے ۔

ترک مذکور نے باز کے گم ہو جانے کی خبر سن لی تھی اور باز دار کی اولاد سے تعرض شروع کر دیا تھا ۔ اچانک دوسرے روز میر شکار باز لے کر اپنے آقا کے پاس پہنچا ۔ جب اس نے باز کو دیکھا تو میر شکار کو اپنے پاس بلایا اور باز کے گم ہو جانے کا حال دریافت کیا ۔ اس نے اپنا تمام ماجرا اور حضرت سلطان المشائخ کی کرامت اس ترک کے سامنے بیان کی ۔ ترک نے جب پورا قصہ سنا تو کہا سبحان اللہ! حضرت شیخ فرید الدین مسعود ایسے بزرگ ہیں کہ جن کا (یہ حال) دیکھا ۔ تم کو چاہیے کہ فوراً واپس جاؤ اور چند سنہرے سکے ان کی خدمت میں میری جانب سے شکرانے میں پیش کرو اور حضرت سے میرے لیے دعائے خیر کی التجا کرو ۔ اس کے بعد میر شکار نے عرض کیا کہ اے آقا ! مجھ کو ان کے حضور میں جانا لازمی ہے کیونکہ جب میں نے ان کی یہ کرامت دیکھی تو میں نے اپنا گھوڑا شکریے میں پیش کیا ، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ گھوڑا بھی ہم نے تجھے بخش دیا ۔ اس کی نصف قیمت میرے پاس لاؤ ۔ آپ جو نذرانہ میری معرفت ان کے پاس بھیج رہے ہیں ، مجھ کو بھی گھوڑے کی نصف قیمت ان کے حضور میں ضرور پہنچانی چاہیے ۔ اس نے ایسا ہی کیا ۔

اس واقعہ سے پہلے شیخ بزرگ کی طرف سے وہ ترک اچھا عقیدہ نہیں رکھتا تھا وہ (ترک) بالآخر آیا اور ان کا مرید ہو گیا ۔ اور خدا پرست ہوا ۔ اس دوران میں میر شکار بھی مرید ہو گیا ، اس نے دنیا ترک کر دی اور جب تک وہ زندہ رہا ، حضرت کی خدمت میں رہا ۔

روغن گر کی بیوی کی بازیافتگی

حضرت شیخ المشائخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی؀ سے منقول ہے [۴۴] کہ قصبہ اجودھن کے اطراف میں ایک گاؤں تھا ۔ اس گاؤں میں ایک مسلمان تیلی رہتا تھا ۔ اتفاق سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ شہر دیبال پور کے داروغہ نے اس گاؤں کو تباہ کر دیا اور اس گاؤں کے تمام لوگوں کو قید کر لیا ۔ اس تیلی کی بیوی نہایت حسینہ و جمیلہ تھی اور وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا ۔ وہ عورت بھی اس گاؤں کی تباہی میں کسی کے ہاتھ پڑ گئی ۔ ہر چند اس تیلی نے بادیدۂ گریاں و سینۂ بریاں اس عورت کی ہر طرف تلاش کی مگر پتہ نہ چلا ۔ اس نے نہایت رنجیدہ اور غمگین

ہو کر سلطان المشائخ فرید الحق والدین کی جانب رخ کیا اور نہایت رنج و پریشانی کی حالت میں حضرت شیخ کے پاس آیا۔ حضرت نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کی پریشانی کا سبب دریافت کیا۔ اس نے اپنا تمام قصہ جس طرح گزرا تھا، بیان کیا۔ حضرت شیخ نے تھوڑی دیر غور کیا اور حکم دیا کہ کھانا لائیں اور اس تیلی کے سامنے رکھیں۔ ایسا ہی کیا گیا چونکہ وہ تیلی نہایت پریشان اور رنجیدہ تھا کھانے کی طرف اس نے توجہ نہیں کی اور اس نے نوالہ نہیں اٹھایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کھانا کھاؤ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ تیری خاطر جمع کر دے اور اس عورت کو تجھ تک پہنچا دے۔ تیلی نے جب یہ بات سنی تو اس کے دل کو کسی قدر تسکین ہوئی لیکن وہ غم و اندوہ پورے طور سے دور نہ ہوا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تین روز تک میرے پاس رہو۔ دیکھو خدا تعالیٰ پردۂ غیب سے کیا ظاہر کرتا ہے۔ مجبوراً اس تیلی نے ایسا ہی کیا تیسرے دن لوگ ایک منشی کو پکڑ کر قصبہ اجودھن میں لائے۔ وہ شاید اس جگہ کا ناظم تھا کہ جو مقام اس امیر سے متعلق تھا کہ جس نے اس گاؤں کو تباہ کرایا تھا۔ مختصر یہ کہ اس منشی نے اپنے محافظوں سے خوشامد کی اور کہا کہ اگر آپ مجھ کو حضرت فرید الدین کی خدمت میں پہنچا دیں تو آپ کو ایک اعلیٰ چیز دوں۔ محافظوں نے ایسا ہی کیا، اس کو حضرت شیخ کے پاس لائے۔

اس منشی نے اپنا حال حضرت سے بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ داروغہ جس نے تجھ کو قید و بند میں ڈالا ہے تجھ پر بے حد شفقت و عنایت کرے تو میرے پاس کیا شکرانہ بھیجے گا۔ منشی نے عرض کیا کہ میرے پاس جو کچھ مال و اسباب ہے وہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ حضرت شیخ فرید الملت و الدین نے فرمایا کہ وہ شکرانہ بھی میں نے تجھ کو بخش دیا۔ وہ فتنہ پرداز داروغہ تجھ کو آزاد کر دے گا، خلعت فاخرہ دے گا اور ایک کنیز[۱] بھی تجھ کو دے گا تو یہ وعدہ کر کہ وہ کنیز تو اس روغن گر کو بخش دے گا۔ اس منشی نے صدق دل سے منظور کیا اور روغن گر سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو میں ایسا ہی کروں گا [۳۵] جو حضرت شیخ کا حکم ہے۔ وہ تیلی اس بات کو سن کر رونے لگا اور عرض کیا کہ اے شیخ المشائخ اس وقت میرے پاس اس قدر دولت ہے کہ آٹھ اچھی کنیزیں خرید سکتا ہوں لیکن میں اپنی زوجہ کا عاشق اور شیدائی ہوں اور اس

۱۔ نسخہ اول میں ایک کنیز لکھا ہے (ص ۷۸)۔

کی جدائی میں مضطرب ہوں ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ خیر تو اس منشی کے ساتھ چلا جا دیکھ خدا تعالیٰ پردۂ غیب سے کیا ظاہر کرتا ہے ۔ مجبوراً وہ تیلی حضرت کے حکم کے مطابق اس کے ساتھ چلا گیا اور اس کی حوالات کے پاس متفکر و پریشان بیٹھ گیا ۔ اس منشی کو اس داروغہ کے سامنے لے گئے کہ جس نے قید کیا تھا ۔ اس داروغہ نے دیکھتے ہی حضرت کی برکت سے اس پر مہربانی کی ، اس کو ایک اچھا گھوڑا اور خلعت عنایت کیا اور اسے گھر بھیج دیا اور اس کے پیچھے ایک کنیز نہایت حسینہ برقع پوش روانہ کی کہ یہ بھی میری طرف سے انعام و عنایت ہے ۔ جب وہ کنیز مذکور اس حوالات کے نزدیک پہنچی اور اپنے شوہر کو دیکھا تو اس نے برقعہ منہ سے ہٹا دیا اور اس کی طرف دوڑی ۔ اس تیلی نے بھی اس کو پہچان لیا اور اس کے پیروں پر سر رکھ دیا ۔ منشی اس واقعہ سے حیران ہوا ۔ اس تیلی کو اپنے پاس بلایا اور کنیز کا ہاتھ پکڑ کے اس کے سپرد کر دیا اور وہ اس کو بخش دی ۔ اس تیلی نے بتایا کہ یہ میری زوجہ ہے ۔ یہ حضرت شیخ فرید الملت و الدین کی کرامت ہے کہ وہ وہاں سے اپنی بیوی کے ہمراہ ملک المشائخ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا ۔

گنج شکر کی وجہ تسمیہ

اس درویش (جمالی) نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت شیخ کو گنج شکر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جس زمانے میں حضرت شیخ فرید الملت اپنے پیر حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں دہلی میں تھے تو ان کے رہنے کا مقام غربی دروازے کے نزدیک ایک برج کے پاس تھا ۔ اس زمانے میں جو لوگ واقف ہیں وہ اس مبارک منزل پر پہنچتے ہیں اور دوگانہ ادا کرتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ برسات کا زمانہ تھا اور بارش بہت ہوئی تھی ، تمام زمین دلدل ہو گئی تھی اور حضرت شیخ کو سات روز ہو گئے تھے کہ طے کا روزہ افطار نہیں کیا تھا ۔ جسم مبارک نہایت کمزور ہو گیا تھا ۔ ارادہ کیا کہ حضرت قطب الملت و الدین کی خدمت میں جائیں ۔ کھڑاویں پہنے ہوئے تھے کہ راستے میں پیر پھسل گیا ، جیسے ہی زمین پر گرے ، خدا کے حکم سے منہ کھل گیا اور کچھ کیچڑ منہ میں پہنچ گئی ۔ وہ سب شکر ہو گئی ۔ وہاں سے حضرت قطب الملت و الدین کے حضور میں پہنچے اور زمین پر سر رکھ دیا اور بیٹھ گئے ۔ سلطان المشائخ قطب الملت و الدین نے فرمایا کہ بابا فرید مسعود کہ اس تھوڑی سی مٹی سے کہ تیرے منہ میں پہنچی ہے ، عجب نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تیرے وجود کو گنج شکر کر دیا ہو[۳۶] جو ہمیشہ

شیریں رہے گا۔ حضرت شیخ فرید الدین نے سر زمین پر رکھ دیا اور خدا تعالیٰ کا
شکر ادا کیا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے، جہاں کہیں پہنچے لوگوں سے سنا کہ وہ
کہتے تھے کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر آ رہے ہیں اور جب یہ درویش
(شیخ جمالی) خانہ کعبہ کے سفر کے زمانے میں قصبہ اجودھن میں ان کی زیارت سے
مشرف ہوا تو میں نے اس بات کو شیخ المشائخ شیخ محمد سے جو حضرت شیخ کے
سجادہ نشین تھے دریافت کیا اور ان سے بھی ایسا ہی سنا[1]۔

بابا فرید اور چلہ

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ میں ایک دن
حضرت مالک المشائخ فرید الملت والدین کی خدمت میں حاضر تھا۔ انھوں نے فرمایا
کہ جس زمانے میں میں حضرت سلطان العارفین قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت
میں حاضر تھا، ایک دن میں نے حضرت سے درخواست کی کہ اگر حکم ہو تو ایک
چلہ کھینچوں۔ حضرت خواجہ قطب الملت و الدین نے فرمایا کہ بابا اس کی
ضرورت نہیں ہے کہ خلوت میں بیٹھو اور چلہ کرو، اس کام سے بہت شہرت ہو جائے
گی۔ میرے پیروں کی یہ عادت نہیں تھی، ان کی جلوت میں خلوت ہوتی تھی۔ میں نے
جواب دیا کہ حضرت شیخ موجود ہیں، میرے دل میں شہرت کی خواہش پیدا نہیں
ہوگی۔ حضرت قطب الملت و الدین خاموش ہو گئے اور جواب کی جانب متوجہ
نہیں ہوئے۔ میں اس سے سمجھا کہ مجھ سے بے ادبی ہوگئی، میں نے ان کے خلاف
کیوں جواب دیا۔ بہت توبہ کی اور ابھی تک پشیمان ہوں اور یہ پریشانی و شرمندگی
تا قیامت مجھ سے دور نہ ہوگی[2]۔

مولانا محمد ملتانی اور دستر خوان

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ میں ایک روز
حضرت سلطان المشائخ فرید الملت کی خدمت میں بیٹھا تھا، مولانا بدر الدین اسحاق
اور مولانا جلال الدین ہانسوی بھی حاضر تھے۔ حضرت شیخ کے ایک مرید تھے جن
کا نام محمد تھا، وہ ملتان سے آئے تھے۔ حضرت شیخ نے بلایا تھا اور خود (حضرت شیخ)

۱۔ ''گنج شکر'' کے سلسلے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ ملاحظہ ہو سیر الاقطاب
ص ۱۶۵، خزینۃ الاصفیاء ص ۱ : ۲۹۲ - ۲۹۳، بزم صوفیہ ص ۱۲۰ - ۱۲۱،
سوانح بابا فرید ص ۷۷ - ۷۹، فرید الدین گنج شکر ص ۱۱۶ - ۱۱۷۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۴۲ - ۴۳۔

کا روزہ تھا ۔ جب کھانا آیا تو اپنے سامنے حکم دیا کہ تناول فرمائیے ۔ جس وقت کھانا آیا تھا، دستر خوان موجود نہ تھا جو بچھایا جاتا ۔ وہ کھچڑی تھی جو ارد کی دال اور چاول ملا کر پکائی گئی تھی ۔ اس وقت مولانا محمد ملتانی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر دستر خوان ہوتا تو بہتر تھا ۔ حضرت شیخ پر یہ بات روشن ہوگئی، کھانے کے طباق کے چاروں طرف اپنی انگشت مبارک سے ایک گول دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا مولانا محمد اگر دستر خوان موجود نہیں ہے تو اس دائرے کو دستر خوان تصور کرو اور کھانا کھاؤ ۔

ریاضت

حضرت سلطان [۴۰] الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین ہمیشہ روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اگر بیمار ہو جاتے یا فصد کھلواتے تب بھی انکار نہ کرتے اور اکثر وہ شربت سے روزہ افطار کرتے ۔ تھوڑے منقے شربت کے پیالے میں ڈال لیتے اور افطار کے وقت اس میں سے بقدر تین دام پی لیتے اور منقے کے دو تین دانے منہ میں رکھ لیتے اور باقی شربت حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیتے ، کسی کسی کو یہ (شربت پینے کی) سعادت نصیب ہوتی ۔ [افطار کے بعد جرت کی دو روٹیاں ایک سیر سے کم وزن کی ان کے سامنے پیش کی جاتیں]۱ ایک تہائی روٹی یا اس سے بھی کم کھاتے اور باقی حاضرین میں تقسیم کر دیتے ۔ اس کے بعد عشا کی نماز میں مشغول ہو جاتے اور عبادت میں مستغرق رہتے ۔

ابتدائی زمانے میں جب قصبہ اجودھن میں متوطن ہوئے تھے تو باوجودیکہ اہل و عیال تھے لیکن پیلو اور دیلہ پر کہ جو اس علاقے کے جنگل میں پیدا ہوتا ہے ، قناعت فرماتے تھے ۔ آخر میں رزق میں وسعت ہو گئی تھی اور متواتر فتوحات حاصل ہونے لگیں ، وہ سب مسافروں اور مجاوروں کو دے دیتے تھے اور خود اسی جنگل کی خوراک پر قناعت کرتے اور خوش رہتے ۔

سلطان نصیر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کی حاضری

جس زمانے میں سلطان نصیرالدین دہلی نے جو صاحبان خدا سے تھا، اچہ وملتان کی طرف توجہ کی اور جب وہ قصبہ اجودھن پہنچا تو حضرت فرید الملت و الدین کی خدمت میں بھی آیا ۔ اس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن بھی جس کا خطاب

---

۱ ۔ نسخۂ اول میں یہ جملہ نہیں ہے (ص ۸۱) ۔

الغ خان تھا سلطان مذکور کے ساتھ تھا۔ سلطان (ناصر الدین) مشہور مقام دیبال پور کے نواح کے چار بڑے گاؤوں کی معافی کا فرمان اور کچھ نقد روپیہ لایا۔ جب سلطان المشائخ کے سامنے رکھا تو شیخ نے الغ خان کی طرف دیکھا اور دریافت کیا کہ یہ سب کیا ہے جو سامنے رکھا ہے؟ الغ خان مذکور نے عرض کیا کہ حضرت سلطان نے چار آباد گاؤوں کی معافی کا فرمان آپ کی اولاد کی معاش کے واسطے مرتب کیا ہے اور کچھ نقد روپیہ بھی خانقاہ کے درویشوں کے واسطے لائے ہیں۔ اگر آپ قبول فرمائیں تو ان کی دلی مسرت اور حصول سعادت کا سبب ہو۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ نقد جو درویشوں کے لیے ہے، میں نے قبول کیا، اس کو تقسیم کر دیا جائے لیکن یہ گاؤوں کا فرمان اٹھا لو۔ جس کو اس کی طرف رغبت ہو اور جو اس کو چاہتا ہو اس کو پہنچا دو۲۔ یہ فرما کر رخصت ہو گئے۔

بابا فرید کی بیماری اور نظام الدین اولیاء کا صحت کے لیے دعا کرنا

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں میں حضرت (بابا فرید) کے پاس قصبہ اجودھن میں تھا تو حضرت کے جسم مبارک میں سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ مجھے، مولانا جمال الدین ہانسوی، مولانا بدر الدین اسحاق اور درویش علی بہاری کو حکم دیا کہ [۴۸] جاؤ میری صحت کے لیے فلاں قبرستان میں جا کر دعا کرو۔ حسب ارشاد ہم سب اس قبرستان میں جس کا حکم دیا تھا تمام رات دعا میں مشغول رہے۔ علی الصباح ان کی خدمت میں پہنچے، دیکھا کہ ایک پرانے کالے کمبل پر تشریف رکھتے ہیں اور وہ عصا جو حضرت قطب الملت والدین کا عطیہ تھا ان کی بغل میں تھا۔ ہر مرتبہ اپنا دست مبارک اس عصا پر لگاتے تھے اور اپنے چہرے پر مل لیتے تھے۔ ہم سب کو دیکھ کر پوچھا کہ تم رات کو اس قبرستان میں مشغول دعا ہوئے تھے؟ ہم سب نے زمین پر سر رکھ دیے اور عرض کیا کہ ہاں ہم لوگ دعا میں مشغول ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہاری دعا نے میری صحت پر کچھ اثر نہیں کیا۔ ہم لوگ خاموش ہو گئے۔

شیخ علی بہاری ہم سے آگے کھڑے تھے، انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ناقص ہیں اور حضرت شیخ کا وجود ذات ستودہ صفات کامل ہے۔ ناقص کی دعا کامل کے حق میں اثر نہیں کرتی ہے۔ یہ بات انہوں نے نہیں سنی۔ یہی بات پھر میں نے زور سے عرض

۱۔ نسخۂ اول میں ''الف خان'' لکھ دیا ہے (ص ۸۱)۔
۲۔ فوائد الفواد ص ۱۷۱۔

کرچو درویش علی نے کہی تھی - حضرت شیخ نے جب یہ بات سنی تو مجھ کو اپنے قریب بلایا اور جو عصا اپنی بغل میں رکھتے تھے ، مجھ کو عنایت کیا اور کہا کہ مولانا نظام الدین ! میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ جو کچھ تم خدا تعالیٰ سے طلب کرو ، وہ تم کو عنایت کرے - میں نے زمین پر سر رکھ دیا اور واپس ہوا (ہمراہی) بھی چلے آئے - انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور مبارک باد دی۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ چونکہ حضرت شیخ نے میرے بارے میں یہ دعا کی ہے کہ جو کچھ میں خدا تعالیٰ سے طلب کروں وہ عنایت فرمائے گا - شیخ کی دعا یقیناً خدا کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے - بس یہی بہتر ہے کہ میں آج کی رات سلطان المشائخ کی صحت کے لیے دعا کروں ، ضرور قبول ہوگی - میں تمام رات ان کی صحت کی دعا میں مشغول رہا - چنانچہ آخر شب میں مجھے انشراح خاطر ہوا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ میری یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی - میں علی الصباح حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا ، دیکھا کہ وہ مصلے پر قبلہ رخ اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہیں - مجھے دیکھتے ہی فوراً ارشاد فرمایا کہ درویش نظام الدین ! چونکہ میری دعا تیرے حق میں قبول ہوئی ہے ، تو نے گزشتہ شب میری صحت کے لیے جو دعا کی وہ بھی قبول ہوئی - جب میں نے یہ بشارت سنی تو زمین پر سر رکھ دیا - انہوں نے وہ مصلیٰ جس پر وہ بیٹھے تھے ، مجھے عنایت کر دیا -[1]

بابا فرید کی والدہ کی گم شدگی

فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ فرید الملت و الدین شہر ہانسی سے قصبہ اجودھن میں آ کر سکونت پذیر ہوئے تو انہوں نے شیخ نجیب الدین متوکل[3] کو [۴۹] اپنی والدہ ماجدہ کے بلانے کے لیے قصبہ کھوتوال بھیجا کہ وہ ان کو اس قصبے سے اجودھن لے آئیں - دونوں قصبوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے ، جنگل وسیع ہے اور پانی نایاب ہے -[2]

شیخ نجیب الدین کے پاس ایک گھوڑا تھا - انہوں نے آن بزرگوار (والدہ) کو گھوڑے پر سوار کیا اور قصبہ اجودھن کی طرف چل دیے - جب آدھا راستہ طے کر لیا تو والدہ کو ایک درخت کے سایے میں بٹھا دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہوکر پانی کی تلاش میں چلے گئے - پھر جب وہ اس نصف راہ پر آئے تو والدہ بزرگوار کو نہ پایا - ادھر ادھر بہت دوڑے ، ان کی کوئی نشانی بھی نہ پائی - مجبور اور پریشان ہو کر شیخ

---

۱ - فوائد الفواد ص ۸۷ - ۸۹ -

فرید الملت و الدین کی خدمت میں قصبہ اجودھن آئے اور حضرت سے صورت حال بیان کی ۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فقیروں کو صدقہ دیا جائے اور صلحاء کو کھانا کھلایا جائے ۔

ایک مدت گزرنے کے بعد حضرت شیخ المشائخ نجیب الدین متوکل کا گزر اس جنگل میں ہوا جہاں حضرت کی والدہ غائب ہوئی تھیں ۔ جب وہ اس درخت کے پاس پہنچے کہ جہاں ان کو بٹھایا تھا اور جہاں سے وہ پانی کی تلاش میں گئے تھے ، دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک مرتبہ پھر اس نواح میں گشت کروں ، شاید ان کی کوئی نشانی ملے یا ہڈیاں مل جائیں ۔ اتفاق سے وہ ایک جگہ پہنچے کہ جہاں چند ہڈیاں پڑی تھیں ۔ حضرت کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ ہڈیاں میری والدہ معظمہ کی ہیں، ان کو بھیڑیے یا شیر نے مار ڈالا ہوگا ۔ انہوں نے تمام ہڈیوں کو جمع کیا اور تھیلے میں ڈالا ۔ پھر حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت میں آئے اور ہڈیوں کے ملنے کا قصہ اور ان کو تھیلے میں ڈال کر لانا سب بیان کیا ۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تھیلا لاؤ اور کھولو اور تمام ہڈیاں میرے مصلے پر رکھ دو ۔ شیخ نجیب الدین دوڑے اور تھیلا لائے ، جب اس تھیلے کا منہ کھولا اس میں کوئی ہڈی نہ تھی ۔ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین نے فرمایا کہ یہ حکایت عجائبات زمانہ سے ہے ۔[1]

بابا فرید اور شیخ بدر الدین غزنوی

حضرت نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان العاشقین قطب الملت و الدین نے رحلت فرمائی ، شیخ بدر الدین غزنوی جو حضرت کے خلیفہ ہیں ، دہلی میں تھے ۔ ملک نظام الدین خریطہ دار نے ایک عالی شان خانقاہ بنوائی اور شیخ بدر الدین غزنوی نے اس میں قیام کیا ۔ نظام الدین مذکور نعمت و دعوت کے اسباب مہیا رکھتے تھے اور شیخ (غزنوی) کی ہر طرح سے خدمت و رعایت کرتے تھے ۔ کچھ ہی عرصے کے بعد نظام الدین خریطہ دار سے حساب طلب کیا گیا ۔ اس کے ذمے عدالت کا کچھ روپیہ برآمد ہوا ۔ شیخ بدر الدین غزنوی کے کاموں میں خرابی واقع ہوئی[2] چنانچہ انہوں نے حضرت سلطان المشائخ فرید الملت

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۲۱۰ ۔ ۲۱۱، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۸۷ ۔ ۹۰ ۔
۲ ۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۳۴ ۔ ۱۳۵ ، مگر اس میں رقعہ کی تفصیل نہیں ہے ۔

و الدین کو ایک خط لکھا [۵۰] اور یہ اشعار اس میں تحریر کیے :

فرید الدین یار زیرک[۱] کہ بادش در کرامت زندگانی
دویما خاطرم در جمع داری[۲] بمدحش کردے گوہر فشانی[۳]

اور عرض کیا :

"شخصیے از عہدیداران دیوان برائے من خانقاہ بناء نمود برائے خدمت درویشان و تفقد حال ایشان نعمتے و دعوتے مہیا ساخت ۔ اکنوں او را حساب کشیدند بنا براں خاطرم بسیار پریشان ست ۔ ملتمس آنکہ بدعائے استمداد فرمایند تا او را خلاص حاصل گردد و کاروبار درویشان سربساماں آرد ۔ امید کہ ملتفت خواہند بود و السلام ۔"

ترجمہ "ایک شخص نے جو عدالت کے عہدیداروں میں سے ہے ، میرے لیے خانقاہ بنوائی اور درویشوں کی خدمت اور ان کی آسایش کے لیے نعمت و دعوت کے سامان مہیا کیے ۔ اب اس سے حساب طلب کیا گیا ہے، اس وجہ سے میری طبیعت سخت پریشان ہے ۔ التماس ہے کہ جناب دعا فرمائیں تا کہ وہ رہائی پائے اور درویشوں کا کاروبار درست رہے ۔ امید کہ جناب توجہ فرمائیں گے ۔ والسلام ۔"

شیخ فرید الملت و الدین نے قدرے سر ہلایا اور جواب میں لکھا :

"رقعہ عزیز الوجودے رسید ۔ بمطالعہ آں فرحت انجامید بدانچہ مندرج بود مبرہن نمود ۔ ہر آئینہ ہر کہ بر نہج پیران خودش روش ننماید ضرورتش ہمیں پیش آید کہ خاطرش از غم نیاساید ۔ از پیران ما کہ بود کہ خانقاہے برائے خود بنا فرمود و در وے جلوس فرمود ۔"

ترجمہ عزیز الوجود کا رقعہ ملا ۔ اس کے مطالعہ سے فرحت ہوئی ۔ اس میں جو کچھ تحریر تھا معلوم ہوا ۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے پیروں کے طور طریقے پرکاربند نہیں ہوتا ہے اس کو ایسے ہی واقعات پیش آتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اس کی طبیعت پریشان رہتی ہے ۔ ہمارے پیروں میں سے کون ایسا تھا کہ جس نے اپنے لیے خانقاہ بنوائی ہو اور اس میں جلوس

---

۱ ۔ یہ مصرع نسخۂ اول میں "فرید الدین و ملت شیخ عالی" اور فوائد الفواد (ص ۲۵۵ ، طبع لاہور) میں "فرید دین و ملت یار مہتر" ہے ۔
۲ ۔ در نسخۂ اول "بودی" (ص ۸۵) ۔
۳ ۔ در فوائد الفواد (ص ۲۵۵) "شکر فشانی" ۔

فرمایا ہو۔"

چونکہ شیخ بدر الدین، حضرت سلطان العاشقین قطب الملت و الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے حضرت (بختیار کاکی) اور ان کے پیر حضرت معین الملت و الدین کی یہ عادت و روش نہ تھی کہ خانقاہ بنواتے اور دوکان آراستہ کرتے بلکہ جہاں کہیں پہنچتے، وہیں قیام کر لیتے۔ کم نامی، بے نشانی اور فنائیت کا ارادہ رکھتے تھے[1]۔

سلطان المشائخ حضرت شیخ فرید الملت و الدین کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی، باوجودیکہ شیخ بدر الدین برسوں تک حضرت قطب الملت و الدین کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے طور طریقے کو دیکھا تھا۔ حضرت شیخ بدر الدین غزنیں کے رہنے والے تھے اور وہاں سے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حضری کا ارادہ کیا۔ جب دہلی پہنچے تو ان کی ارادت کا شرف حاصل کیا (مرید ہو گئے)۔ دہلی میں ان کے ایک داماد تھے جن کا لقب کریم الدین تھا، وہ منشی کبری کا کام کرتے تھے۔ آخر میں وہ بھی قطب الملت و الدین کی خدمت میں آئے اور دنیا ترک کر دی۔

حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین جس زمانے میں اپنے پیر کی خدمت میں دہلی میں تھے تو ایک روز وہ شیخ بدر الدین غزنوی کی ملاقات کے لیے گئے۔ وہ ایک پرانے کمبل پر بیٹھے تھے۔ حضرت شیخ فرید الملت و الدین سے ملے۔ کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی جو ان کے سامنے رکھتے۔ خواجہ کریم الدین مذکور کو وہ کمبل دیا کہ جس پر بیٹھے تھے اور کہا کہ جاؤ اس کو بازار میں فروخت کر دو اور روٹی اور شوربا لے آؤ تاکہ کھائیں۔ خواجہ کریم الدین نے ان کے حکم سے کمبل لے لیا اور بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ جاتے وقت شیخ بدر الدین نے آواز دی کہ یہ کمبل فقیرانہ طریقے سے فروخت کرنا۔ اس وقت [۵۱] شیخ فرید الدین مسعود نے شیخ بدر الدین سے فرمایا کہ فقیرانہ طریقے سے بیچنے کا کیا منشاء ہے؟ شیخ بدر الدین مسکرائے اور کہا کہ فقیرانہ طریقے کا یہ مطلب ہے کہ جو قیمت بھی کوئی دے، اس میں کوئی مضائقہ نہ کیا جائے[2]۔

بابا فرید کے موئے مبارک کی برکت

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ ایک دن میں

---

۱ ۔ نسخہ ول میں یہ پیراگرف بھی رقعہ میں شامل ہے (ص ۸۵)۔
۲ ۔ فوائد الفواد ص ۱۳۴ - ۱۳۵ ۔

فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضر تھا ۔ ان کی ریش مبارک سے ایک بال گر گیا ۔ میں فوراً اٹھا اور عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو تعویذ بنا لوں ۔ فرمایا مناسب ہوگا ۔ آخر میں نے اس کو ایک کاغذ میں رکھا اور تاگا لپیٹ کر اسے اپنی پگڑی میں رکھ لیا ۔

جب میں اجودھن سے دہلی پہنچا ، وہاں جب کوئی بیمار ہوتا ، میں وہی تعویذ اس شرط پر اسے دے دیتا کہ جب صحت ہو جائے تو یہ تعویذ مجھے واپس کر دینا۔ چنانچہ جس کو میں (تعویذ) دیتا ؛ اس کو صحت ہو جاتی ۔ یہاں تک کہ تمام شہر میں اس تعویذ کی شہرت ہو گئی ۔ میں اس تعویذ کو اپنے حجرے کے ایک طاق میں رکھ دیا کرتا تھا ۔ جس کسی کو ضرورت ہوتی ، اس کو دے دیا کرتا ۔

شہر میں میرا ایک صالح اور صادق دوست تھا، اس کو تاج الدین مینائی کہتے تھے ۔ اس کا ایک چھوٹا چھوٹا لڑکا تھا جو اچانک بیمار ہو گیا ۔ وہ تاج الدین مینائی میرے پاس آیا اور وہ تعویذ مانگا۔ میں حجرے میں گیا اور جس طاق میں تعویذ رکھ دیتا تھا ، اس میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا ۔ اور دوسرے طاقوں میں بھی جو حجرے میں تھے ، تلاش کیا کہ شاید کسی اور طاق میں رکھ دیا ہو ؛ تعویذ مذکور کہیں نہیں ملا ۔ چنانچہ وہ دوست بیچارہ رنجیدہ واپس چلا گیا اور اس کا بچہ اسی بیماری میں فوت ہو گیا ۔ کچھ عرصے کے بعد دوسرا شخص آیا ، اس نے ایک ضرورت کے لیے مجھ سے وہ تعویذ مانگا ۔ خدا کے حکم سے اسی طاق میں کہ جو مقرر تھا تعویذ مل گیا ۔ میں نے اس کو دے دیا اور اس کی ضرورت پوری ہوگئی ۔ چونکہ اس (تاج الدین مینائی) کا لڑکا مرنے والا تھا ، اس لیے تعویذ نہ ملا[۱]۔

بابا فرید اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الملت و الدین سے بہت اعتقاد و ارتباط تھا ۔ جس وقت کتاب عوارف کا درس دیتے تھے تو اس طرح بیان فرماتے کہ سننے والے کے ہوش جاتے رہتے ۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کے پانچ باب حضرت (بابا فرید) سے پڑھے ہیں ۔ ان کے بیان کی لذت سے مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۱۰٦ - ۱۰۷ ، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۰ ۔

کہ اگر اس حالت میں کوئی مر جائے تو اس کو دولت (وصال) حاصل ہو جائے۔ جس دن کتاب عوارف میرے درس دینے کے لیے لائے، اسی روز سلطان المشائخ (بابا فرید) کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شہاب الدین رکھا[1]۔

محمد نیشاپوری کا بیان

ان ہی سے منقول ہے کہ حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین [۵۲] کے ایک صادق الاعتقاد مرید تھے جن کا نام محمد نیشاپوری تھا۔ ان سے میں نے سنا ہے کہ میں جس زمانے میں ولایت گجرات سے دہلی آ رہا تھا، میرے ساتھ دو تین آدمیوں سے زیادہ نہ تھے اور کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔ جب ہم جنگل میں پہنچے کہ وہاں سے آبادی دور تھی، اسی دوران میں ہم نے دیکھا کہ چند ڈاکو ننگی تلواریں لیے ہوئے ہمارے مقابلے کو موجود تھے۔ ہم خوف زدہ ہو گئے۔ میں نے فوراً کہا "یا شیخ فرید الدین حاضر باش۔" اس بات کے سنتے ہی ڈاکوؤں[2] نے تلواریں پھینک دیں اور فوراً کہنے لگے کہ ہمیں امان دیجیے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ معلوم نہیں شیخ فرید الدین نے ان کو کیا دکھایا ہوگا۔

ضیاء الدین دانش مند

حضرت شیخ نظام الدین و الملت سے منقول ہے کہ ایک دانش مند تھے جن کا لقب ضیاء الدین تھا اور وہ جامع مسجد دہلی کے منارے کے نیچے درس دیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے سنا کہ (وہ کہتے تھے) کہ میں ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں علوم منقول و معقول میں سے میں نے کچھ نہیں پڑھا تھا میں نے علاق پڑھی[3] تھی۔ ایک جزدان میری بغل میں تھا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر حضرت نے مجھ سے علم فقہ یا دوسرے علوم کے متعلق دریافت کیا تو کیا جواب دوں گا۔ میں یقیناً شرمندہ ہوں گا۔ جیسے ہی میں ان کی خدمت میں پہنچا، اپنا سر زمین پر رکھا اور

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۰۷ - ۱۲۸۔

۲۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۲۹ - ۱۳۰، مگر اس میں ایک ڈاکو کا ذکر ہے۔

۳۔ در نسخۂ اول "علامی" (ص ۸۸)، در فوائد الفواد "خلاق" (طبع لاہور، ص ۱۵۳ و طبع لاہور ص ۸۹)۔

بیٹھ گیا۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور فرمایا تنقیح حسنات کیا ہیں؟ میں خوش ہوا اور اس کا بیان شروع کر دیا اور نفی و اثبات جو اس میں مقرر ہیں، بیان کیے۔ کیسا کمال کشف حضرت کو تھا کہ جو کچھ میں نے پڑھا تھا، وہی مجھ سے دریافت کیا۱۔

ایک شعر پر وجد

نقل ہے کہ حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین اس شعر پر وجد میں آ جاتے تھے اور دیر تک استغراق کی حالت میں رہتے تھے:

بیت

نظامی این چہ اسرار است کز خاطر عیاں کر دی
کسے سرش نمی داند زباں در کش زباں در کش

جب ہوش میں آتے تو یہی فرماتے:

ع کسے سرش نمی داند زباں در کش زباں در کش۲

شیخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت نجیب الدین متوکل نے حضرت سلطان العارفین فرید الحق و الدین سے عرض کیا کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت شیخ نماز کے بعد سجدے میں سر رکھتے ہیں اور "یا رب یا رب" کہتے ہیں تو عالم غیب سے "لبیک عبدی" سنتے ہیں۔ فرمایا "الارجاف مقدمۃ الکون۔"

جب شیخ نجیب الدین نے عرض کیا کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خواجہ خضر اکثر آپ کی صحبت میں آتے ہیں۔ فرمایا "خیر"۔ انھوں نے پھر شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مردان غیب، اوتاد و ابدال بھی حضرت کی مجلس میں آتے ہیں۔ اس بات سے انکار کر دیا اور فرمایا نجیب الدین تو بھی [۵۳] مرد ابدال ہے۔۳

شمس الدین دبیر کے لیے دعائے خیر

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین سے منقول۴ ہے کہ ایک شخص

۱۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۵۳ - ۱۵۴ -
۲۔ فوائد الفواد ص ۱۷۴ -
۳۔ فوائد الفواد ص ۲۰۹ -
۴۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۲۱۸ - ۲۲۰ -

شمس الدین دبیر نامی تھا ، و سنام کا باشندہ تھا ۔ وہاں سے قصبہ اجودھن میں آیا ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت کی خدمت میں زمین بوسی سے مشرف ہوا اور حضرت کی خدمت میں رہنے لگا ۔ علم سلوک کی ایک کتاب "لوائح" ہے جو برگزیدۂ حق شیخ حمید الدین ناگوری نے تصنیف فرمائی ہے ۔ اس شخص نے وہ کتاب "لوائح" حضرت کی خدمت میں پڑھنی شروع کی ۔ یہ شخص دبیر ، شاعر تھا ۔ اس نے ایک طولانی قصیدہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کی شان میں لکھا ۔ اس نے اجازت چاہی کہ وہ حضور میں پڑھے ۔ حضرت نے اس کو پڑھنے کی اجازت دے دی ۔ شمس دبیر کھڑا ہوا اور قصیدہ پڑھا ۔ قصیدہ ختم ہونے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ بیٹھ اور دوبارہ پڑھ ۔ حضرت سلطان المشائخ اس کے تسکین قلب کی خاطر ہر شعر پر اس کی تعریف فرماتے ۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تمنا ہے؟ شمس نے عرض کیا کہ ناداری اور غربت ہے ، میری والدہ بھی ہیں اور لڑکا بھی ہے[1]، ان کی پرورش میرے ذمہ ہے ۔ حضرت شیخ توجہ فرما دیں کہ کچھ مرفہ الحالی نصیب ہو جائے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ شکرانہ لاؤ ۔ جب حضرت شیخ کسی سے فرما دیتے کہ شکرانہ لاؤ تو اس کا کام ضرور پورا ہو جاتا تھا ۔ شمس الدین مذ ور نے پچاس جیتل حضرت کے سامنے رکھ دیے اور خود دعا کے لیے کھڑا ہو گیا ۔ حضرت شیخ نے وہ رقم درویشوں میں تقسیم کر دی اور اس کے حق میں دعائے خیر کی ۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں اسے مال و دولت حاصل ہو گیا ۔ شمس الدین بادشاہ کا وزیر[2] مقرر ہو گیا ۔

سلطان المشائخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین ایک جگہ بیٹھے تھے اور نماز کے علاوہ بار بار سجدہ کرتے تھے ۔ حضرت ایک مرتبہ حجرے میں تھے ، میں نے ان کو اس طرح دیکھا کہ ہر مرتبہ کھڑے ہوتے ، سجدے میں جاتے اور یہ مصرعہ پڑھتے :

ع از بہر تو میرم از بہر تو زیم[3]

---

۱ ۔ فوائد الفواد (ص ۲۱۹) میں صرف ماں کا ذکر ہے ۔
۲ ۔ فوائد الفواد (ص ۲۱۹) میں "دبیر" اور سیر العارفین میں "وزیر" ہے ۔
۳ ۔ فوائد الفواد ص ۳۴۱ ۔ ۳۴۲ ۔

مولانا حمید الدین

حضرت نظام الملت و الدین سے منقول ہے[1] کہ حمید نامی ایک متعلم[2] طغرل کی ملازمت میں تھا کہ جس (طغرل) کو غیاث الدین نے داروغہ بنگالہ کر دیا تھا ۔ ایک دن حمید اس کے سامنے کھڑا تھا ۔ اس (حمید) کو ایک لطیف پر نور صورت دکھائی دی اور اس نے کہا کہ اے حمید ! تو اہل علم ہے ، اس جاہل کے سامنے کیوں دست بستہ کھڑا ہے ؟ حمید مذکور متحیر ہوا اور (حضرت نظام الدین اولیاء نے) کہا کہ حمید کو (وہاں) رہنے کی طاقت [۵۳] نہ رہی ۔ وہ وہاں سے قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہو گیا ۔ جب حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت میں پہنچا تو خاک پر اپنا چہرہ رکھا (آداب بجا لایا) ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے مولانا حمید! تو نے دیکھا کہ کس ترکیب سے میں نے تجھے یہاں بلایا ۔ اسی وقت مولانا مذکور نے دنیا ترک کر دی ، مرید ہوئے ، خرقۂ خلافت پایا ۔ اور وہ کبھی کبھی ذکر بالجہر کرتے ۔ حضرت نظام الملت و الدین فرماتے ہیں کہ میں ان کا ذکر بالجہر اکثر سنتا تھا ، بہت اثر کرتا تھا ، سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین نے فرمایا کہ اے مولانا حمید ! اس وقت تم روشن ستارے کی طرح ہو ۔ آفتاب کے سامنے ستارے کی زیادہ چمک نہیں رہتی ۔ قصبہ اندرپت میں جو دہلی کے نزدیک ہے ، سکونت پذیر ہو جاؤ اور خلق خدا کو نفع پہنچاؤ ۔ مولانا حمید کھڑے ہو گئے ، زمین پر سر رکھ دیا اور عرض کی کہ اے مہربان آقا ! مجھے رخصت فرمائیں کہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوں اور گناہوں کی گرد بیت اللہ میں آب زمزم سے پاک کروں ۔ حضرت شیخ نے دعا اور رخصت عنایت فرمائی ۔ پھر ان کی کوئی خبر نہ آئی ۔

مولانا عارف کا واقعہ

ان ہی سے یہ بھی منقول ہے[3] کہ اچھ و ملتان کی طرف ایک صحیح الاعتقاد ملک (سردار) تھا ۔ مولانا عارف اس کی نماز کی امامت کیا کرتے تھے ۔ اتفاق سے اس ملک (سردار) کو حضرت سلطان المشائخ فرید الملت سے غائبانہ اتحاد و اعتقاد تھا ۔ اس

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۳۴۲ ۔ ۳۴۴ ۔
۲ ۔ در نسخۂ اول ''معلم'' (ص ۹۰) ۔
۳ ۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۳۶۵ و اخبار الاخیار ص ۵۷ ۔

نے دو سو سفید تنکے مولانا مذکور کی معرفت بھیجے اور کہا کہ جب قصبہ اجودھن میں پہنچو تو یہ رقم حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں میری طرف سے پیش کرنا اور عرض کرنا کہ دعائے خیر کیجیے ۔

مختصر یہ کہ جب مولانا مذکور قصبہ اجودھن میں پہنچے تو دل میں خیال کیا کہ اس رقم میں سے نصف خود رکھ لوں اور نصف شیخ کی نذر کر دوں ، اس لیے کہ ملک (سردار) نے مجھے کوئی تحریر نہیں دی ہے کہ جس سے میری خیانت ظاہر ہو گی ۔ غرض کہ جب شیخ المشائخ کی خدمت میں پہنچے ۔ زمین کو بوسہ دیا اور سو سفید تنکے بغل سے نکال کر حضرت کی خدمت میں پیش کیے کہ فلاں ملک (سردار) آپ کا مخلص و معتقد ہے ، سو تنکے میری معرفت شکرانے میں بھیجے ہیں ، قبول فرمائیے۔ اس کے بعد حضرت شیخ مسکرائے کہ مولانا عارف تم نے اس درویش کے ساتھ حق برادری ادا کر دیا کہ شکرانے کی رقم کو نصف نصف کر لیا ۔ عارف مذکور شرمندہ ہوئے اور عرض کیا کہ مخدومی ! مولویوں کی ہمت اہل سلوک کی ہمت کے برابر نہیں ہے اور وہ سو تنکے بھی کہ جن کی خیانت کی تھی ، پیش کر دیے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ سو تنکے بھی تمہارے ہیں تاکہ بھائی کو کوئی نقصان نہ پہنچے ۔ مولانا عارف مذکور نے جب یہ کشف دیکھا تو جو سامان [۵۵] اور نقدی ان کے پاس تھی، حضرت شیخ المشائخ فرید الدین کے درویشوں میں تقسیم کر دی ۔ شرف ارادت سے مشرف ہوئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے ۔ تھوڑے ہی دنوں میں حضرت شیخ المشائخ سے خرقۂ خلافت پایا اور واصلان حق میں سے ہوئے ۔ چنانچہ حضرت شیخ نے ان کو سیستان[۲] کے ملک میں مقرر کر دیا تاکہ اس ملک کے لوگ ان سے فیض حاصل کریں ۔

مولانا بدرالدین اسحاق

یہ بھی تحقیق سے سنا ہے کہ حضرت مولانا بدر الدین[۳] اسحاق بن منہاج الدین

---

۱ ۔ نسخۂ اول میں دہلی جاتے ہوئے اجودھن میں ٹھیرنے کا ذکر ہے (ص ۹۱) ۔

۲ ۔ در فوائد الفواد (ص ۳۶۵) ''سیوستان'' ۔

۳ ۔ حالات کے لیے دیکھیے

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۲۸ - ۱۲۹ -

(۲) اخبار الاخیار ص ۷۳ -

(۳) سیرالاولیاء ص ۱۷۲ - ۱۷۹ -

(۴) معارج الولایہ (قلمی) ص ۲۵۲، (مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی) ←

بخاری علم معقول و منقول میں بے نظیر تھے اور دہلی شہر میں مغربی مدرسے میں درس دیا کرتے تھے اور درویشوں سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے ۔ اتفاق سے ان کو چند مشکل مسائل پیش آئے ۔ ان کے ہم عصر حضرات میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جو ان مسائل کے مشکلات و نکات کو حل کر سکتا ۔ انہوں نے دہلی شہر سے بخارا جانے کا ارادہ کیا ۔ جب قصبہ اجودھن پہنچے تو ان کے ساتھی حضرت سلطان المشائخ فرید الحق و الدین کی خدمت میں جانے لگے ۔ ان سے بھی کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو اور حضرت شیخ سے ملاقات کر لو ۔ مولانا مذکور نے جواب دیا کہ تم جاؤ اور ملاقات کرو، میں نے ایسے بہت سے دیکھے ہیں ۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں کون وقت ضائع کرے ۔ مولانا کے مصاحبین اصرار و خوشامد کر کے اپنے ہمراہ لے گئے ۔ جب حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت میں پہنچے اور کچھ آرام کیا تو حضرت سلطان المشائخ و الاولیاء فرید الملت و الدین نے مولانا بدر الدین اسحاق کی جانب توجہ فرمائی اور تمام وہ مشکلات اور دقائق جو ان کے دل میں تھے ، مختلف انداز سے بیان کر دیے ۔ چنانچہ مولانا مذکور ان کی تقریر سے متاثر ہوئے اور مرید ہو گئے، سر زمین پر رکھ دیا اور بخارا کا ارادہ ترک کر دیا ، دن رات حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر رہتے اور ہر وقت فیض حاصل کرتے اور روزانہ لکڑیوں کا گٹھا حضرت شیخ کے باورچی خانے کے لیے اپنے سر پر رکھ کر لاتے ۔ آخر کار حضرت شیخ (بابا فرید) نے اپنی دختر کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور اپنی دامادی سے مشرف کیا ۔ وہ بھی واصلان حق سے ہوئے ۔

مولانا داؤد محمود

حضرت نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول[1] ہے کہ حضرت سلطان المحققین فرید الملت و الدین ایک نہایت کامل مرید تھے۔ ان کو مولانا داؤد محمود باآہیبی[2] کہتے تھے ۔ اکثر ان کے اوصاف حمیدہ حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین مجلس میں بیان کیا کرتے ۔ ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ میں اور مولانا داؤد

---

(۵) ثمرات القدس (قلمی) (نیشنل میوزیم کراچی) ورق ۱۵۹الف ۔ ۱۶۱ الف ۔

(۶) رجال السند و الہند ص ۷۸ ۔ ۷۹ ۔

(۷) ثمرات القدس ورق ۱۵۹ الف ۔ ۱۶۱ الف ۔

۱ ۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۱۱۸ ۔ ۱۱۹ ۔

۲ ۔ در خیر المجالس (ص ۱۱۸) ''پالیہی'' ۔

حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین سے رخصت ہو کر دہلی کو چلے ۔ دونوں قصبہ اجودھن سے باہر آئے ۔ ہم دونوں پیدل تھے ۔ وہ راستے میں تیز قدمی کرتے اور آگے نکل جاتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ میں بھی ان تک پہنچ جاتا اور جب [۵۶] ان کو نماز میں مشغول پاتا تو آگے بڑھ جاتا ۔ تقریباً دو کوس آگے نکل جاتا اور نماز میں مشغول ہو جاتا ۔ اچانک وہ پہنچ جاتے اور مجھ کو نماز میں مشغول دیکھ کر خود آگے بڑھ جاتے، یہاں تک کہ میں ان تک پہنچ جاتا اور نماز میں مشغول ہو جاتا اور وہ بھی ایک کوس آگے بڑھ جاتے ۔ اس راستے میں بہت بڑا جنگل تھا ۔ وہ راستہ چھوڑ کر دائیں بائیں پانی کی تلاش میں چلے جاتے لیکن ایسے (گھنے) جنگل میں بھی راستہ نہیں بھولتے تھے ۔

داؤد قصبہ رودولی کے نزدیک ایک گاؤں میں رہتے تھے اور کبھی کبھی میں نے ان کو اودھ میں بھی آتے دیکھا ہے ۔

ان (چراغ دہلی[۱]) سے حکایت ہے کہ اودھ میں ایک بزاز تھا جس کا لقب نور الدین تھا ۔ اس کا لڑکا بیمار ہو گیا اور سخت تکلیف میں مبتلا ہوا، یہاں تک کہ نور الدین مذکور کو اس کی زندگی سے نا امیدی ہو گئی ۔ نور الدین کو مولانا داؤد سے بہت اعتقاد و اتحاد تھا۔ وہ مولانا مذکور کے پاس آیا اور بیمار لڑکے کی حالت بیان کی ۔ مولانا داؤد نے کچھ دیر غور کیا اور نور الدین مذکور سے کہا کہ اگر میرے لڑکے کو اسی وقت صحت ہو جائے تو تو مجھے اپنے مال سے کیا شکرانہ دے گا ؟ نور الدین مذکور نے کہا کہ جو آپ فرمائیں حاضر کروں ۔ مولانا داؤد نے فرمایا کہ لڑکے کی صحت کے بعد ایک تہائی مال مجھے دینا تاکہ فقراء کو تقسیم کروں ۔ خواجہ نور الدین مذکور نے قبول کیا ۔ مولانا داؤد کی برکت سے وہ لڑکا اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا جیسے کہ اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی ۔ خواجہ نور الدین نے جب یہ کیفیت دیکھی تو مولانا کے پاس تہائی مال لے گیا ۔ مولانا مذکور نے اپنے مکان پہنچنے تک تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا، یہاں تک کہ ایک جیتل بھی اس میں سے اپنے اوپر خرچ نہیں کیا ۔

مریدوں کی تربیت

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان العارفین فرید الملت و الدین دوپہر کے وقت گھر سے باہر آئے ۔ میں، مولانا بدرالدین

---

۱ ۔ در خیرالمجالس (ص ۱۱۹) ''زیادت از ربع'' ۔

اسحاق اور مولانا جمال الدین ہانسوی حاضر تھے ۔ حضرت شیخ ایک دیوار کے سائے میں کھڑے تھے ۔ حضرت کا ایک مرید تھا جس کا نام یوسف تھا ۔ وہ بھی آ گیا اور حضرت شیخ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور سختی سے گفتگو کرنے لگا کہ مجھ کو اتنے سال ہوئے کہ شیخ کی خدمت کرتا ہوں ، ان کے پاس رہتا ہوں ، کوئی نعمت مجھے نہیں ملی ۔ بہت سے لوگ میرے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں آئے اور خلافت کی نعمت سے مشرف ہوئے ۔ انھوں نے حضرت شیخ کے ہاتھوں سے خرقۂ خلافت زیب تن کیا اور اطراف و جوانب میں مقرر ہو گئے ، ناز و نعمت حاصل کرتے ہیں ، لوگوں کو مرید بناتے ہیں اور بہت سے نذرانے پاتے ہیں مگر میں دن رات خدمت کرتا ہوں ، ذلت و خواری برداشت کرتا ہوں ۔ اس کی گفتگو سے بہت کراہیت ہوئی لیکن حضور شیخ کی وجہ سے ان کا ادب مانع ہوا کہ اس کو جواب دوں ۔ حضرت سلطان المشائخ (بابا فرید) نے جواب [۵۷] دیا کہ اے درویش! ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق نعمت پاتا ہے ۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے ۔ تجھ میں قابلیت ہونی چاہیے تا کہ تو بھی اس دولت سے مشرف ہو سکے ۔

اسی وقت چار سال کا ایک لڑکا جو حضرت شیخ کے اقرباء میں سے تھا ، مکان سے باہر آیا اور حضرت شیخ کی جانب متوجہ ہوا ۔ جس جگہ ہم اور حضرت شیخ کھڑے تھے ، اس کے سامنے اینٹوں کا ایک ڈھیر تھا ۔ شاید کسی دیوار کے لیے لائے ہوں گے ۔ حضرت شیخ نے اس بچے کو حکم دیا کہ اس ڈھیر میں سے میرے لیے ایک اینٹ لاؤ تا کہ میں اس پر بیٹھوں ۔ وہ بچہ دو ایک اینٹیں اپنے سر پر رکھ لایا اور حضرت شیخ کے سامنے رکھ دیں ، وہ ان پر بیٹھ گئے ۔ پھر شیخ نے فرمایا کہ جاؤ دوسری اینٹ مولانا نظام الدین کے لیے لاؤ ۔ وہ گیا اور دوسری اینٹ اچھی اور سالم لے آیا اور میرے سامنے رکھ دی ۔ پھر حکم دیا کہ ایک اور اینٹ مولانا جمال الدین کے لیے لاؤ ۔ وہ گیا اور ایک صحیح و سالم اینٹ اس ڈھیر میں سے اٹھا کر لے آیا اور مولانا مذکور کے سامنے رکھ دی ۔ پھر حضرت شیخ نے اشارہ کیا کہ اور اینٹ مولانا بدر الدین کے لیے لاؤ ۔ وہ مولانا بدر الدین کے لیے بھی ایک سالم اینٹ لے آیا اور رکھ دی ۔ پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ ایک اور اینٹ یوسف کے لیے لاؤ ۔ وہ یوسف مذکور ہم لوگوں کے درمیان کھڑا تھا ۔ وہ بچہ گیا ، ڈھیر کے نزدیک کھڑا ہوا کچھ دیر ان اینٹوں کو اوپر نیچے کرتا رہا ، پھر آدھی اینٹ بلکہ اس سے بھی کم لے کر آیا اور یوسف کے سامنے رکھ دی ۔ تمام احباب متحیر رہ گئے ۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے یوسف کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ

ہے کیا کروں ، تمہارا حصہ دوسروں کے برابر نہیں ہے ۔ یہ خدا کی تقسیم ہے ۔ جو کچھ وہ دیتا ہے ، اسی سے آرام اٹھاؤ اور اس کا شکر ادا کروا ۔

بابا فرید کی بیماری

شیخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کو آخری بیماری ہوئی کہ اس بیماری میں رحمت حق سے جا ملے تو حضرت نے مجھ کو دہلی جانے کی اجازت دی اور خاص لباس سے مجھے نوازا اور روانہ کر دیا ۔ رخصت کے وقت وہ آبدیدہ ہو گئے اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جاؤ تم کو خدا کے سپرد کیا ۔ مجھ کو بھی ان کی جدائی کا ایسا رنج و غم ہوا کہ رخصت ہوتے وقت کبھی ایسا نہیں ہوا تھا ۔ میں اسی حال میں دہلی پہنچا ۔ میں نے سنا کہ حضرت کی علالت نے طول کھینچا ، یہاں تک کہ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد بے ہوش ہوگئے اور کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے ۔ مولانا بدر الدین اسحاق سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز ادا کر لی ۔ مولانا مذکور نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے نماز عشاء وتر کے ساتھ ادا کی ہے ۔ حضرت پھر بے ہوش ہو گئے ۔ جب ہوش آیا تو فرمایا کہ ایک مرتبہ پھر [۵۸] عشاء کی نماز ادا کر لوں ۔ کیا معلوم کہ پھر موقع ملے یا نہ ملے ۔

وصال

مولانا بدر الدین سے منقول ہے کہ رات میں تین مرتبہ نماز عشاء ادا کی ۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ مولانا نظام الدین دہلی میں ہیں ، میں بھی حضرت قطب الدین قدس سرہ کے وصال کے وقت شہر ہانسی میں[۲] تھا ۔ آہستہ سے مولانا بدر الدین کے کان میں کہا کہ میرے انتقال کے بعد میرا وہ لباس جو حضرت قطب الملت و الدین سے مجھے ملا تھا ، تم جانتے ہو ، درویش نظام الدین کو پہنچا دینا ۔ یہ کہا اور پانی دوبارہ وضو کرنے کے لیے طلب کیا ۔ وضو کیا ، دوگانہ ادا کیا اور سجدہ میں چلے گئے یہاں تک کہ اسی سجدے میں وصال فرمایا ۔ انا لله و انا الیه راجعون ۔ حضرت کا انتقال ۵ محرم الحرام بدھ کے دن ہوا[۳] ۔

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۵۲ ۔
۲ ۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۸۸ ۔
۳ ۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے انتقال کے متعلق مختلف تذکرے مختلف البیان ہیں ۔ ملاحظہ ہو سیر الاقطاب ۶۹۰ھ ، راحت القلوب ۶۸۴ھ ، خزینۃ الاصفیا ۶۷۰ھ ، فرشتہ ۶۶۰ھ ، مگر جواہر فریدی ، اخبار الاخیار ، سفینۃ الاصفیاء اور ''فرید الدین گنج شکر'' میں ۶۶۴ھ ہے ۔

سلطان المشائخ و الاولیاء شیخ نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ

شہنشاہ اورنگ عرفان حق	دلش صدر دیوان ایوان حق
ملک بردہ درویزہ از شان او	فلک کاسۂ سبز بر خوان او
دلش ساکن ملک ذات و صفات	زہے پاک دین و زہے پاک ذات
قدم راندہ زیں گونہ در راہ فقر	کہ شد شاہ اورنگ درگاہ فقر
بباطن بتلویں زاطوار محو	بظاہر ز تمکیں نگہدار صحو
نظام الحق آں شاہ عالم مقام	از و کار ارباب دیں با نظام
جمالی یکے از ثنا خوان اوست	بصد جان محب محبان اوست

وہ دریائے توحید کے نہنگ، صحرائے تفرید کے پلنگ، یگانگان آفاق کے مرید، طریق اطلاق کے سالکوں کے رہبر اور آسمان سرمدی کے مسند نشین تھے ۔ سلطان الاولیاء نظام الدین قدس سرہ زمانہ کے قابل یادگار مشائخ میں سے تھے ۔ وہ ارباب ولایت میں مشہور اور اسرار باطن میں بایزیدؒ وقت تھے اور ظاہری اطوار کے اعتبار سے گویا اپنے زمانے کے امام ابو حنیفہؒ تھے ۔

بچپن

ان کے والد بزرگوار احمد بن دانیال[1] غزنین سے ہندوستان تشریف لائے اور شہر بداؤں میں توطن اختیار کیا ۔ یہ بزرگوار (نظام الدین اولیاء) شہر بداؤں میں پیدا ہوئے ۔ پانچ سال کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا[2] ۔ ان کی والدۂ ماجدہ

---

۱ ۔ مولوی رضی الدین لکھتے ہیں کہ حضرت کا نام احمد دانیال ہے احمد بن دانیال نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ٦٧ ، ١٢١ ۔

۲ ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے والد کا انتقال ٦٣٥ھ میں بدایوں میں ہوا ۔ متصل سا گرتال دفن ہیں ۔ ١١٨٤ھ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے مسجد، گنبد اور چہار دیواری بنوائی ۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ٦٧ - ٦٩، کنز التاریخ ص ٦٧ ، عمدۃ التاریخ ص ٥٤ ، کلام منظور اولیاء (بہارستان حقیقت) ص ٣ ، تاریخ بدایوں مؤلفہ رائے بختاور سنگھ (ٹائپ شدہ مملوکہ محمد ایوب قادری) ص ٢٠ ۔

ان کی پرورش کرتی تھیں - جب وہ بالغ ہوئے اور طالب علمی اختیار کی تو مولانا علاء الدین اصولی کی خدمت میں ظاہری علوم حاصل کرنے لگے - وہ تمام و کمال صلاح و تقویٰ سے زندگی گزارتے تھے - ان کی والدۂ ماجدہ رابعۂ زمانہ تھیں[1] -

دہلی میں تحصیل علم

پچیس سال کی عمر میں بداؤں سے شہر دہلی آئے - اپنی والدہ ماجدہ کو ساتھ لائے - سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ان کا دہلی آنا ہوا - یہاں بھی تحصیل علم میں مشغول ہو گئے - اس زمانے میں شہر دہلی میں بہت سے درویش اور بے شمار عالم تھے لیکن علمائے کبار میں ممتاز [۵۹] شمس[2] الدین خوارزمی تھے - شہر کے تمام علماء ان سے رجوع کرتے تھے - وہ فروع و اصول کے جامع تھے اور علوم معقول و منقول میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے - آخرالامر سلطان غیاث الدین نے ان کو شمس الملک کا خطاب[3] عطا کیا اور انہیں اپنے ملک کے مصالح کا مختار بنا دیا جیسا کہ تاج الدین سنگریزہ نے ان کی تعریف میں کہا ہے :

مطلع

شمسا کنوں بکام دل دوستاں شدی   فرماں دہی[4] ممالک ہندوستاں شدی

چونکہ ابتدا میں عدالت کے کاموں کی مصروفیت تھی (لیکن) وہ اپنے اوقات درس و تدریس میں بھی صرف کرتے تھے ، اس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ ان کے پاس تحصیل علم کرتے تھے اور ان کے بہت سے مستعد شاگرد تھے - ان کا ایک مخصوص حجرہ تھا جس میں وہ مطالعہ میں مشغول رہتے تھے اور کسی شخص کو

---

۱ - ان کا نام بی‌بی زلیخا تھا - وہ عابدہ زاہدہ اور وہبہ کاملہ تھیں - ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ۱۱۳ - ۱۱۶ ، اخبار الاخیار ص ۳۰۳ کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری) (ص ۱۷) میں ہے کہ ان کا انتقال غرہ جمادی الاخریٰ ۶۶۸ھ کو ہوا -

۲ - ملاحظہ ہو (۱) نزہۃ الخواطر ، ۱ : ۱۶۶ - ۱۶۷ -
(۲) فوائد الفواد ص ۱۱۵ - ۱۱۶ -
(۳) اخبار الاخیار ص ۸۳ -

۳ - فوائد الفواد (ص ۱۱۵) میں ہے کہ شمس الدین خوارزمی کو مستوفی الممالک کا منصب ملا تھا -

۴ - در فوائد الفواد (ص ۱۱۶) ”صدرا“ -

۵ - در فوائد الفواد (ص ۱۱۶) ”مستوفی“ -

اندر نہیں بلاتے تھے مگر حضرت شیخ مذکور، مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین عبدالباقی کو (بلا لیتے تھے) - اگرچہ اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام نظام الملت و الدین قدس سرہ نے درویشی اختیار نہیں کی تھی اور حضرت سلطان المشائخ شیخ فرید الملت و الدین قدس سرہ سے خرقۂ ارادت و خلافت نہیں ملا تھا، لیکن حضرت خواجہ شمس الملک، علمائے شہر کے مقابلے میں ان کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اور ان کی عادت تھی کہ اگر ان کے شاگردوں میں سے کوئی غیر حاضری کرتا تو بطور خوش طبعی اس سے فرماتے کہ کیا کرتے تھے جو حاضر نہیں ہوتے؟ پھر میں ایسا کروں گا کہ تم حاضر نہ ہو سکو گے - لیکن اگر حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین کا کبھی ناغہ ہو جاتا اور ان کو دیکھتے تو یہ شعر پڑھتے:

شعر

بارے[۱] کم از آنکہ گاہ گاہے   آئی و بما کنی نگاہے

شیخ نجیب الدین متوکل سے تعلقات

نقل ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین قدس سرہ دہلی میں تشریف رکھتے تھے تو حضرت شیخ المشائخ کے مکان[۲] کے قریب مسجد کے پاس حضرت سلطان المشائخ شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی قدس سرہ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہ رہتے تھے اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ ظاہری و باطنی علوم میں یگانہ و ممتاز تھے جیسا کہ ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ بحکم "الجار للجار حق" ان کی صحبت اختیار کی - اتفاق سے جب ان سے ملاقات ہوئی تو زیادہ اعتقاد اور بہت اتحاد پیدا ہوگیا اور یہ چیز روز بروز ترقی کرتی گئی - اس زمانے میں ان کی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں - حضرت شیخ اکیلے رہ گئے - اپنی تنہائی کو شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی صحبت میں گزارتے تھے[۶۰] اور ان سے مل کر خوش ہوتے تھے -

نقل ہے[۳] کہ ایک دن حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی خدمت میں تشریف

---

۱ - فوائد الفواد (ص ۱۱۵) "آخر" -

۲ - نسخۂ اول میں ہے کہ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے نظام الدین اولیاء ایک حجرے میں رہتے تھے (ص ۱۱۶) -

۳ - سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵۰-

رکھتے تھے ۔ ان سے عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ مجھے قاضی کا منصب مل جائے اور میں خلق خدا کے ساتھ انصاف کروں ۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل خاموش ہو گئیے ، کوئی جواب نہ دیا ۔ حضرت شیخ سمجھے کہ میری بات نہیں سنی ۔ پھر کسی قدر زور سے کہا کہ میں امید وار ہوں کہ مجھے قاضی کا منصب مل جائے ۔ اس بات کو سنتے ہی انھوں نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم ہرگز قاضی نہیں ہو گے لیکن تم وہ چیز ہو گے جو میں جانتا ہوں ۔

اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کی بزرگی کا ڈنکا آسمان و زمین میں ساکنان علوی و سفلی کے ہوش کے کانوں کو کھول رہا تھا اور ان کی معرفت کی شہرت طالبان صدق یقین کو نعمت ابدی و سعادت سرمدی کے خوان پر بلا رہی تھی ۔ چونکہ وہ دولت لم یزلی حضرت سلطان العارفین شیخ نظام الملت و الدین کو ازل میں مقدر ہو چکی تھی ، بحکم ''ارادالله شیئا ہیئا اسبابہ''[1] ۔

بابا فرید کی خدمت میں حاضری اور بیعت

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل ؒ کی سعیت کی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کی خدمت کا اشتیاق حضرت شیخ نظام الملت و الدین کو از خود رفتہ کیے ہوئے تھا ۔ چنانچہ خوش اعتقادی اور محبت کی وجہ سے بے چین رہتے تھے اور متواتر ان کا نام مبارک لیا کرتے تھے ۔ کچھ دنوں کے بعد شہر دہلی سے قصبہ اجودھن کی طرف جو حضرت (بابا فرید) کا مقام سکونت تھا ، تشریف لے گئے ۔ جب اس مقدس مقام اور متبرک قصبے میں پہنچے تو جمعرات کا دن تھا ۔ نماز ظہر کے بعد ان عالی مرتبہ (بابا فرید) کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور اس سعادت سے جو سرمایۂ دارین اور پیرایۂ کونین ہے ، قربت حاصل کی ۔ انھوں نے بہت ارادہ کیا کہ اشتیاق ملاقات کی تفصیل بیان کریں لیکن ان کے خوف کی وجہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکے ۔ چنانچہ کتاب فوائد الفواد میں مرقوم ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ (بابا فرید) نے مجھ پر خوف کا اثر دیکھا تو فرمایا مولانا ''لکل دخیل دہشت'' شاباش صفائی قلب حاصل ہوئی ، انشاء اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی نعمتوں سے فیضیاب ہو گے ۔

قرض اور توکل میں بعد المشرقین

ان ہی سے منقول ہے کہ جب آفتاب بزرگی کی بیعت سے مشرف ہوا تو میں نے

---

۱ ۔ نسخۂ اول ''اذا اراد اللہ ھی اسبابہ'' ص ۱۱۷ ۔

چاہا کہ میں کچھ دنوں حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت و صحبت میں رہوں اور اس کو غنیمت سمجھوں ۔ اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام کے گھر میں بہت ناداری تھی ۔ ان کی اولاد ، متعلقین اور درویشوں کو ہفتے میں دو دو تین تین فاقے ہو جاتے تھے اور ان کی صحبت کی برکت سے ہرگز کسی کی حالت میں کوئی فرق نمودار نہ ہوتا ۔ مولانا بدر الدین اسحاقؒ (جنگل سے) لکڑیاں لاتے اور شیخ المشائخ جمال الدین ہانسوی جنگل سے ڈیلہ لاتے کہ جو کریر کے درخت سے حاصل ہوتا ہے اور اکثر لوگ سرکہ میں ڈال کر اس کا اچار بناتے ہیں ، مولانا حسام الدین کابلی [۶۱] پانی لاتے ، باورچی خانے کی دیگیں صاف کرتے اور میں اس جنگل کے ڈیلوں کو پکاتا اور ان کو کچکول میں رکھ کر شیخ الاسلام فرید الملت و الدین اور حاضرین مجلس کے افطار کے لیے لے جاتا ، ان کے سامنے رکھ دیتا ۔ اس کھانے میں کبھی نمک ہوتا اور کبھی وہ بھی نہ ہوتا ۔

ایک مرتبہ دو تین دن تک نمک میسر نہ آیا جو ڈالا جاتا ۔ مسجد کے قریب ایک بقال تھا ۔ اگر غیب سے کچھ مل جاتا تو اس بقال سے کھانے کا مصالحہ خرید لیا جاتا ۔ ایک دن میں نے اس سے ایک درم کا نمک قرض لے لیا اور ڈیلوں کے ان پیالوں میں (نمک) ڈال دیا جن کو ابالا تھا روزانہ کے دستور کے مطابق حضرت (بابا فرید) اور دوسرے درویشوں کے سامنے لے گیا ۔ مجھے ، شیخ جمال الدین اور مولانا بدر الدین اسحاق کو یہ حکم تھا کہ ایک ہی پیالے میں کھائیں ۔ مختصر یہ کہ جب حضرت سلطان المشائخ نے پیالے میں ہاتھ ڈالا اور لقمہ اٹھایا تو فرمایا کہ ہاتھ میں کچھ گرانی محسوس ہوتی ہے ، اجازت نہیں کہ لقمہ منہ میں لوں ۔ غالباً اس کھانے میں کچھ شبہ ہے ۔ پھر اس لقمے کو جو اٹھایا تھا ، پیالے میں رکھ دیا ۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ اس بات کے سنتے ہی میرا جسم کانپنے لگا ، فوراً کھڑا ہوا اور سر زمین پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اے آقا ! لکڑیاں ، ڈیلہ ، باورچی خانے کے لیے پانی شیخ جمال ، مولانا بدر الدین اسحاق اور مولانا حسام الدین لاتے ہیں اور یہ خاکسار ابالتا ہے اور بہت احتیاط رکھتا ہے ، تب حضور کے سامنے لاتا ہے ۔ شبہ کا کوئی سبب میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ مگر حضور کو جو کشف کے ذریعے معلوم ہوا ہے (ارشاد فرمایئے) فرمایا کہ ان پیالوں میں جو نمک ڈالا گیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے ۔ اب میں بات کو سمجھا کہ یہ سبب تھا کہ پیالوں میں جو نمک ڈالا تھا وہ قرض لیا تھا ۔ دوبارہ پھر میں نے سر زمین پر رکھا اور قرض لینے کی کیفیت بیان کی ۔ حضرت نے فرمایا کہ درویش چاہے

ملا ... جائیں مگر لذت نفس کے لیے قرض نہیں لیتے اس لیے کہ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے ۔ یہ دونوں چیزیں یکجا نہیں ہو سکتیں ۔ ہو سکتا ہے کہ قرض ادا نہ ہو سکے اور گردن پر باقی رہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے سامنے سے یہ پیالے اٹھا لو اور دوسرے فقیروں کو دے دو ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حکم ہے جو مجھے دیا جا رہا ہے اس لیے کہ مجھے جب ضرورت ہوتی تھی تو میں قرض لے لیا کرتا تھا ۔ اسی وقت میں نے توبہ کی اور نیت کر لی کہ اگر مجھے ضرورت ہوئی تو بھی کبھی کسی سے قرض نہیں لوں گا ۔ پس حضرت سلطان المشائخ (بابا فرید) جس کمبل پر بیٹھے تھے وہ مجھے عطا کر دیا اور دعا دی کہ انشاء اللہ تجھے کبھی قرض کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ۔

دہلی روانگی

جب حضرت (بابا فرید) سے رخصت ہو کر میں دہلی روانہ ہوا تو رخصت کے وقت مجھ کو نصیحت کی کہ دشمنوں کو جس طرح بھی ہو سکے خوش کرنا اور جس کسی سے قرض لو اس کی ادائی میں کوشش کرنا، حق تعالیٰ [۶۲] آسان فرمائے ۔ مختصر یہ کہ جب وہاں سے روانہ ہوا تو ایسی جگہ پہنچا کہ جہاں جنگل تھا اور کبھی کبھی ڈاکو لوگوں کو نقصان پہنچاتے تھے ۔ اتفاق سے بارش ہو گئی اور میرے ساتھ کوئی درویش نہ تھا[۱] راستہ کے نزدیک ایک درخت تھا ۔ بارش کی وجہ سے میں اس درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا اچانک میں نے دیکھا کہ پانچ چھ چور تلواریں اور تیر کمان لیے ہوئے ظاہر ہوئے اور انہوں نے میری طرف رخ کیا ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کمبل اور لباس پر کہ جو مجھے حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین نے عنایت فرمایا ہے ، مجھے امید ہے کہ ان چوروں کو یہ موقع نہیں ملے گا کہ وہ ہاتھ ڈالیں اور اگر نعوذ باللہ منہا حضرت شیخ (بابا فرید) کا لباس انہوں نے مجھ سے لے لیا تو میں ہرگز کسی آبادی میں نہیں جاؤں گا اور نہ کسی کو منہ دکھاؤں گا ۔

میں اسی خیال میں تھا کہ چوروں نے میری طرف سے رخ پھیر لیا اور دوسری طرف کو چل دیے ، مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ۔ جب میں دہلی پہنچا ، ایک دو روز میں نے آرام کیا ۔ حضرت شیخ نجیب الدین سے ملا ۔ ان سے شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضری اور شرف صحبت کا تمام ماجرا بیان کیا ۔ وہ

---

۱ ۔ نسخۂ اول میں ہے کہ میرے ساتھ ایک درویش تھا (ص ۱۲۰) ۔

بہت خوش اور مسرور ہوئے اور میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا ۔

قرض کی ادائی

الغرض جب میں وہاں سے واپس ہوا تو مجھے وہ نصیحت یاد آئی جو شیخ فرید الدین نے رخصت کے وقت فرمائی تھی کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور قرض چاہے تھوڑا ہو یا بہت اس کو ادا کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک کتاب اپنے ایک دوست سے عاریتاً لی تھی وہ مجھ سے کھوگئی تھی۔ میں اس دوست کے گھر گیا، اس سے ملاقات کی اور کہا کہ اے مخدوم! میں نے تم سے ایک مرتبہ ایک کتاب عاریتاً لی تھی، وہ مجھ سے گم ہو گئی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرا مصمم ارادہ ہے کہ کچھ کاغذ حاصل کروں اور اس کو نقل کرکے تم کو دے دوں۔ جب اس نے میری یہ بات سنی، تھوڑی دیر میری طرف دیکھا اور یہ بات کہی کہ جس جگہ سے تم آئے ہو، وہاں کی یہی برکت ہے کہ خوشنودیٔ خدا حاصل ہوتی ہے۔ جاؤ میں نے وہ کتاب تمہیں بخش دی ۔ وہاں سے میں آیا اور بزاز کے پاس پہنچا کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا اور اس کے بیس جیتل مجھ پر قرض تھے ۔ اپنی ناداری کی وجہ سے مجھے میسر نہ ہو سکے کہ میں ادا کرتا ۔ اس سے ملاقات کی ۔ میرے پاس دس جیتل تھے میں نے اس سے کہا کہ اے عزیز ! میں نے ایک مرتبہ تجھ سے کپڑا خریدا تھا ، کپڑے کی قیمت کے بیس جیتل مجھ پر قرض کے باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت دس جیتل میرے پاس موجود ہیں ، یہ لے لو ، باقی میں انشاء اللہ ادا کر دوں گا ۔ وہ قرض خواہ خوش ہوا اور کہا کہ مولانا ! جس دیندار بزرگوار کے پاس سے آپ آ رہے ہیں ، ان کی صحبت کا یہی اثر ہے ۔

دہلی میں سکونت سے احتراز

ان ہی حضرت سے منقول ہے کہ مجھ کو شہر دہلی میں کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ اس قابل [۶۳] نظر نہیں آئی کہ وہاں میں اپنا مسکن بناتا اور مشغول حق ہوتا ۔ لوگوں کی کثرت اور شہر کی مشغولیت مجھے پسند نہیں آئی ۔ اس زمانے میں میں کلام مجید یاد کرتا تھا اور اکثر جنگل میں چلا جاتا تھا اور مشغول عبادت ہوتا تھا ۔ ایک مرتبہ قتلغ خاں کے حوض پر پہنچا ۔ وہاں ایک پاک طینت درویش سے ملا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے مخدوم ! آپ اس شہر میں ہیں ۔ انہوں نے کہا ہاں ۔ میں نے پھر کہا کہ اس شہر میں آپ بخوشی وخاطر رہتے ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی بھی اس انبوہ اور کثرت میں خوش طبعی سے سکونت اختیار نہیں کر سکتا مگر پھر مجبوراً ۔ اس درویش نے مجھ سے حکایت بیان کی کہ میں نے دروازہ کمال سے

باہر حظیرہ شہدانی[1] کے چبوترے پر جس کے نزدیک قلعہ ہے ایک گدڑی پوش فقیر کو مصروف عبادت دیکھا ۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی سلامتی اور خدا کی عبادت میں استقلال چاہتے ہو تو اس شہر میں نہ رہنا کہ یہ خراب ہو گیا ہے ۔ میں بھی چاہتا ہوں نہ اس شہر میں سکونت اختیار نہ کروں اور کہیں اور چلا جاؤں لیکن اے مولانا نظام الدین ! آٹھ سال[2] ہوئے کہ میری نیت اسی پر قائم ہے کہ ہرگز اس شہر میں نہ رہوں لیکن بحکم قید الہاء اشد من قید الحدید (ہاں کی قید لوہے کی قید سے شدید تر ہے) سفر کی مہلت نہیں ملی ۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء نے جب اس درویش سے یہ بات سنی تو انھوں نے ارادہ کر لیا نہ اس شہر میں سکونت اختیار نہیں کریں گے وہاں سے باہر آئے ، رانی حوض کے نزدیک ایک باغ میں داخل ہوئے جسے باغ جسرتہ لہتے تھے ۔ پھر وضو کیا اور دوگانہ ادا کیا ۔ موقع اچھا تھا ۔ مناجات میں مشغول ہوئے اور عرض کیا اے خدا ! میں اس شہر میں آ گیا ہوں اور اپنے دل سے یہ نہیں چاہتا نہ اس شہر میں رہوں البتہ جس جگہ دین کی خیریت اور یقین کی صلاحیت میرے لیے ہو مجھے وہاں رہنے دے[3] ۔ ناگاہ ایک طرف سے آواز آئی تیری جگہ غیاث پور ہے اور یہ غیاث پور ایک غیر معروف گاؤں تھا جسے کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں ہے ۔

غیاث پور میں سکونت

مختصر یہ کہ یقینی[4] نیشاپوری حضرت شیخ کے معتقد تھے[5]، شیخ ان کے گھر گئے کہ ان سے موضع غیاث پور کا پتہ دریافت کریں ۔ ان کے آدمیوں میں سے کسی نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں ۔ حضرت شیخ ان کے متعلقین میں سے ایک شخص کو اپنے ساتھ لے کر موضع غیاث پور آئے ، دیکھا کہ

---

۱ ۔ در نسخۂ اول شہدانہ لک ص ۱۲۲ و فوائد الفواد حظیرہ شہداں ص ۲۴۲ ۔
۲ ۔ نسخۂ اول " بیس سال " ص ۱۲۲ و فوائد الفواد بست و پنج سال ص ۲۴۲ ۔
۳ ۔ خواجہ نظام الدین نے ارادہ کیا پٹیالی جاؤں پھر ایک بستی بسنالہ گئے اور تین دن بعد چلے آئے (فوائد الفواد ص ۲۴۲) ۔
۴ ۔ نسخۂ اول "نقوب نیشاپوری" ص ۱۲۳ ۔
۵ ۔ فوائد الفواد (ص ۲۴۲) میں ہے کہ "آں دوست را نقیبے بود نیشاپوری" ۔

دریائے جمنا[1] کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ۔ وہاں سکونت پذیر ہو گئے اور اطمینان قلب کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے ۔

اتفاق سے سلطان معز الدین کیقباد نے جو حضرت سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا اور اس کے بعد تخت نشیں ہوا تھا ، موضع کیلوکھری میں جو غیاث پور کے نزدیک ہے دریائے جمنا کے کنارے ایک محل بنوایا ۔ قلعہ کی بنیاد رکھی اور ایک شہر آباد کیا اور جامع مسجد بنوائی ۔ چنانچہ امراء ، شاہزادگان ، فقراء اور اہل سلوک کی آمد و رفت شیخ نظام الملت و الدین کے پاس شروع ہو گئی[2] اور مخلوق کے اعتقاد پختہ [٦٨] ہوئے ۔ بہت سے اہل دولت جو ہمیشہ فسق و فجور میں مبتلا رہتے تھے حضرت شیخ کی صحبت سے تائب ہو گئے ۔ ان کو دین کی صلاحیت اور یقین کی پختگی حاصل ہوئی ۔

امیر سیف الدین لاچین

[حضرت خواجہ ابو الحسن خواجہ خسروؒ کے نام سے مشہور ہیں ، امیر سیف الدین لاچین اپنے لڑکوں کے ہمراہ جن کے نام اعز الدین علی شاہ ، حسام الدین احمد اور ابو الحسن خسرو تھے (نظام الدین اولیاء) کے مرید ہو گئے][3] ۔ وہ امیر سیف الدین لاچین بے نظیر بزرگ ، صالح انسان اور خدا پرست تھے اور پچاسی سال کی عمر میں شہید ہوئے ۔ چنانچہ امیر خسروؒ ان کے مرثیہ میں فرماتے ہیں :

سیف از سرم گزشت دل من دو نیم ماند[4]   دریائے من رواں شد و در یتیم ماند

خواجہ امیر خسروؒ

حضرت خواجہ خسروؒ جب اپنے والد اور بھائیوں کے ہمراہ حضرت شیخ کے مرید ہوئے تو آٹھ سال کے تھے اور ان کے بھائی بڑے تھے ۔ ان کی پیدائش قصبہ مومن آباد[5] میں ہوئی کہ اس کو پٹیالی بھی کہتے ہیں ۔ (یہ قصبہ) دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے ۔ جب امیر سیف الدین شہید ہوئے تو خواجہ خسروؒ نو برس کے تھے ۔ ان کے نانا ادب عرض کا منصب رکھتے تھے اور ان کا خطاب عماد الملک تھا ۔

---

۱ ۔ در نسخۂ اول "لب آبجو" ص ۱۲۳ ۔
۲ ۔ یہ واقعات فوائد الفواد (ص ۲۴۱ - ۲۴۳) سے مقتبس ہیں ۔
۳ ۔ نسخۂ اول میں یہ جملہ نہیں ہے ۔
۴ ۔ در نسخۂ اول "شد" ص ۱۲۳ ۔
۵ ۔ پٹیالی عرف مومن آباد ضلع ایٹہ ۔ یو ۔ پی (بھارت) میں واقع ہے ۔

ان کی کچھ تعریف غرۃ الکمال کے دیباچہ میں خواجہ خسرو نے لکھی ہے - وہ عماد الملک اولیاء اللہ میں سے تھے۔ انھوں نے ایک سو تیرہ سال کی عمر پائی - انھوں نے حضرت خسرو کی تربیت کی تھی - (خسرو) پانچ سال کی عمر میں قصبہ مومن آباد سے دارالخلافہ دہلی آئے - حضرت شیخ نظام الدین اولیاء حضرت خواجہ خسرو مذکور کو ''ترک اللہ'' کہا کرتے تھے اور بے انتہا محبت کرتے تھے - چنانچہ حضرت شیخ کی مدح میں فرماتے ہیں :

ہر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت   دست ترک اللہ بگیر و ہم باللّٰہش سپار

چوں من مسکیں ترا دارم ہمینم بس بود   نیست حاجت خواہش آمرزش آمرزگار

حمید قلندر کے والد مولانا سراج الدین سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیاء خواجہ خسروؒ کی شان میں فرماتے ہیں :

اے ترک من از وجود خود برنجم و   اے میرے ترک ! میں اپنے وجود

لیکن از تو ہرگز نرنجم -   سے تو رنجیدہ ہوں لیکن تجھ سے ہرگز

رنجیدہ نہیں ہوں -

خواجہ خسرو کے بڑے بھائی اعز الدین علی شاہ سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بے حد و انتہا محبت کرتے تھے - چنانچہ خواجہ حسنؒ نے کتاب فوائد الفواد[1] میں ان کو اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ''مریدان پاک نہاد و پاک اعتقاد'' لکھا ہے اور حضرت شیخ (نصیر الدین) اور اعز الدین علی شاہ کو بار بار اپنی خاص خلعت سے سرفراز کیا اور خواجہ خسرو جو شعر بھی کہتے جب تک ان کو نہ دکھا لیتے کسی کو نہ سناتے [۶۵] -

مخلوق کی کثرت

مختصر یہ کہ جب حضرت شیخ کے پاس رجوع مخلوق حد سے زیادہ ہونے لگی تو انھوں نے خیال کیا کہ مجھ کو اس مقام سے بھی چلا جانا چاہیے - اس زمانے میں مولانا امین الدین احمد محدث تبریزی جن سے حضرت شیخ کو اخبار و حدیث و آثار نبوی کی اجازت و سند تھی ، شہر میں وفات پا گئے۔ حضرت شیخ نے ارادہ کیا کہ کل جب سوئم کے لیے ان بزرگوار کی زیارت پر جاؤں گا تو شہر میں سکونت اختیار کر لوں گا کہ وہاں مخلوق کی کثرت کم ہے[2] - اسی روز نماز عصر کے وقت

---

۱ - فوائد الفواد ص ۹ -

۲ - در نسخہ' اول ''زہاں مخلوق کی کثرت ہے'' ص ۱۲۵ -

ایک کمزور حسین جوان کہ جس کے چہرے سے کمالات کے آثار ظاہر تھے ان کے سامنے پہنچا اور بیٹھ گیا اور یہ شعر پڑھا :

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی   کانگشت نمائے عالمے خواہد شد

اس کے بعد کہا کہ خیر مشہور نہیں ہونا چاہیے - میں نے مانا کہ یہ شخص مشہور ہوا لیکن ایسا ہونا چاہیے اور لوگوں کے سامنے اس طرح پیش آنا چاہیے کہ قیامت کے روز جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم سے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور یہ کیا حوصلہ اور ہمت ہے کہ ایک شخص مخلوق سے بھاگتا ہے اور مشغول عبادت ہوتا ہے[1] -

جب اس مرد خدا کی یہ بات ختم ہوئی تو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے کچھ کھانا طلب کیا کہ اس شخص کے ساتھ تناول فرمائیں - اس شخص نے کھانے میں مطلق ہاتھ نہیں ڈالا - جب شیخ نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ ضرور اسی مقام پر رہیں گے اور خاص و عام کو نفع پہنچائیں گے، اس وقت اس شخص نے اس خوان سے کھانے کے چند لقمے کھائے اور باہر چلا آیا - حضرت شیخ وہیں مقیم رہے - ان کا ایک مکان کیلوکھری کی مسجد کے برابر تھا اور دوسرا مکان غیاث پور میں تھا دونوں گانوؤں کے درمیان آدھے کوس سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا - جمعرات کو اس مکان میں تشریف رکھتے جو جامع مسجد کے پہلو میں تھا اور ہفتہ کے روز اول وقت غیاث پور چلے آتے تھے -

ملک یار پراں کے خادم کا گھوڑی نذر کرنا

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے اور جمعہ کی نماز کے لیے غیاث پور سے کیلوکھری پیدل تشریف لے جاتے - ایک ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے پاس کوئی چھوٹا سا گھوڑا ہوتا تو اس گرم ہوا میں ایک کوس کا فاصلہ نماز جمعہ کے لیے اس پر سوار ہو کر طے کرتا -

حضرت شیخ نور الدین ملک یار پراںؒ کے خادم کے پاس ایک گھوڑی تھی - شیخ ملک مذکور اس کو خواب میں دکھائی دیے کہ جو گھوڑی تیرے پاس ہے

---

[1] - ملاحظہ ہو Jama'at Khana of Sheikh Nizamuddin Auliya of Delhi by Dr Mohd. Salim (Preceeding of the Pakistan History Conference, 1953).

شیخ نظام الدین کے پاس پہنچا دے کہ وہ غیاث پور سے کیلو کھری تک نماز جمعہ کے لیے پیدل جاتے ہیں ۔ جب حضرت شیخ ملک یار پران کا خادم [٦٦] بیدار ہوا تو اس نے شیخ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ کیا ۔ دوسرے روز پھر وہی خواب دیکھا اور وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں گھوڑی لایا اور خواب کا حال بیان کیا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ تو اپنے شیخ کے حکم سے یہ گھوڑی میرے لیے لایا ہے لہذا جب تک مجھے اپنے شیخ فرید الملت و الدین سے اجازت نہ ملے گی میں ہرگز قبول نہیں کروں گا ۔ خادم مذکور گھوڑی واپس لے گیا ۔ تیسری رات اس خادم نے پھر شیخ ملک یار پران کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں ''جا گھوڑی حضرت نظام الملت و الدین کے پاس لے جا کہ آج رات شیخ فرید الملت و الدین نے ان کو حکم دے دیا ہے ضرور قبول کر لیں گے ۔'' علی الصبح وہ خادم گھوڑی کو حضرت کے پاس لایا ۔ حضرت نے اسی وقت اس کو قبول کر لیا ۔

نورالدین ملک یار پران

یہ شیخ نور الدین ملک یار پران ایک بڑے بزرگ تھے ۔ ان کی پیدائش لار میں ہوئی اور وہ حضرت شیخ اعز الدین[۲] دانیال خنجی کے مرید تھے اور حضرت دانیال خنجی حضرت شیخ علی خنضر کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ ابو اسحاق گازرونی کے مرید تھے ۔ چنانچہ یہ درویش (شیخ جمالی) ان تینوں بزرگوں کی زیارت کے لیے گیا ہے اور ان کے آستانوں کی جبیں سائی کی ہے ۔ حضرت نور الدین ملک یار پران سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شہر دہلی میں آئے تھے ۔ انہوں نے دریائے جمنا کے کنارے ابابکر طوسی حیدری کے تکیے کے نزدیک مکان بنایا تھا اور یہ ابابکر طوسی ایک قلندر تھا ۔ وہ جماعت کش اور آہن زنجیر پوش ایک سیخ مہر رکھتا تھا جیسی کہ حیدریوں کی رسم ہے اور اس کی تشریح یہ ہے کہ رانگ کی ایک سیخ بناتے ہیں اور آلہ تناسل میں سوراخ کر کے اس میں ڈال دیتے ہیں اور اس سیخ کے دونوں سروں کو خمیدہ کر دیتے ہیں اور ایک حلقہ بناتے ہیں اور آگ میں گرم کر کے جھنڈ کر دیتے ہیں کہ پھر کبھی وہ کھل نہیں سکتی ہے اس کو سیخ مہر

---

۱ ۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۲۷ - ۱۲۸ ۔

۲ ۔ کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت قلمی (ص ۶۰) میں لکھا ہے کہ نورالدین ملک یار پران شیخ عزیز الدین دانیال کے مرید تھے اور سال وفات ۶۹۵ھ لکھا ہے ۔

کہتے ہیں ۔ وہ قلندر اہل معنی سے تھا پانچوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرتا اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی اس کو شہباز سفید کہتے تھے ۔ اب اس کی قبر بھی اسی تکیے میں ہے جو دریائے جمنا کے کنارے ایک ٹیلے کے اوپر واقع ہے ۔ پہلے وہاں بت خانہ تھا ۔ اس نے اس بت خانے کو منہدم کر کے تکیے کی بنیاد ڈالی ۔

مختصر یہ کہ شیخ نور الدین ملک یار نے اس تکیے کے قریب اچھی جگہ دیکھ کر تکیہ بنایا اور یہ درویش ابابکر طوسی حیدری حضرت (ملک یار پراں) سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ یا سلطان سے کوئی فرمان یا نشان لاؤ ورنہ یہاں سے چلے جاؤ ، کسی دوسری جگہ اپنا تکیہ بناؤ ۔ اس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن ٹھٹھ میں تھا ۔ ظاہر ہے کہ دہلی سے ٹھٹھ کا کس قدر [۶۷] فاصلہ ہے ۔ کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی مدت میں حضرت شیخ نور الدین ملک یار ٹھٹھ پہنچے اور سلطان سے ملاقات کی ۔ ان کی بہت تعظیم و تکریم ہوئی ۔ سلطان نے چار بڑے گانوؤں کا ایک فرمان دیا ۔ فرمان میں سمت تکیہ کا اندراج کر دیا اور ان کو رخصت کیا ۔ چند دن میں وہ اپنے مقام پر پہنچ گئے ۔ درویش ابابکر حیران ہوا اور کہا کہ یہ مرد پراں (اڑنے والا آدمی) تھا کہ اتنی جلد گیا اور آ گیا ۔ اس کے بعد وہ حضرت ملک یار پراں مشہور ہو گئے اور وہ بواسحاقیوں کی رسم کے مطابق زرد خرقہ پہنا کرتے تھے اور ان کے لباس پر زرد نقوش ہوتے تھے ۔ ان کے ملک میں ایک قسم کی زرد رنگ کی روئی ہوتی ہے اس سے لباس بناتے ہیں ۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین ان کی وفات[1] کے بعد دہلی آ گئے ۔

بابا فرید کا مصلیٰ اور ٹوپی ملنا

منقول ہے کہ مولانا شعیب نام ایک درویش حضرت شیخ کے پاس پہنچے ۔ سیاہ نمدے کا ایک مصلیٰ اور نمدہ ہی کی ایک ٹوپی لائے اور حضرت شیخ نظام الملت و الدین کے سامنے پیش کی اور عرض کیا کہ اس کو حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین نے آپ کے واسطے بھیجا ہے ۔ شیخ نے تازہ وضو کیا ، مصلیٰ بچھایا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی ۔ اسی زمانے میں کسی نے گجرات سے دو سو پچاس دینار سرخ[2] شکرانے میں بھیجے تھے ، وہ انھوں نے درویش شعیب کو دے دیے

---

۱ ۔ شیخ نور الدین ملک یار پراں کا انتقال ۶۹۵ھ میں ہوا (کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت ، قلمی ص ۶۰) ۔

۲ ۔ نسخۂ اول میں نوے دینار ہیں (ص ۱۲۸) ۔

جو مصلیٰ اور کلاہ لائے تھے اور معذرت چاہی کہ یہ حقیر چیز (نذرانہ) آپ کے لائق نہیں ہے لیکن جو کچھ غیب سے ملتا ہے، آپ اسے قبول کیجیے ۔ شعیب مذکور نے چند روز کے بعد رخصت چاہی اور کہا کہ آپ کی صحبت سے میں بہت مسرور ہوا اگر آپ اجازت دیں تو حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین (کی خدمت میں پہنچوں) ان کی قدم بوسی کا اشتیاق حد سے زیادہ ہے شاید نصیب ہو جائے ۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اپنے دست مبارک سے لکھی ہوئی ایک عرضداشت اور کچھ تبرکات آسمان بزرگی کے آفتاب حضرت فرید الملت و الدین کی خدمت میں روانہ کیے اور یہ رباعی اس عرضداشت میں تحریر کی[1] :

زاں روئے کہ بندۂ تو خوانند مرا   بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطفے عامت[2] عنایتے فرمودست   ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

فتوحات کا دور

حضرت شیخ المشائخ نظام الملت و الدین دوسری مرتبہ حضرت شیخ فرید الملت و الدین کی خدمت میں قصبہ اجودھن گئے ۔ ملاقات کے دوران حضرت شیخ (بابا فرید) نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین! تم نے جو رباعی اپنے خط میں تحریر کی ہے میں نے اس کو یاد کر لیا ہے ۔ انشاء اللہ تم جس جگہ بھی رہو کے اہل نظر کے منظور نظر رہو گے ۔

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین نے [٦٨] غیاث پور میں سکونت اختیار کی تو ابتدائی زمانے میں ان کی وجہ معاش بہت کم تھی اور دو صاحب جمال درویش ان سے متعلق تھے ۔ انھوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں بزرگی اور مراتب حاصل کیے ۔ ان میں سے ایک شیخ المشائخ برہان الدین غریب[3] تھے کہ جو اب ملک دکن میں شہر دولت آباد میں آرام فرماتے ہیں ۔ ان کے مناقب انشاء اللہ تحریر کیے جائیں گے ۔ دوسرے شیخ کمال یعقوب تھے کہ گجرات کے علاقے میں شہر پٹن میں حوض شمسی لنگ کے نزدیک ان کا مقبرہ ہے ۔ اس کے بعد دوسرے خلفاء نے خرقہ پایا لیکن شروع زمانے میں یہی دو درویش ان کی خدمت میں سلوک میں مشغول رہتے تھے ۔

ایک مرتبہ چار روز تک ان کے پاس کوئی چیز نہ پہنچی کہ اس سے درویشوں

---

۱ ۔ دیکھیے فوائد الفواد ص ۳۰۱ - ۳۰۲ ۔
۲ ۔ در نسخۂ اول ص ۱۲۸، ''غایت'' ۔

دو روزہ افطار کرانے۔ ایک نیک عورت حضرت شیخ کی ہم سایہ تھی، وہ رسی بٹتی، اسے فروخت کرتی ، جو خریدتی اور جو کے آٹے کی روٹی بغیر نمک کے پکاتی پھر روزہ افطار کرتی لیکن ، مذکورہ خاتون بھی حضرت شیخ کی مرید تھی۔ اس کے پاس آدھا سیر جو کا آٹا تھا جسے اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا ۔ حضرت شیخ نے کمال الدین یعقوب سے فرمایا کہ اس آٹے کو لے لو ، دیگ میں ڈال دو اور کچھ پانی ڈال کر جوش دو ، ممکن ہے آئندہ کچھ اور ملے ۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے ایسا ہی کیا جیسا حضرت شیخ کا حکم تھا دیگ میں خوب جوش آ رہا تھا اور اس میں سے آواز بھی آ رہی تھی ۔ (وہ اتنی گرم تھی) کہ اگر ایک بوند کسی کے ہاتھ پر پڑ جاتی تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ۔

اچانک ایک گدڑی پوش درویش کہیں سے وہاں آ گیا اور اس نے حضرت شیخ سے باآواز بلند کہا کہ اے شیخ ! اگر کچھ کھانا ہو تو میرے پاس لاؤ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ درویش مہربانی کیا کرتے ہیں، کچھ دیر لگے گی کہ دیگ تیار ہو جائے گی ۔ درویش نے کہا کہ تم خود اٹھو اور جس حالت میں دیگ ہے، اسی حالت میں پکڑ کر میرے پاس لاؤ ۔ حضرت شیخ فوراً اٹھے، اپنے ہاتھ پر آستین لپیٹ لی تاکہ جلے نہیں ، دونوں ہاتھوں سے دیگ کا کنارہ پکڑا اور اس فقیر کے سامنے لے گئے ۔ درویش مذکور نے پہنچے تک اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا اور اپنے منہ میں لے گیا ۔ وہ اس قدر گرم تھا کہ اگر اس میں لکڑی ڈال دی جاتی تو پھٹ جاتی ۔ درویش ہر مرتبہ اس میں ہاتھ ڈالتا اور اپنے منہ میں لے جاتا اور دیگ کے کنارے حضرت شیخ کے دست مبارک میں تھے ۔ آخر کار اس گدڑی پوش فقیر نے دیگ کو حضرت کے ہاتھوں میں سے اپنے ہاتھ میں لے لیا ، زمین پر مار دیا اور توڑ دیا ۔ پھر کہا کہ اے درویش نظام الدین ! تمہاری نعمت باطنی حضرت شیخ فرید الدین مسعود کی عطا کی ہوئی ہے ورنہ تمہارے فقر ظاہری کی دیگ کو بھی توڑ دیتا ۔ یہ کہا [۶۹] اور چشم زدن میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا ۔

اس کے بعد سے (شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں) اس قدر تحائف اور نذرانے پہنچنا شروع ہوئے کہ ضبط تحریر میں نہیں آ سکتے اور بیان نہیں ہو سکتا ۔ جماعت بڑھ گئی ۔ دین کے طالب اور سچے اہل یقین ہزاروں کی تعداد میں ان کی خدمت میں آنے لگے[۱]، شرف ارادت سے مشرف ہونے لگے ، خرقۂ خلافت پانے لگے ،

۱ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۴۳ - ۳۴۴ ، ۳۶۶ ، ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۶۳ ۔

عالی درجات اور بلند مقامات حاصل کرنے لگے اور کشف و کرامات میں مشہور ہوئے۔ اگر سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے اور حساب و شمار سے بڑھ جائے۔

اولین خلفاء

پہلے درویشوں میں سے کہ جنہوں نے خرقۂ خلافت پایا ، حضرت مولانا برہان الدین غریب[1] اور حضرت شیخ کمال الدین یعقوب ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی ہیں جن کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے دوست ''گنج معانی'' کہتے تھے۔ ان کا مدفن شہر دہلی میں ہے۔ دوسرے حضرت مولانا فخرالدین زرادی ہیں جو مکہ معظمہ کے راستے میں رحمت حق سے ایک دریا میں غرق ہو گئے۔ دوسرے شیخ نور کے دادا حضرت شیخ اخی سراج ہیں جو بنگالہ میں آرام کرتے ہیں۔ دوسرے شیخ شہاب الدین امام ہیں ، وہ بھی پرانی دہلی میں آرام کرتے ہیں۔ ان کے بعض دوسرے خلیفہ بھی ان کے قریب آرام کرتے ہیں۔ یہ تمام درویش ظاہری و باطنی علم سے آراستہ و پیراستہ تھے اور مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔

مولانا فخرالدین زرادی

مولانا کمال الدین سامانی سے جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے پاک اعتقاد مریدوں میں سے ہیں منقول ہے[2] کہ میں اور حضرت فخرالدین زرادیؒ[3] ابتدائی زمانے میں ایک جگہ تعلیم پاتے تھے۔ آخر کار مولانا فخرالدین زرادی علم و فضل میں درجۂ اجتہاد پر پہنچے مگر وہ درویشوں سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اکثر اس گروہ (درویش) کے لوگ جاہل اور مفت خور ہوتے ہیں۔ اور اپنے جھوٹ کو کرامت سے منسوب کرتے ہیں تا کہ کھانے پینے کو ملتا رہے۔ مولانا کمال الدین سامانی حضرت شیخ کے مرید اور معتقد تھے۔

ایک دن مولانا کمال نے مولانا فخرالدین زرادی[3] سے کہا کہ ایک روز تم

۱۔ برہان الدین غریب وفات ۷۳۸ھ ، ملاحظہ ہو کاشف الحقیقت ص ۱۸ ، خزینۃ الاصفیا ۱ : ۳۴۶ ، لطائف اشرفی ص ۳۵۷ ، اخبار الاخیار ص ۹۹ ۔

۲۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۶۳ - ۶۴ ۔

۳۔ مولانا فخرالدین زرادی کے لیے ملاحظہ ہو :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۳۴۷ - ←

ہمارے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں چلو اور ان سے ملاقات کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ مولانا ! ان سے ملاقات کی کیا ضرورت ہے اور یہ ملاقات کے لائق نہیں ہیں ۔ مولانا کمال الدین نے متواتر کئی روز تک اصرار کیا کہ ایک مرتبہ ضرور ان سے ملاقات کرنی چاہیے، جس طرح بھی ہو (ضرور چلیے) ۔ بڑی کوشش کے بعد انھوں نے قبول کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جمعہ کی نماز کے بعد چلیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے ۔

(اتفاق سے) وہ اس دن نہ جا سکے، دوسرے روز گئے اور ملاقات کی۔ جب مولانا فخرالدین نے ان کی پیشانی [۰۷] مبارک دیکھی، ان کی تقریر اور بیان سنا تو متحیر رہ گئے ۔ جب ہم واپس ہوئے تو میں نے مولانا (زرادی) سے دریافت کیا کہ تمھاری ملاقات کیسی رہی ۔ مولانائے مذکور نے فرمایا کہ تم حق پر تھے اور میں باطل پر۔ حضرت شیخ حقیقت میں ولی عارف ہیں ۔ جب دو تین روز گزرے تو مولانا فخرالدین نے مجھ پر زور دیا کہ مجھے پھر ان کے پاس لے چلو، میں تو ان ہی کا مرید ہوں گا ۔ یہی کیا گیا ۔ جب مولانا (زرادی) کو حضرت کے پاس لے گئے ، حضرت شیخ دیکھتے ہی مسکرائے ، مولانا مذکور نے سر زمین پر رکھ دیا اور دیر تک سجدے میں پڑے رہے۔ حضرت شیخ نے اپنے پاس بلایا ، یہ دوڑے اور ان کے پائے مبارک کو بوسہ دیا ، مرید ہو گئے ، بال منڈوا دیے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك ۔

مولانا زرادی کی والدہ کی خوشنودی

ان کے مرید ہونے سے پہلے مولانا فخرالدین کی والدہ نے اپنے بھائی[۱] کی بیٹی سے ان کی شادی کی بات چیت طے کر دی ۔ ان کا وطن مالوف شہر سامانہ تھا اور وہ سامانہ سے کسی کام کے لیے دہلی آئے تھے ۔ مولانا کمال الدین احمد کے ہمراہ حضرت شیخ کی خدمت سے مشرف ہوئے اور مرید ہو گئے ، سرمنڈوا دیا اور شادی کا ارادہ منسوخ کر دیا ۔ چند روز کے بعد مولانا کی والدہ نے ان کو ایک خط

---

(۲) اخبار الاخیار ص ۹۱ - ۹۲ ۔
(۳) نزہتہ الخواطر ۳ : ۱۰۳ - ۱۰۶ ۔
(۴) گلزار ابرار ص ۱۰۹ ۔
(۵) سیر الاولیاء ص ۲۶۶ - ۲۷۴ ۔
(۶) تاریخ الاولیاء ۲ : ۱۹۷ ۔
۱ - متن میں برادر کی بجائے "برابر" چھپ گیا ہے۔ دیکھیے خیرالمجالس ص ۶۳ ۔

لکھا کہ لڑکی پابند نہیں ہے - تمام عزیز و اقارب تمھارے آنے کے منتظر ہیں - تم کو چاہیے کہ جلد آؤ تا کہ یہ کار خیر انجام کو پہنچے - مولانا فخر الدین نے والدہ کے خط کا جواب اس طرح لکھا کہ میں اب حضرت شیخ الاولیاء نظام الدین کا مرید ہوگیا ہوں اور ان کے غلاموں کے سلسلے میں منسلک ہوں - سر کے بال منڈوا دیے ہیں - میں نے اس کار خیر (عقد) کی نیت ترک کر دی ہے اور اب کبھی شادی نہیں کروں گا - چاہیے کہ حضرت والدہ ان کو فوراً جواب دے دیں کہ مولانا (فخرالدین) نے ایسا لکھا ہے -

جب یہ خط مولانا کی والدہ کے پاس پہنچا تو وہ بہت مضطرب حال ہوئیں اور انہوں نے ماتم برپا کر دیا - مولانا کو خط لکھا کہ اے بیٹے ! اگر تم نے یہ کام نہیں کیا اور یہاں جلد نہیں آئے تو میں ہرگز اپنا دودھ نہیں بخشوں گی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گی - مولانا فخرالدین کو جب یہ خط ملا تو بہت متفکر ہوئے - متحیر اور پریشان حال حضرت شیخ المشائخ نصیرالدین محمود کے پاس پہنچے - اپنی پریشانی و حیرانی کے حالات ان سے بیان کیے -

اسی زمانے میں حضرت شیخ (نصیر الدین محمود) شہر اودھ سے حضرت سلطان الاولیاء نظام الحق والدین کی قدم بوسی کے لیے[۱۷] دہلی آئے ہوئے تھے - جب انہوں نے مولانا (فخرالدین) کا یہ حال اور خط کا مضمون سنا تو کچھ دیر غور کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ بات حضرت شیخ سے عرض کرنی چاہیے ، دیکھیے وہ کیا فرماتے ہیں - وہ ان کے ہمراہ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے - (مولانا فخرالدین نے) ان سے عرض کیا تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں وہ (نصیر الدین محمود) عرض کریں - جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت معرفت کے حقائق اور باریکیاں بیان فرما رہے تھے - حضرت شیخ نصیرالدین محمود ، مولانا فخرالدین کی عرضداشت بھول گئے -

کچھ دیر کے بعد جب حضرت شیخ ، بیان معرفت سے خاموش ہوئے تو مولانا فخرالدین نے حضرت شیخ نصیرالدین کے زانو پر اپنا ہاتھ رکھا اور اپنی عرضداشت کو یاد دلایا - حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے فوراً جو واقعہ تھا ، حضرت شیخ سے بیان کیا - حضرت شیخ نے فرمایا فخرالدین کا منشاء کیا ہے ؟ جب مولانا مذکور نے حضرت کی گفتگو سنی تو اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ یہ شکستہ حال جس وقت سے آپ کی خدمت میں پہنچا ہے اور ارادت کی سعادت سے مشرف ہوا ہے ، اس ارادے سے بالکل تائب ہو چکا ہے - حضرت شیخ

نے دوبارہ اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ صرف اس لڑکی کی جانب سے تائب ہوئے ہو یا کسی دوسری جگہ بھی شادی نہیں کرو گے ۔ مولانا نے عرض کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر مشیت حق اس حقیر کی نیت کے ساتھ ہے تو ہرگز شادی نہیں کروں گا ۔ اس وقت حضرت شیخ نے وہ مصلیٰ کہ جس پر تشریف رکھتے تھے ، مولانا کو دیا اور کہا کہ تم اطمینان سے جاؤ اور میرا یہ مصلیٰ اپنی والدہ کو دو اور کہو کہ یہ شیخ نے تمہارے لیے بھیجا ہے اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی خوشنودی کے بعد جلد ہی تم با مراد میرے پاس آؤ گے ۔

مولانا فخرالدین نے سر زمین پر رکھ دیا اور دوسرے درویشوں سے رخصت ہو کر اسی روز شہر سامانہ کی طرف روانہ ہو گئے ، چند روز کے بعد سامانہ پہنچے ۔ اپنی والدہ سے ملے اور حضرت شیخ کا مصلیٰ ان کو دیا اور شیخ کا سلام بھی ان تک پہنچایا ۔ ان کی والدہ نے وضو کیا، مصلیٰ بچھایا، دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ جب سر سجدہ سے اٹھایا تو مولانا فخرالدین کی طرف رخ کیا کہ میں تجھ سے دنیا و آخرت دونوں میں خوش ہوں، چاہے شادی کر یا نہ کر ۔ یہ حضرت شیخ کے مصلے کی برکت و کرامت تھی ۔ چند روز کے بعد مولانا فخرالدین خوش خوش حضرت شیخ کے آستانے پر پہنچے، اپنا رخ مبارک زمین سے ملا اور نیاز حاصل کیا ۔

نصائح نظامی

خیر المجالس میں حضرت شیخ نصیر الملت و الدین محمود نے لکھا ہے کہ ایک روز مولانا حسام الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین کاشانی ، حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر تھے ۔ حضرت شیخ نے مولانا حسام الدین وغیرہ کی طرف [۱] دیکھا اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے تو یہ کام سہل ہے کہ یہ کام تو بیوہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں ، لیکن وہ مشغولی و سعادت کہ جس کے ذریعہ سے مردان طلب گار حضرت پروردگار کا قرب اور راستہ پاتے ہیں اور اس کے مشاہدے سے مشرف ہوتے ہیں اس عبادت کے علاوہ ہے کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے ۔

وہ حضرات یہ سن کر اس کی تشریح کے منتظر اور امیدوار ہوئے کہ شاید حضرت شیخ کچھ اور فرمائیں ۔ حضرت شیخ نے ان کے انتظار و اضطراب کو اپنے نور باطن سے سمجھ لیا اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے وقت بیان

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۱ ۔

کیا جائے گا۔

چھ مہینے کے بعد حضرت کو اپنا عہد یاد آ گیا ۔ لوگ قدم بوسی سے مشرف ہونے جیسے ہی حضرت اس موقع (گفتگو) پر پہنچے کہ بعض درویش بھی حاضر تھے ۔ محمد کاتب کہ جو سلطان علاء الدین خلجی کا حاجب تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں شامل تھا ، مجلس میں آیا ، زمین پر سر رکھ دیا اور بیٹھ گیا۔ حضرت شیخ نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دربار میں تھا ۔ سلطان نے آج آپ کو پچاس ہزار دینار انعام فرمائے ہیں ۔ حضرت شیخ نے اپنا روئے مبارک مولانا حسام الدین اور دوسرے احباب کی طرف کیا کہ جو اس وقت موجود تھے اور فرمایا کہ بادشاہ کا انعام بہتر ہے یا وعدہ کو وفا کرنا جو تم سے کیا گیا ہے ۔ تمام احباب نے اپنا سر زمین پر رکھا اور عرض کیا کہ عہد کا وفا کرنا آٹھوں بہشتوں سے بہتر ہے ۔ پچاس ہزار دینار کے انعام کی کیا حقیقت ہے ۔

سلطان المشائخ نے ان تینوں آدمیوں کو اپنے پاس بلایا ، دوسرے لوگوں کو رخصت کر دیا اور ان کو تلقین فرمائی کہ

اول ، ان سب کو جنھیں یاد خدا میں دل سے پورا استغراق حاصل ہو چکا ہے زیادہ تر خلوت میں رہنا چاہیے اور خواہشات کی بنا پر باہر نہ آئیں ۔

دوم ، ہمیشہ با وضو رہیں لیکن جب قیلولہ کے وقت نیند غلبہ کرے (تو وضو نظر انداز کر سکتے ہیں) ۔

سوم ، ہمیشہ روزہ رکھیں ، اگر ہمیشہ روزے نہ رکھ سکیں تو قلیل غذا پر قناعت کریں ۔

چہارم ، ذکر خدا کے علاوہ خاموشی اختیار کریں، صرف ضرورت کے وقت بولیں ۔

پنجم ، ہمیشہ ذکر خدا باصمیم قلب کریں ۔

ان کے انفاس متبرکہ کی برکت سے یہ تینوں درویش کامل ہو گئے ۔ حضرت کا عجیب انداز اور طریقہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کے اسباب و سامان ان کو مہیا فرما دیے[۱] ۔

محفل سماع

حضرت شیخ نصیرالدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ جب حضرت نظام الدین

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۶۸ ۔ ۶۹ ۔

اولیاء چاہتے [۳۷] کہ قوالی سنیں ۔ تو اول خواجہ خسرو غزل پڑھتے ، دائیں طرف خواجہ خسرو اور امیر حسن بیٹھتے اور بائیں جانب خواجہ مبشر ۔ یہ مبشر حضرت شیخ کے زر خرید غلام تھے ، آواز بہت اچھی تھی ، لحن داؤدی کے مالک تھے ۔ خواجہ خسرو اور خواجہ حسن عام موسیقی میں بے مثل تھے اور ان کی آواز بھی بے نظیر تھی ۔ دو سوا قوال حضرت شیخ کے نمک خوار تھے جو گانے میں ایسے کامل تھے کہ ان کا گانا سن کر پرند پرواز سے نیچے اتر آئیں ۔ صاحب کمال درویش اور اہل وجد و حال کی کوئی انتہا نہ تھی ۔ جس وقت خواجہ خسرو غزل پڑھتے تو جس شعر پر حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) سر ہلاتے ، خواجہ حسن اور خواجہ مبشر فوراً اس شعر کو لکھ لیتے ۔ حضرت شیخ وجد میں آ جاتے اور سماع سنتے ۔

قرا بیگ ترک[۲] ، سلطان علاء الدین خلجی کا نہایت خاص (شخص) تھا ۔ وہ ترک صالح تھا اور نیک فطرت ہونے میں مستثنیٰ اور ممتاز تھا اور حضرت شیخ کا مرید تھا ۔ سلطان اس (قرا بیگ) کو بھیجتا تھا اور جس شعر پر حضرت شیخ کو وجد و حال آتا تھا ، قرا بیگ اس کو لکھ لیتا تھا اور سلطان (علاء الدین) کو پہنچاتا ۔ سلطان بھی اس شعر سے لطف اٹھاتا تھا ۔ سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاء) کو ان دو شعروں پر جو حکیم سنائی کے حدیقہ میں تحریر ہیں ، بڑا وجد آتا تھا :

شعر

بیش منما جمال جاں افروز ور نمودے برو سپند بسوز

آں جمال تو چیست ہستی تو واں سپند تو چیست ہستی تو[۳]

سلطان علاءالدین خلجی کا اظہار عقیدت

قرا بیگ نے ان دونوں شعروں کو لکھ لیا اور سلطان علاء الدین کے پاس لے گیا ۔ سلطان بار بار پڑھتا اور اپنی آنکھوں سے لگاتا ۔ اسی وقت قرا بیگ نے

---

۱ ۔ در نسخہ اول بائیس ۔
۲ ۔ متن فارسی میں قرا بیگ کی بجائے قنبر بیگ غلط چھپ گیا ہے ۔ نسخہ اول (ص ۱۳۵) میں صحیح چھپا ہے ۔
۳ ۔ فوائد الفواد ص ۵۴ ۔

سلطان سے عرض کیا کہ اے میرے آقا ! مجھ کو تعجب ہے کہ باوجودیکہ آپ حضرت شیخ سے اتنا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن کبھی ان کی خدمت میں نہیں گئے ۔ اس کا کیا سبب ہے؟ سلطان نے جواب دیا کہ اے قرا بیگ ! ہم بادشاہ ہیں اور سر سے پیر تک مکروہات دنیا میں آلودہ ہیں ۔ اس آلودگی کی وجہ سے ہم شرمسار ہیں کہ اس پاک ہستی سے کیسے ملیں لیکن خضر خاں اور شادی خاں کو جو میرے بیٹے ہیں لے جاؤ ، حضرت شیخ کے قدموں میں ڈال دو ، ان کا مرید بناؤ ، دو لاکھ تنکے[۱] بھی شکرانے میں لے جاؤ اور حضرت کی خانقاہ کے درویشوں کو پہنچاؤ ۔ قرا بیگ نے ایسا ہی کیا اور یہ عالی شان عمارت کہ جس کے صحن میں حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) کا مقبرہ ہے خضر خاں کی بنوائی ہوئی ہے ۔

قطب الدین مبارک شاہ کا نامناسب رویہ

حضرت شیخ نصیر الدین سے منقول ہے[۲] کہ جب سلطان علاء الدین خلجی نے رحلت فرمائی تو سلطان قطب الدین مبارک شاہ تخت سلطنت پر [۲۷] بیٹھا ۔ اس نے خضر خاں کو قتل کر دیا کہ جو حضرت شیخ کا مرید تھا اور حضرت شیخ سے عداوت کر لی ۔ وہ معاملات میں شک کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت شیخ کو تکلیف پہنچائے ۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کا تمام لشکر اور چھوٹے بڑے امیر حضرت شیخ کے مرید اور معتقد ہیں ۔ اس نے ایک دن قاضی محمد غزنوی[۳] سے جو اس کا خاص راز دار تھا ، پوچھا کہ یہ اخراجات جو شیخ کرتے ہیں ، ان کی آمدنی کے کیا ذریعے ہیں؟ قاضی مذکور کو ان سے کوئی حسن اعتقاد نہ تھا ۔ اس نے فوراً عرض کیا کہ حضور کے اکثر امراء نذرانے اور ہدیے وہاں پہنچاتے ہیں ۔ ان ہی سے یہ مصارف پورے ہوتے ہیں ۔

---

۱ ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا خیال ہے کہ اتنے گرانقدر عطیات اور نذرانے سلطان کے عام اصول کے خلاف تھے ۔ اس میں مبالغہ ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۷۶) ۔

۲ ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ جمالی نے گو اس واقعہ کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے نقل کیا ہے لیکن بعض ایسے اضافے کر دیے ہیں جو خیرالمجالس کے کسی نسخے میں نظر سے نہیں گزرے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۹۱) ۔ ملاحظہ ہو خیرالمجالس ص ۲۵۸ ۔

۳ ۔ نسخۂ اول میں محمود غزنوی لکھا ہے (ص ۱۳۷) ۔

اس زمانے میں حضرت کے باورچی خانے اور خیرات میں روزانہ دو ہزار تنکے خرچ ہوتے تھے - مجاوروں اور مسافروں کا خرچ ، متعلقین کے خورونوش کا صرفہ ، مقررہ بخشش اور انعامات اس کے علاوہ تھے - سلطان قطب الدین کو یہ بات پسند نہ آئی اس نے تمام امراء و ملوک کو حکم دیا کہ جو کوئی شیخ کے یہاں جائے گا یا کوئی نذرانے میں درم و دینار پہنچائے گا ، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا وظیفہ بند کر دیا جائے گا - اس معاملے میں بہت احتیاط اور مبالغہ کیا - جب یہ بات حضرت شیخ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے خواجہ اقبال کو جو ان کا غلام و خادم تھا ، بلایا اور فرمایا کہ جاؤ آئندہ سے مقررہ خرچ دوگنا کر دو! اور ضرورت کے وقت اپنا ہاتھ اس طاق میں ڈالنا اور بسم اللہ کہہ کر جتنا چاہنا ، نکال لینا اور خرچ کرنا - خواجہ اقبال نے ایسا ہی کیا - اس خبر کی شہرت ہو گئی اور سلطان تک پہنچی - سلطان یہ سن کر حیران رہ گیا -

خواجہ مبارک کرمانی کہ جو حضرت کے پاک اعتقاد مریدوں میں سے ہیں ، ان کے چھوٹے بیٹے سید خورد سے منقول ہے کہ سلطان قطب الدین اس بات سے شرمندہ ہوا، اس نے اپنے مخلصوں میں سے ایک شخص کو حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا اور اطلاع دی کہ حضرت شیخ المشائخ رکن الدین ابو الفتح ملتان سے دہلی پہنچ رہے ہیں اور مجھ سے ملاقات کے لیے آ رہے ہیں - شیخ (نظام الدین) ہمارے ولایت میں رہتے ہیں - اس کا کیا سبب ہے کہ وہ مجھ سے کبھی نہیں ملتے - ضروری ہے کہ وہ اسی ہفتے میرے یہاں آئیں اور مجھ سے ضرور ملاقات کریں - شیخ نے جواب دیا ، کہ میں گوشہ نشیں ہوں ، کہیں نہیں جاتا ہوں اور میرے پیروں کی بھی یہ رسم اور عادت نہیں تھی کہ وہ وزیر اور بادشاہوں کے مصاحب بنیں- مجھے معاف رکھیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے -

سلطان (قطب‌الدین) کو غرور و تکبر کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں آئی بلکہ جو حکم ہے، اس کی تعمیل ہونی چاہیے[2] - اس کے بعد انہوں نے خواجہ حسن علی سجزی کو شیخ المشائخ شیخ ضیاء الدین رومی[3] کے پاس [۷۵] بھیجا کہ جو

---

۱ - خیرالمجالس ص ۲۵۸ -

۲ - برنی لکھتا ہے کہ سلطان نے اعلان کرا دیا کہ جو کوئی نظام الدین کا سر لائے گا ، اس کو ہزار تنکہ زر ملے گا (ص ۳۹۶) -

۳ - ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۹۷ - وفیات الاخیار (ص ۵۳) اور مزارات اولیائے دہلی (ص ۵۹) میں سال انتقال ۷۲۱ھ لکھا ہے -

سلطان قطب الدین کے پیر اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین کے مرید تھے، اور یہ پیغام پہنچایا کہ سلطان کو درویشوں کے رنج پہنچانے سے باز رکھیں اور اس کی خیریت دارین اس قوم (درویشوں) کی کم آزاری میں ہے اور ہر خانوادے کی مخصوص روش اور طریقہ ہے۔ چونکہ گزشتہ بادشاہوں میں سے کسی نے درویشوں کے معاملات میں دخل نہیں دیا ہے، سلطان کو منع کریں کہ وہ بھی درویشوں کا مزاحم نہ ہو اور جھگڑا نہ کرے۔

خواجہ حسن مذکور شیخ ضیاء الدین رومی کی خدمت میں پہنچے تاکہ ان سے صورت حال عرض کریں۔ شیخ کے متعلقین سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کو اسہال کا عارضہ ہے اور ان کی ایسی حالت ہے کہ وہ اس بات سے معذور ہیں کہ طہارت کے بعد نماز ادا کر سکیں۔ خواجہ حسن مذکور وہاں سے واپس چلے آئے اور شیخ صاحب کمال (ضیاءالدین رومی) کی حالت آکر بتائی، شیخ (نظام‌الدین اولیاء) یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ دو تین روز کے بعد شیخ ضیاء الدین انتقال فرما گئے۔

جب سوئم کی فاتحہ میں شہر کے تمام اکابر اور سلطان ان کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جیسا کہ اس ملک کا رواج ہے، پہلے قرآن مجید کے پارے علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد گلاب اور پھول مجلس میں گھمائے جاتے ہیں، یہی ہو رہا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء اس مجمع میں پہنچے۔ حاضرین مجلس میں جس کسی نے ان کو دیکھا وہ تعظیم کے لیے دوڑا۔

اس مجلس کے معززین نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت اس مجلس میں موجود ہیں، اگر آپ سلام علیک کریں تو ہم ان کو اطلاع دیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہیں، اس وقت دخل نہیں دینا چاہیے[۱]۔ سلطان مذکور گوشہ چشم سے دیکھ رہا تھا کہ اکثر مشائخ نے حضرت شیخ کے سامنے زمین پر سر رکھا اور حضرت شیخ کی قدم بوسی حاصل کی۔ سلطان کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ القصہ شیخ ضیاء الدین رومی رح کی زیارت کے بعد سلطان مذکور نے ایک محضر تیار کیا اور اس میں یہ بات تحریر کی کہ شیخ نظام الدین کو ضرور سمجھائیے کہ اگر وہ ایک ہفتے کے بعد میرے پاس نہیں آ سکتے تو ہر چاند رات کو آئیں اور مجھ سے ملیں۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو مجھے

۱۔ برنی نے لکھا ہے کہ سلطان نے شیخ کے سلام کا جواب نہیں دیا (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹٦)۔

اطلاع دو تاکہ ان کی فکر کروں ۔ سید قطب الدین غزنوی، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی ، مولانا برہان الدین بزدوی اور بعض دوسرے اکابر بادشاہ کے حکم سے غیاث پور پہنچے اور حضرت شیخ (نظام الدین) سے ملے ۔ سلطان کا پیغام [۷۶] پہنچایا اور کہا کہ بادشاہ ناعاقبت اندیش جوان ہے اور حضرت شیخ عقل مند اور صاحب طریقہ پیر ہیں ، جیسا بہتر ہو اختیار کریں ۔ اس کام میں کوئی فرق نہیں ہوگا ۔ حضرت شیخ نے کچھ غور کیا اور ان سے فرمایا کہ دیکھیئے انشاء اللہ تعالیٰ کیا ظاہر ہوتا ہے اور ان کو رخصت کر دیا ۔

وہ سب بادشاہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ہم نے حضرت شیخ کو راضی کر لیا ہے کہ وہ ہر چاند رات کو آیا کریں اور آپ سے ملاقات کیا کریں ۔ بادشاہ اس بات سے خوش ہوا کہ میری بات بالا رہی اور میرے حکم کی تعمیل ہوئی ۔ جس روز وہ لوگ بادشاہ کا پیغام حضرت شیخ کے پاس لائے تھے ، ستائیسویں شوال تھی ، اسی رات کو خواجہ وحید قریشی ، جو خواجہ سید الحجاب[1] کے والد تھے اور اعز الدین علی شاہ[2] ، جو خواجہ خسرو کے بڑے بھائی تھے[3] ، حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے اور صورت حال دریافت کی ۔ دونوں شخص درست اعتقاد اور اہل اعتماد مریدوں میں سے تھے ۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ کیا ہر چاند رات کو دربار میں جائیں گے اور اس (سلطان) سے ملاقات کریں گے ۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ میں اپنے پیروں کے طریقے کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا اور بادشاہ سے ملنے دربار میں نہیں جاؤں گا ۔ یہ جواب سن کر دونوں متحیر اور متعجب ہوئے کہ سلطان انتظار میں ہے کہ کب چاند رات آئے تاکہ حضرت شیخ یہاں تشریف لائیں اور حضرت شیخ کا مطلق یہ ارادہ نہیں ہے کہ دربار میں جائیں اور سلطان سے ملاقات کریں ۔ اس بات (عدم ملاقات) کے وقوع پذیر ہونے سے سلطان کو وحشت ہوگی اور شہر میں بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا ۔ انھوں نے عرض کیا کہ چونکہ صورت حال اسی پر منحصر ہے، مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

---

۱ ۔ خواجہ سید الحجاب (وفات ۷۷۲ھ یا ۷۹۰ھ) ۔ دیکھیے مزارات اولیائے دہلی ص ۸۷ ۔ ۸۸ ۔

۲ ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ''عزیز الدین علی شاہ'' لکھا ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۹۵) ۔

۳ ۔ نسخۂ اول میں چھوٹے بھائی لکھ دیا ہے (ص ۱۴۰) ۔

پیر دستگیر شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کی جانب متوجہ ہوں اور اس سلسلہ میں ان سے مدد چاہیں تاکہ یہ فتنہ و فساد جو بھڑک اٹھا ہے ٹھنڈا ہو جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اس بات کے لیے میں ان کی طرف متوجہ ہوں ۔ مجھے بہت سے دینی کام درپیش ہیں ، میں ان کے ہوتے ہوئے اس کام پر کیا توجہ دوں لیکن تم یقین رکھو کہ سلطان قطب الدین کسی طرح مجھ پر فتح یاب نہ ہوگا ۔

چنانچہ رات مجھ پر یہ واقعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا میں ایک بلند چبوترے پر قبلہ رو بیٹھا ہوں اور ایک بیل نے کہ جس کے سینگ تیز ہیں ، میری طرف رخ کیا' مجھ پر دوڑا کہ مجھے نقصان پہنچائے ۔ جب نہایت تیزی اور غصے میں وہ میرے نزدیک آیا ، میں اٹھا اور اس کے دونوں سینگوں کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا ۔ وہ اسی وقت مر گیا ۔ اس واقعہ کے سننے سے [۷۷] خواجہ وحید الدین قریشی اور اعز الدین علی شاہ کو ایک قسم کا اطمینان اور تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ سلطان کبھی ان پر ظفر نہ پا سکے گا ، بلکہ اس کی جان کا نقصان ہوگا ۔

القصہ جب انتیس تاریخ ہوئی ، نماز ظہر کے بعد خواجہ اقبال حضرت شیخ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آج چاند رات ہے ، جو تبرک آپ ارشاد فرمائیں ، حاضر کروں ۔ اس لیے کہ آپ بادشاہ کی ملاقات کے لیے تشریف لے جائیں گے اور وہ بغیر تبرک کے نہیں ہوتی ہے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا اس وقت خاموش رہو اور کوئی دوسرا کام کرو ۔ جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو خواجہ اقبال مذکور نے پھر عرض کیا کہ ابھی وقت ہے کہ چوڈول اور کہاروں کو فراہم کروں اور تبرک منگا لوں ۔ حضرت شیخ نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ حضرت ہرگز بادشاہ کے یہاں نہیں جائیں گے ۔

خداوند کریم کے حکم سے اسی رات کو ایک پہر اور چند گھڑی گزرنے کے بعد خسرو خاں براون کہ جو سلطان قطب الدین کا پروردہ اور اعزاز دیا ہوا تھا اور سلطان مذکور نے اس کو پچاس ہزار سوار کا سالار بنایا ہوا تھا، وہ موقع بے موقع اس کو اپنا راز دار بناتا تھا ، چند آدمیوں کے ساتھ ہزار ستون محل میں جو فصیل

---

۱ ۔ سیر الاولیاء (ص ۱۵۱) میں ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی والدہ کے مزار پر تشریف لے گئے تھے ۔

کے دروازے کے قریب ہے اور سلطان مذکور[1] کثر وہاں رہتا تھا ، داخل ہو گیا اور سلطان (قطب الدین) کو مار ڈالا جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے[2]۔

سلطان علاء الدین کو خوش خبری

مولانا ضیاء الدین سنامی سے منقول ہے کہ سلطان علاء الدین (خلجی) نے جو سلطان قطب الدین کا باپ تھا ، ایک دن قرا بیگ کو شیخ نظام الدین کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ بہت عرصہ ہوا میں نے ایک بڑا لشکر اپنے برادر حقیقی الغ خاں کے ہمراہ ورنگل کی طرف بھیجا ہے اور ورنگل جنوب کی طرف ایک ملک ہے، وہاں سے کوئی خط نہیں آیا ہے، اس وجہ سے میں بہت متفکر ہوں[3]۔ اب یہ چاہتا ہوں کہ اب میں خود ورنگل کی طرف لشکر لے کر جاؤں اور وہاں کے حالات معلوم کروں۔ اگر حضرت شیخ ربانی قدم رنجہ فرمائیں اور اپنی شمع جمال با کمال سے میرے گھر کو منور کریں تو میں حضور کی رائے مبارک کے مطابق عمل کروں مگر سلطان علاء الدین کے دل میں یہ بات تھی کہ اس بہانے سے حضرت شیخ کو اپنے گھر بلائے اور ان کی ملاقات سے عزت حاصل کرے اور ان کی تشریف آوری سے دوسرے بادشاہوں میں ممتاز ہو جائے۔

جب قرا بیگ مذکور حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا [۷۸] تو اس نے سر زمین پر رکھ دیا اور مدعا عرض کیا ۔ حضرت شیخ نے اس بات کے سنتے ہی کچھ دیر غور فرمایا اور قرا بیگ سے کہا کہ سلطان کو میری طرف سے دعا و سلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ جس طرح تمہیں اہل اسلام کی غم خواری ہے ، اسی طرح میں بھی ہمیشہ اسی خیال میں رہتا ہوں ۔ انشاء اللہ کل دوپہر کو تمہیں ورنگل کی فتح کا مژدہ اور اپنے بھائی اور لشکر کی سلامتی کی اطلاع پہنچ جائے گی اور تھوڑے ہی دنوں میں الغ خاں تمہاری خدمت میں کافی مال غنیمت لے کر پہنچ جائے گا ، جس سے تم کو تسکین اور فرحت حاصل ہو گی ۔

---

۱ ۔ نسخہ اول (ص ۱۴۱) تاریخ فیروزی (فیروز شاہی) کا نام لکھا ہے ۔

۲ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۴۰۸ ۔ امیر خسرو نے تغلق نامہ میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۷۲۰ھ میں ہوا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۹۶) ۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۳ - ۱۳۴ -

۳ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۳۲ ، نیز طبقات اکبری جلد اول ص ۱۶۶ - ۱۶۷ -

قرا بیگ سلطان کے پاس پہنچا اور یہ خوش خبری جو حضرت شیخ سے سنی تھی، اسی طرح عرض کی۔ سلطان اس تسکین بخش خبر سے مسرور ہوا اور نذر مانی کہ اگر کل ورنگل کی فتح اور الغ خاں اور لشکر کی سلامتی کی اطلاع مجھے مل گئی تو پانسو سرخ دینار ان کی خانقاہ کے درویشوں کے لیے شکرانے میں بھیجوں گا۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے دوسرے روز دوپہر کے وقت ایک سانڈنی سوار ورنگل کی فتح کی تحریری اطلاع لے کر آیا اور سلطان کو خوش خبری پہنچائی۔ چنانچہ سلطان مذکور کو نیک سیرت شیخ (نظام الدین اولیاء) سے سو گنا اعتقاد و اتحاد زیادہ ہو گیا اور وہ پانسو دینار کہ جن کی نذر مانی تھی، قرا بیگ کی معرفت حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے۔ قرا بیگ مذکور نے جب تھیلی کا منہ کھولا اور وہ دینار حضرت شیخ کے سامنے لے جا کر رکھے تو وہاں ایک قلندر اسفند یار نامی اسی روز خراسان سے آیا تھا، جب اس نے اس دولت کو دیکھا تو وہ نزدیک آ گیا اور کہا :

الهدایا مشترکۃ ہدایا مشترک ہیں۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ :

تنہا خوشترک تنہا زیادہ اچھے ہیں۔

اور پانسو سرخ دینار اس اسفندیار کو دے دیے۔

المخلصون علی خطر عظیم

حضرت شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ المشائخ فرید الملت والدین کے ایک نواسے[1] شرف الدین تھے، ان کو حضرت شیخ المشائخ شیخ بدر الدین سمرقندی کے عرس میں جو شیخ المشائخ شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر تھے، دعوت طعام میں بلایا گیا۔ وہاں تمام صوفی جمع تھے۔ ان میں سے ایک نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی بابت کہا کہ حضرت نظام الدین اولیاء مکمل طور سے ایسے فارغ البال ہیں کہ اہل و عیال اور بچوں کا ان کو مطلق غم نہیں ہے اور دنیا کی فراخ دستی ان کو اتنی حاصل ہے کہ خلق خدا کو خوب عطا فرماتے ہیں [۹ے]۔ معلوم نہیں ان کو کچھ تھوڑی سی فکر بھی ہے یا نہیں۔

اس مجلس سے جب (شرف الدین) حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو چاہا کہ یہ حکایت ان سے عرض کریں۔ ان کے پہنچتے ہی حضرت شیخ نے کشف کے ذریعہ

---

۱ - فارسی متن میں ''نبیسہ'' ہے۔ نسخہ اول (ص ۱۴۳) میں ''نبیرہ'' ہے

معلوم کر لیا اور فرمایا بابا شرف الدین ! جو غم ، درد اور الم وقفہ وقفہ سے مجھے پہنچتا ہے ، معلوم نہیں کسی اور کو بھی پہنچا ہوگا یا نہیں ، کیونکہ جو کوئی بھی میرے پاس آتا ہے اور اپنا غم مجھ سے بیان کرتا ہے تو مجھے دوگنا غم ہو جاتا ہے ۔ وہ شخص عجیب سخت دل ہے کہ جس کو برادر دینی کے غم کا اثر نہ ہو اور المخلصون علیٰ خطر عظیم (اللہ کے مخلص بندوں کو خطر عظیم رہتا ہے) کے تحت سمجھ سکتے ہیں کہ

ع کہ نزدیکاں را ترا بیش بود حیرانی

شیخ نظام الدین اولیاء کا حسن اخلاق

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی[۱] سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حسنِ اخلاق کی بابت یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن خواجہ عطاء اللہ کے بھائی جو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل[۲] کے نواسے اور بے باک و آزاد قسم کے آدمی تھے ، ایک دن نظام الدین اولیاء کی خدمت میں دوات ، قلم اور کچھ خراب سا کاغذ لے کر آئے ، سامنے رکھا اور کہا کہ میرے لیے فلاں بادشاہ کو رقعہ لکھ دیجیے تاکہ وہ مجھے کچھ عنایت کر دے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے اس بادشاہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ وہ کبھی میرے پاس آیا ہے ۔ اس شخص کو جس سے مطلق جان پہچان بھی نہ ہو، خط کیسے لکھا جا سکتا ہے ۔ انھوں نے فوراً بیہودہ الفاظ اور مہملات بکنا شروع کر دیے کہ تم میرے نانا کے مرید ہو اور ہمارے خاندان کے صدقے میں تم کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ، تم نہایت کفران نعمت کرتے ہو کہ ہمارے لیے ایک رقعہ نہیں لکھتے ۔ یہ کیا تمھاری درویشی ہے ، جو تم نے اختیار کی ہے اور مکاری کے ملک میں پڑے ہوئے ہو ۔ یہ کہا ، فوراً دوات زمین پر ماری اور اٹھ کھڑے ہوئے ۔ فوراً حضرت شیخ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ رنجیدہ ہو کر کیوں جاتے ہو ۔ صفائی کر لو ، تب جاؤ ۔ اس کے بعد کچھ رقم ان کے سامنے رکھی اور ان کو خوش کر دیا اور جانے کی اجازت دی ۔

اوراق ہی سے یہ منقول ہے کہ چھجو نامی ایک شخص تھا جو اندر پت کے قلعے میں رہتا تھا ۔ (یہ قلعہ) موضع غیاث پور کے نزدیک ہے ۔ اس کو حضرت سے بلاوجہ عداوت ہو گئی ۔ وہ ہمیشہ ان کو برا کہتا اور برائی چاہتا تھا اور اپنی قوت ان کو

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۱۰۶ ۔

تہیہ پھوہاڑ میں صرف کرتا ۔ اتفاق سے جب چھجو مذکور مر گیا تو حضرت شیخ اس کے جنازے پر پہنچے اور وہاں پہنچنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے حق میں دعا کی کہ اے پروردگار ! اس شخص نے میرے حق میں جو کچھ کہا [۱۰] اور سوچا ، میں نے اس کو معاف کیا ۔ میری وجہ سے اس پر عذاب نہ کرنا ۔

شمس الدین بزاز

خواجہ حسن سجزی سے منقول ہے کہ شمس الدین نامی ایک طالب علم تھا جو بہت مالدار تھا اور شہر دہلی میں بزازی کرتا تھا ۔ اس کو حضرت نظام الدین سے بالکل اعتقاد نہ تھا ۔ وہ ہمیشہ ان کا ذکر بے ادبی سے کیا کرتا تھا ۔ ایک دن عصر کے وقت موضع افغان پور کے نزدیک سے دوستوں کے ساتھ اس کا گزر ہوا۔ جب وہ دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو اس نے وہاں سبزہ زار دیکھا اور اس گاؤں (افغان پور) سے اس نے شراب منگانی چاہی کہ مے نوشی کرے۔ ناگہاں حضرت شیخ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا کہ کھڑے ہوئے انگلی سے اس گناہ کے ارتکاب سے منع کر رہے ہیں ۔ جب اس نے شیخ کی صورت کو دیکھا تو شمس الدین نے شراب کا پیالہ پانی میں پھینک دیا ۔ فوراً وضو کیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا اور سر زمین پر رکھ دیا ۔ حضرت شیخ نے فوراً فرمایا کہ سعادت جس کی مدد کرتی ہے، وہ گناہوں سے اسی طرح باز رہتا ہے جس طرح یہ شمس الدین آیا ہے۔ وہ اسی وقت مرید ہو گیا ۔ دوسرے روز تمام مال و اسباب جو کچھ اس کی ملکیت میں تھا ، شیخ کی خانقاہ کے درویشوں کو دے دیا اور یکبارگی ترک دنیا کر دی ۔ یہاں تک کہ مقبولان حق تعالیٰ میں سے ہوا[۲] ۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الدین محمود اودھی نے بھی خیرالمجالس میں ان کا ذکر کیا ہے کہ جس وقت میں حضرت شیخ سے رخصت لے کر اودھ کی طرف روانہ ہوا ، میں نے ان شمس الدین مذکور کو شہر پٹیالی میں دیکھا[۳] جسم پر پیوند لگے ہوئے کپڑے تھے ۔ ایک درویش ان کے ساتھ تھا ۔ ایک لاٹھی اور مٹی کا ایک برتن ان کے ہاتھ میں تھا ، لٹکانے کے لیے ایک رسی اس برتن میں

---

۱ ۔ خیرالمجالس میں یہ واقعہ نہیں ہے ؛ ملاحظہ ہو ص ۱۳۶ ۔

۲ ۔ فوائد الفواد ص ۲۳ ۔

۳ ۔ نسخۂ اول میں ہے کہ وہ بہار کی طرف جا رہے تھے (ص ۱۳۵) ۔

بندھی تھی - جب میں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ کیسے ہو اور کیا حال ہے؟ جواب دیا الحمد للہ، حضرت نظام الدین اولیا کی برکت سے خوش و خرم ہوں - شیخ کی عنایت سے اور خدا تعالیٰ کے کرم سے سعادت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے ہیں - میرے پاس چمڑے کی چھاگل تھی، میں نے کہا اگر یہ قبول کرو تو بہتر ہے - جواب دیا کہ میں زیادہ تر مساجد میں نماز جماعت کے لیے جاتا ہوں - کوئی شخص اس مٹی کے برتن اور لاٹھی پر نظر نہیں ڈالتا لیکن جب کوئی میرے پاس چمڑے کی چھاگل دیکھے گا تو ممکن ہے کہ لالچ کرے - یہ کہا اور میرے ہاتھ کو بوسہ دیا، دعا چاہی اور چل دیے[۱] -

محی الدین کاشانی کا صحت یاب ہونا

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ [۸۲] قاضی محی الدین کاشانی کہ جن سے میں نے بزدوی پڑھی ہے اور وہ متبحر عالم تھے[۲]، اچانک بیمار پڑ گئے، یہاں تک کہ لوگوں کو امید زیست نہ رہی اور سمجھے کہ اب قاضی رحلت کر جائیں گے - اتفاق سے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، دیکھا کہ قاضی نزع کے عالم میں ہیں، ہوش و حواس بالکل جاتے رہے ہیں مگر وہ ہوش میں آ گئے - شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور پورے طور سے صحت یاب ہو گئے گویا کہ کوئی مرض ہی نہ تھا[۳] -

کھانے میں برکت

حضرت شیخ نصیر الدین اودھیؒ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے حضرت کو مدعو فرمایا، قوالوں کو سماع کے لیے بلایا اور کچھ کھانے کا انتظام کیا - جب سماع شروع ہوا تو اطراف و جوانب سے کئی ہزار آدمی جمع ہو گئے - وہ کھانا اتنا بھی نہ تھا کہ پچاس یا ساٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہوتا - سماع کے بعد صاحب خانہ حیران ہوا - حضرت شیخ سمجھ گئے - انہوں

---

۱ - خیر المجالس ص ۱۴۶ - ۱۴۷ -

۲ - محی الدین کاشانی المتوفی ۷۱۹ھ/۱۳۱۹ء، ملاحظہ ہو :

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۴۸۸ -

(۲) حدائق الحنفیہ ص ۲۷۶ -

(۳) اخبار الاخیار ص ۹۸ -

۳ - خیر المجالس ص ۱۵۰ - ۱۵۱ -

نے اپنے خادم مبشر سے فرمایا کہ جاؤ لوگوں کے ہاتھ دھلواؤ اور ان میں سے دس آدمی ایک جگہ بٹھالو اور ہر روٹی کے چار ٹکڑے کر کے کھانے کے خوان میں رکھو اور بسم اللہ کہو۔ مبشر مذکور نے ایسا ہی کیا چنانچہ تمام مخلوق سیر ہو گئی اور کچھ کھانا بچ بھی رہا[1] -

مولانا علاء الدین اصولی بدایونی

منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بارہ سال کے تھے تو مولانا علاء الدین اصولی[2] کے پاس قدوری پڑھتے تھے اور یہ مولانا اصولی ایک مقتم اور بابرکت شخص تھے۔ ان کے مناقب کتاب فوائد الفواد میں تحریر ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سے خرقہ حاصل کیا تھا ۔ ایک روز حضرت اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے تھے، مولانا علاء الدین مذکور اپنے راستے سے گزر رہے تھے، جب شیخ کی نظر مولانا پر پڑی ، فوراً بلایا ۔ اپنا لباس ان کو پہنایا' چنانچہ مقبول درگاہ باری تعالیٰ ہوئے ۔

القصہ وہ بداؤں میں تھے اور حضرت شیخ ان کے پاس تعلیم حاصل کرتے تھے جب قدوری ختم ہو گئی ۔ مولانا (اصولی) نے شیخ کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ اس کے بعد تم کو بڑی پگڑی سر پر باندھنی چاہیے ۔ اس زمانے میں شیخ کی آمدنی بہت کم تھی، بڑی دستار میسر نہ تھی ، اصل میں چار گزی سر پر لپیٹتے تھے۔ شیخ نے یہ بات اپنی والدہ سے کہی کہ مولانا علاء الدین کا یہ حکم ہے کہ اس کے بعد بڑی پگڑی سر پر باندھو۔ جب شیخ کی والدہ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ انشاء اللہ [۸۲] میں تمھارے لیے بڑی پگڑی فراہم کروں گی ۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ کی والدہ نے اپنے ہاتھوں سے سوت تیار کیا اور دستار حاصل[3] کی - شیخ

---

۱ ۔ خیر المجالس ص ۱۸۵ - ۱۸۶ -

۲ ۔ ملاحظہ ہو (۱) نزہۃ الخواطر ۱ : ۱۸۴ -

(۲) تذکرۃ الواصلین ص ۹۰ - ۹۳ ۔

(۳) فوائد الفواد ص ۲۲۸ و ۳۳۰ ۔

(۴) اخبار الاخیار ص ۸۳ - ۸۴ -

(۵) خیر المجالس ص ۱۹۰ - ۱۹۱ -

(۶) ثمرات القدس ورق ۵۶ ب ۔

۳ ۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے پڑوس میں پارچہ باف شیوخ رہتے تھے (خیر المجالس ←

اس کو مولانا علاء الدین کی خدمت میں لے گئے اور سامنے رکھی ۔ مولانا نے اس دستار کو کھولا ، ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیا ۔ پس شیخ نے اس کو اپنے سر پر باندھا اور اپنے نیک استاد کے پیروں پر سر رکھ دیا ۔ کہتے ہیں کہ علی مولا[1] کہ جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے فیض یافتہ تھے، وہاں موجود تھے۔ انھوں نے فوراً فرمایا کہ اے مولانا علاء الدین! یہ شخص دنیا میں سرفراز ہوگا اور عالم گیر شہرت حاصل کرے گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔

شیخ عماد کے لڑکوں کی گستاخی

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی سے منقول ہے کہ ایک دن میں اور قاضی محی الدین کاشانی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے پاس بیٹھے تھے کہ کچھ احباب پہنچے اور عرض کیا کہ آج خانقاہ طوسیاں میں عرس تھا ، ہم اس میں شریک تھے ۔ شیخ عماد کے لڑکے آنجناب کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کر رہے تھے، ہم برداشت نہیں کر سکے اور وہاں سے آپ کی خدمت میں چلے آئے ۔

حضرت شیخ نے جب یہ حکایت سنی تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک روز ایک بیہودہ گو فقیر شیخ فرید الدین کی خدمت میں پہنچا ۔ حضرت شیخ (بابا فرید) نے اس کو کچھ دیا اور چلتا کیا ۔ روانگی کے وقت اس نے شیخ کے مصلے پر ایک کنگھی دیکھی، شیخ سے اس کو طلب کیا ۔ شیخ نے جواب نہ دیا درویش نے کہا کہ اے شیخ ! اگر یہ کنگھی مجھے دے دو تو تم پر برکت نازل ہو ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے اور تیری برکت کو آب رواں میں ڈال دیا ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ درویش غسل کے لیے دریا میں گیا تھا کہ ڈوب گیا ۔ یہ حکایت فرید الدین گنج شکر کے ذکر میں منقول ہے[2] ۔

حضرت نظام الدین اولیاء یہی حکایت بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص پہنچا اور اس نے کہا کہ اسی وقت شیخ عماد کے لڑکے غسل کے لیے دریا میں اترے اور

(ص ۱۹۱) ان سے دستار تیار کرائی ۔ شیوخ کا یہ خاندان اس زمانے میں بھی اسی محلہ میں آباد ہے (تذکرۃ الواصلین ص ۱۲۱) ۔

۱ ۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ۴۳ ۔ ۵۷ و خیرالمجالس ص ۱۹۱ ۔

۲ ۔ حضرت فرید الدین گنج شکر کے ذکر میں اس کا بیان ہو چکا ہے ۔

دونوں ڈوب گئے، اور یہ شیخ عماد طوسی، شیخ رکن الدین فردوسی[2] کے خلیفہ ہوے جو قصبہ کیلو کھری میں دریائے جمنا کے کنارے مدفون ہیں۔ شیخ نجیب الدین محمد فردوسی[3]، حضرت شیخ شرف الدین منیری کے پیر ہیں کہ جو (شرف الدین منیری) بہار میں مدفون ہیں اور حضرت شیخ نجیب الدین شہر دہلی میں حوض شمسی کے پاس مدفون ہیں اور ان کے پیر حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی[4] جو حضرت شیخ سیف الدین[5] باخرزی کے خلیفہ تھے، [۸۳] وہ بھی شہر دہلی میں مدفون ہیں ۔

شرف الدین یحیٰی منیری[6]

نقل ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین ابتدائے سلوک میں قصبہ راج گڑھ کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے اور مطلق کھانا نہ کھاتے ۔ ہر روز شام کے وقت ان شیخ اعظم کی والدہ کچھ کھانا فتوحا غلام کے

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو خیرالمجالس ص ۲۰۲ ۔

۲ ۔ شیخ رکن الدین فردوسی المتوفی ۷۲۴ھ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ص ۱۲۱ ۔ ۱۲۶ ۔

۳ ۔ شیخ نجیب الدین فردوسی المتوفی ۷۳۳ھ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ص ۱۲۷ ۔ ۱۳۶ ۔

۴ ۔ شیخ بدر الدین سمرقندی المتوفی ۷۱۶ھ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ص ۱۱۵ ۔ ۱۲۰ ۔

۵ ۔ شیخ سیف الدین باخرزی المتوفی ۶۵۸ھ ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ص ۹۷ ۔ ۱۱۳ ۔

۶ ۔ شرف الدین بن یحیٰی منیری مشہور شیخ طریقت ہیں، ۶۶۱ھ/۶۳ ۔ ۱۲۶۲ء میں منیر میں پیدا ہوئے ۔ تمام عمر مخلوق کی رشد و ہدایت میں گزار دی ۔ مکتوبات صدی، مکتوبات دو صدی، مکتوبات بست و ہشت، معدن المعانی، خوان پر نعمت، فتح المعانی، راحت القلوب، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، شرح آداب المریدین، فوائد المریدین، اجوبہ اور لطائف المعانی ان سے یادگار ہیں ۔ ۷۸۲ھ/۸۱ ۔ ۱۳۸۰ء میں وصال ہوا ۔ ملاحظہ ہو :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۲۳۱ ۔ ۲۳۲ ۔

(۲) اخبار الاخیار ص ۱۱۷ ۔ ۱۲۲ ۔

←

ہاتھ افطار کے لیے بھیج دیتیں ۔ جب فتوحا مذکور ان کے پاس پہنچتا تو ایک جگہ کی طرف اشارہ فرماتے کہ وہاں رکھ دے اور چلا جا ۔ معلوم نہیں کہ وہ طعام کون کھاتا تھا ۔

ایک مرتبہ اس معصومۂ روزگار یعنی ان شیخ کبار کی والدہ نے اس غلام سے جو ان کو کھانا لے جایا کرتا تھا پوچھا کہ اے فتوحا ! جو کھانا میرے لڑکے شرف الدین کے لیے لے جاتا ہے ، وہ اس کو پسند کرتا اور کھاتا بھی ہے؟ فتوحا نے جواب دیا کہ حضرت بی بی ! میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے کچھ کھایا بھی ہو ۔ اس رابعۂ عصر نے تھوڑے سے آٹے اور شکر کا خمیر کیا اور اسی وقت چند کھجوریں (تیار کر کے) پیالے میں دے دیں اور فتوحا مذکور کے ہاتھ شیخ کے پاس روانہ کر دیں اور کہا کہ جب شیخ کے پاس پہنچنا تو کہنا کہ تمھاری والدہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نے ان کھجوروں کو نہیں کھایا تو میں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی ۔

فتوحا مذکوران رابعۂ عصر کے فرمانے کے مطابق حضرت کے پاس گیا اور حال بیان کیا ۔ جب حضرت شیخ نے یہ سنا تو کچھ دیر غور کیا اور بسم اللہ کہہ کر اس میں سے تھوڑی سی شیرینی منہ میں رکھ لی ۔ جب ذرا سی (شیرینی) ان کے حلق میں پہنچی تو بے ہوش ہو گئے ۔ بے ہوشی کے عالم میں کچھ چیونٹے ایک سوراخ سے نکلے اور ان کے حلق میں داخل ہوگئے اور وہ شیرینی جو انھوں نے کھائی تھی ، تھوڑی تھوڑی کر کے منہ سے نکال لے گئے ۔ جب وہ سب غذا نکل گئی تو حضرت کو ہوش آیا ۔ فتوحا نے یہ سارا حال ان حضرت کی والدہ سے بیان کیا ۔

اس کے بعد حضرت شیخ شرف الدین احمد اپنے بڑے بھائی شیخ جلال الدین[1] کے ہمراہ دارالخلافہ دہلی کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے ملے ۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ تمھارے حوالے خاندان فردوسیاں ہے[2]

---

(۳) بزم صوفیہ ص ۳۵۰ - ۳۹۳ -
(۴) بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء ۔ ص ۱۰۴ - ۱۰۶ -
(۵) نقوش سلیمانی ص ۴۸ -
(۶) علمی نقوش ص ۶۰ - ۶۵ -
(۷) ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) دسمبر ۱۹۵۹ء -

۱ ۔ در نسخۂ اول ''جلال الدین محمود'' ص ۱۴۹ -
۲ ۔ در نسخۂ اول ''تمھارا تعلق طوسی خانوادہ سے ہے'' ص ۱۴۹ -

اس وقت دونوں بھائی حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید ہوئے ۔حضرت شیخ شرف الدین احمد نے خرقۂ خلافت پایا ، شہر بہار چلے آئے اور وہیں مدفون ہوئے ۔ شیخ (شرف الدین) بڑے اہل کمال تھے اور ان کی اعلیٰ تصنیفات میں مکاتیب، معدن المعانی اور دوسری تصانیف مشہور و معروف ہیں ۔

ایک دانشمند کا گم شدہ فرمان املاک ملنا

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ قصبہ [۸۳] سرساوہ میں ایک فاضل تھے۔ ان کے گھر میں آگ لگ گئی ۔ ان کی املاک کا فرمان جل گیا ۔ وہ دہلی آئے ، مدتوں وزیر کے پاس دوڑے، پہلے فرمان کے مضمون کا دوسرا فرمان حاصل کیا ۔ اس زمانے میں فرمان کا مرتب ہونا بہت مشکل تھا۔ وہ فرمان بھی راستے میں ان کی بغل سے گرگیا ۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو فرمان ان کی بغل میں نہ تھا بہت آہ و زاری کی اور فوراً شیخ المشائخ (نظام الدین محمد) کی خدمت میں گئے اور بصد درد و غم اپنا حال بیان کیا ۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا کچھ نذر کرو کہ جب فرمان مل جائے تو حضرت شیخ فرید الملت و الدین کی روح مبارک کےلیے حلوا لانا ۔ مولانا مذکور نے دل و جان سے منظور کیا ۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ مولانا کیا اچھا ہو کہ اسی وقت جاؤ اور حلوا خرید کر لاؤ ۔ مولانا فوراً اٹھے ، خانقاہ کے دروازے پر ایک حلوائی کی دوکان تھی ، اس کو چند درم دیے اور حلوا خریدا ۔ حلوائی مذکور نے ایک لکھا ہوا کاغذ نکالا اور چاہا کہ اس کو پھاڑ کر اس میں حلوا لپیٹ کر مولانا کے ہاتھ میں دے ۔ مولانا نے جب غور سے دیکھا تو ان کا وہی فرمان تھا ۔ فوراً حلوائی سے لے لیا اور حلوے کے ساتھ وہ (فرمان) حضرت شیخ کی خدمت میں لائے ۔ سر زمین پر رکھ دیا، حاضرین مجلس نے بھی یہ کرامت دیکھ کر اپنے سر زمین پر رکھ دیے اور نہایت معتقد ہوئے ۔

سماع کی حالت میں موت کی خواہش

حضرت شیخ المشائخ (نظام الدین محمد) سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت فرید الملت و الدین اپنے حجرۂ مبارک میں کیفیت حال میں تھے اور بار بار یہ

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۲۰۳ ۔

رباعی زبان مبارک سے ادا فرما رہے تھے اور وجد کر رہے تھے :

رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم　　خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ زکونین توئی　　از بہر تو میرم و برائے تو زیم

مولانا بدر الدین اسحاق حجرے کے دروازے پر موجود تھے ۔ وہ کسی ضرورت سے اٹھے اور شیخ نظام الدین سے فرمایا کہ جب تک میں واپس آؤں تم یہاں حاضر رہنا کہ کوئی شخص حجرے میں داخل نہ ہونے پائے ۔ مختصر یہ کہ جب مولانا بدر الدین اسحاق چلے گئے تو شیخ نے جو حجرے کے دروازے پر بیٹھے تھے، کواڑ کی دراز سے دیکھا کہ حضرت شیخ فرید الدین کو ایسا حال ہے کہ اپنے دست مبارک سے پشت کو پکڑے ہوئے وجد میں ہیں اور جس طرف رخ کرتے ہیں ، یہ رباعی پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں ۔

شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے دل میں سوچا کہ خدا پر بھروسہ کر کے حجرے میں چلا جاؤں اور اس وقت حضرت سے عظیم فیض و نعمت حاصل کروں ۔ فوراً [۸۵] بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور حجرے میں داخل ہو گئے ۔ سر زمین پر رکھ دیا ۔ حضرت فرید الدین نے جب ان کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا کہ نظام الدین ! مانگ کیا مانگتا ہے ۔ میں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ مخدوم کو چاہتا ہوں ۔ حضرت نے فرمایا کہ جو کچھ تو نے مانگا میں نے دیا ۔ جو کچھ میں نے حضرت سے مانگا تھا، اسی وقت اپنی ذات میں پایا ۔ چنانچہ حضرت نظام الدین افسوس کیا کرتے تھے کہ میں نے حضرت سے یہ بھی کیوں نہ مانگ لیا کہ میری موت سماع کی حالت میں ہو ۔

شیخ نظام الدین اولیاء کی ایک کرامت

حضرت نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ دہلی میں ایک ترک تھا ۔ اس کا نام تلیغہ[۱] تھا ۔ وہ حضرت شیخ سے کامل اعتقاد رکھتا تھا ۔ وہ ایک دن سو سرخ دینار حضرت کی خدمت میں لایا ۔ حضرت شیخ نے قبول نہیں کیے ۔ جب شیخ نے اس کو رنجیدہ پایا تو سو دیناروں میں سے ایک دینار قبول کر لیا اور فرمایا کہ باقی میں نے تجھ کو بخش دیے ، تیرے کام آئیں گے ۔ وہ اسی طرح غمگین و رنجیدہ تھا ۔

---

۱ ۔ نسخہ‌ٔ اول میں یہ نام حذف کر دیا ہے (ص ۱۵۱) خیرالمجالس (ص ۲۵۷) میں "بلنغہ بغد" لکھا ہے ۔

حضرت شیخ دریائے جمنا کے کنارے بیٹھے تھے ۔ انھوں نے تلیفہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ ذرا دریائے جمنا کی طرف تو دیکھ ۔ جب تلیفہ نے دریا کی جانب نظر کی تو دیکھا کہ وہ تمام دریائے جمنا سونے کے پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اس نے زمین پر سر رکھ دیا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ خبر دار کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا ۔ جب وہ حضرت کی مجلس سے باہر آیا تو وہ اپنے قول پر قائم نہ رہ سکا[2] ۔

حمید قلندر[3]

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ حمید قلندر تقریباً بارہ سال کے تھے اور اپنے والد مولانا تاج الدین کے ہمراہ جو حضرت شیخ کے مریدوں میں تھے، حضرت شیخ کے دستر خوان پر حاضر تھے ۔ حضرت شیخ نے مولانا تاج الدین کو ایک روٹی دی ۔ حمید قلندر نے (وہ روٹی) اپنے باپ سے لے کر اپنی بغل میں رکھ لی ۔ جب وہ حضرت شیخ کی مجلس سے باہر آئے تو دیکھا کہ جماعت خانے کی دہلیز پر چند قلندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب ان کی نظر حمید پر پڑی ، ان میں سے ایک قلندر اہل دل تھا ، اس نے فوراً کہا اے لڑکے! اگر تیرے پاس روٹی ہو تو ہمیں دے ۔ حمید نے کہا کہ میرے پاس روٹی نہیں ہے۔ قلندر نے فوراً کہا کہ حضرت شیخ نے اپنے سامنے سے ایک روٹی اٹھا کر تمھارے والد کو دی تھی ، وہ تمھاری بغل میں ہے ، وہ ہمیں دے دو ۔ انھوں نے جب یہ سنا تو حیران رہ گئے اور فوراً بغل سے روٹی نکال کر قلندروں کے سامنے رکھ دی ۔

پیچھے سے مولانا (تاج الدین) پہنچ گئے ۔ انھوں نے پوچھا کہ روٹی کیا کی ؟ حمید مذکور نے سب قصہ بیان کیا ۔ مولانا تاج الدین نے ایک تھپڑ ان کی گردن پر مارا اور لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر پریشان حال ، حضرت شیخ کے سامنے لائے اور کہا

---

۱ ۔ در خیرالمجالس ''البیا'' ص ۲۵۷ ۔

۲ ۔ خیرالمجالس ص ۲۵۷ ۔

۳ ۔ حمید قلندر کے حالات کے لیے دیکھیے :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۷۱ ۔

(۲) نزہۃ الخواطر ۲ : ۳۷ - ۳۸ ۔

(۳) اخبار الاخیار ص ۱۱۰ - ۱۱۲ ۔

(۴) خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۳۶۵ - ۳۶۶ ۔

(۵) خیرالمجالس (مقدمہ نظامی اڈیشن) ص ۳ - ۷ ۔

کہ مخدوم ! جو روٹی آپ نے اپنے غلام کو عنایت کی تھی ، وہ میں نے اس کے سپرد کر دی تھی کہ یہ تبرک اپنے عیال و اطفال کو دوں گا تا کہ اس کی برکت سے ان کی بخشش ہو ۔ اس بے وقوف نے (وہ روٹی) ان قلندروں کو [۸٦] جو جماعت خانے کی دہلیز پر بیٹھے تھے دے دی ۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ وہ درویشوں کا حصہ تھا لہذا ان کو پہنچ گیا اور تیرا یہ لڑکا آخر کار قلندر ہو جائے گا ۔ چنانچہ وہ ویسے ہی (قلندر) ہو گئے[۱] ۔ اگرچہ وہ دانش مند اور فاضل ہوئے لیکن قلندری کے لباس میں رہتے تھے ۔ سر اور داڑھی کے بال منڈواتے تھے ۔ وہ دولت آباد میں مولانا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہے اور ان کے ملفوظ بھی لکھے[۲] ۔ ان کے انتقال کے بعد دکن سے دہلی آئے اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی کی خدمت میں رہے اور کتاب خیرالمجالس کو لکھا کہ جو ان کے ملفوظ ہیں ۔ اگرچہ قلندری کے لباس میں رہتے تھے مگر ریاضت و مجاہدہ بہت کرتے تھے[۳] ۔ نماز با جماعت پڑھتے تھے ۔ [لیکن چونکہ حضرت زبدۃ الابرار (نظام الدین اولیاء) کی زبان گوہر بار سے یہ نکل گیا تھا کہ یہ لڑکا قلندر ہوگا پس وہ اسی لباس میں رہے[۴] ۔]

خواجہ حسن سجزی[۵]

مولانا شہاب الدین امام سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین محمد بدایونی ، حضرت سلطان المشائخ شیخ قطب الدین بختیار اوشیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئے ۔ میں مولانا برہان الدین غریب کے ساتھ ان کے ہمراہ تھا زیارت کے بعد حضرت شیخ کا حوض شمسی پر گزر ہوا تا کہ بعض ان بزرگواروں کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھیں کہ جو حوض مذکور کے کنارے مدفون ہیں۔ اتفاق سے خواجہ

---

۱ ۔ خیرالمجالس ص ۱۰ ۔ ۱۱ ۔

۲ ۔ یہی مجالس کی رو داد ہے (خیرالمجالس ص ۸) انگریزی مقدمہ (خیرالمجالس (ص ۴ حاشیہ) میں نام نفائس الانفاس بتایا ہے ۔

۳ ۔ خیرالمجالس ص ۱۱ ۔

۴ ۔ نسخۂ اول میں قوسین کی عبارت نہیں ہے ص ۱۵۲ ۔

۵ ۔ امیر حسن سجزی کے لیے دیکھیے :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱٦۳ ۔ ۱٦۴ ۔

(۲) اخبار الاخیار ص ۱۰۱ ۔ ۱۰۳ ۔ ←

حسن علائی سجزی شاعر اپنے دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ حوض مذکور کے کنارے شراب پی رہے تھے - ابتدائی زمانے میں بدایوں میں حضرت شیخ سے ان کی ملاقات اور صحبت رہی تھی - وہ مستی کی حالت میں تھے، انہوں نے یہ دو شعر پڑھے :

شعر

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم گر ز صحبت ہا اثر بودے[۱] کجاست
زہد تو نیز از دل ما کم نہ کرد[۲] فسق مایان بہتر از زہد شماست[۳]

جب حضرت شیخ نے ان سے یہ اشعار سنے تو فوراً فرمایا صحبت میں بہت اثر ہے ۔ اس بات نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ فوراً ننگے سر ہو گئے اور حضرت شیخ کے پیروں پر گر پڑے ، تائب اور مرید ہو گئے اور دوستوں کی جو جماعت ان کے ساتھ تھی، وہ بھی تائب ہو گئی اور مرید بھی ہو گئی - ان خواجہ حسن نے جس وقت توبہ کی تو تہتر سال کی عمر تھی - حضرت شیخ کے مقبول و محبوب مریدوں میں سے ہوئے - اس کے بعد کتاب فوائد الفواد تحریر کی کہ وہ کتاب اہل اللہ کی مونس جان اور ہادی راہ ہے جیسا کہ خواجہ خسرو نے اکثر اپنی زبان سے فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا کہ فوائد الفواد کی مقبولیت مجھ سے منسوب ہو جاتی اور میری تمام تصانیف خواجہ حسن کی ہو جاتیں [۸۷] توبہ کرنے کے بعد انہوں نے یہ غزل لکھی کہ اس میں ان کا یہ تخلص (حسن) ہے -

---

(۳) خزینۃ الاصفیاء ص ۱ : ۳۴۴ -
(۴) تذکرہ مراۃ الخیال ص ۶۷ - ۶۸ -
(۵) گلزار ابرار ص ۹۳ - ۹۵ -
(۶) تاریخ الاولیاء ص ۱ : ۱۹۲ -
(۷) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ص ۱۳۳ -
(۸) نفحات الانس (اردو) ص ۶۴۶ - ۶۴۷ -

۱ - در نسخۂ اول "باشد" ص ۱۵۲ -
۲ - نسخۂ اول میں مصرعۂ اول اس طرح ہے :
ع زہد تو فسق از دل ما کم نکرد
۳ - نسخۂ اول میں مصرعہ ثانی اس طرح ہے :
ع فسق ما محکم تر از زہد شماست

شعر

اے حسن توبہ آنگہے کردی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ترا طاقت گناہ نماند

سماع کے متعلق بحث و مذاکرہ

سید وجیہ الدین مبارک کرمانی المعروف سید خورد سے منقول ہے کہ جنھوں نے سیر الاولیاء لکھی ہے[1] کہ جب خسرو خاں براون نے سلطان قطب الدین کو مار ڈالا۔ اس کی اولاد کا نام و نشان مٹا دیا اور اپنے آپ بادشاہ بن بیٹھا، شہر دہلی میں اس وقت جو درویش تھے، اس نے دو چند اور سہ چند تنکے ہر ایک کے نام بھیجے، اکثر درویشوں نے قبول کر لیے اور دو تین درویشوں نے قبول نہیں کیے۔ اول سید علاء الدین جبوری[2]، دوئم وحید الدین[3] خلیفۂ شیخ فرید الدین گنج شکر، سوئم شیخ عثمان سیاح خلیفۂ شیخ رکن الدین ابوالفتح[3]، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کو پانچ لاکھ تنکے بھیجے۔ حضرت نے قبول کر لیے اور شہر کے فقیروں اور مستحقین کو دے دیے۔ شہر کے بعض ان درویشوں نے کہ جنھوں نے نذرانہ قبول کر لیا تھا، رقم بطور امانت رکھ لی کہ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔

چار مہینے کے بعد شہر دیبال پور کا حاکم غازی ملک، دہلی کی طرف فوج لایا، خسرو خاں کو قتل کر دیا، خود بادشاہ ہو گیا اور اپنے آپ کو غیاث الدین تغلق کے نام سے مخاطب کیا۔ چنانچہ یہ واقعہ تاریخ فیروز شاہی[4] میں لکھا ہے۔

القصہ سلطنت قائم ہو جانے کے بعد اس نے خزانے کا جائزہ لیا اور وہ رقم جو خسرو خاں نے درویشوں کو دی تھی طلب کی[5]۔ جنھوں نے اس کو امانت رکھا تھا، واپس کر دیا۔ پانچ لاکھ تنکے کا مطالبہ حضرت شیخ سے بھی کیا گیا۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ یہ بیت المال تھا، حق داروں کو پہنچ گیا۔ میں نے اس میں سے ایک درم یا دینار اپنے اوپر خرچ نہیں کیا ہے۔ جب سلطان نے یہ بات سنی خاموش ہوگیا لیکن بالآخر اس نے دل میں بغض رکھا۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی کہ جس کی بنا پر مواخذہ کرتا۔

---

۱ - سیر الاولیاء (اردو) ص ۵۲۴ - ۵۳۰ -
۲ - در نسخۂ اول ''چنوری'' ص ۱۵۳ -
۳ - در نسخۂ اول ''وجیہ الدین'' ص ۱۵۳ -
۴ - تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۴۲۱ - ۴۲۳ -
۵ - طبقات اکبری ۱ : ۱۹۲ ، ۱۹۳ -

حضرت شیخ کے چند دشمنوں نے جو حضرت سے حسد رکھتے تھے اور سماع کا انکار کرتے تھے ، اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ یہ درویش یعنی حضرت شیخ (نظام الدین محمد بدایونی رح) مع اپنے تمام مریدوں کے سوائے سماع و سرود کے جو مذہب حنفی میں حرام ہے اور کوئی کام نہیں رکھتا اور اپنا وقت اسی لہو و لعب اور عیش میں گزارتا ہے ۔ لہذا سلطان پر واجب ہے کہ علمائے شہر کو بلا کر ایک محضر تیار کرائے اور شیخ کو بھی ان کے دوستوں کے ساتھ بلایا جائے کہ جو اس نا مشروع فعل میں منہمک رہتے ہیں تا کہ حق ظاہر ہو جائے ۔

مختصر یہ کہ سلطان نے قلعہ تغلق آباد میں کہ جس کو اس نے خود آباد کیا تھا [۸۸] محضر تیار کرایا اور حضرت شیخ کو بلایا ۔ کہتے ہیں کہ دو سو ترپن[۱] علماء کہ جو علم میں بے مثل اور ممتاز تھے ، حضرت شیخ اور ان کے اصحاب سے مسئلۂ سماع میں اختلاف رکھتے تھے ، اس مجلس میں حاضر ہوئے ۔ حضرت شیخ بھی اپنے درویشوں کے ہمراہ کہ جو سب علمائے متبحر تھے ، خاص کر مولانا فخر الدین زرادی کہ جو اجتہاد کا دعویٰ کرتے تھے ، حاضر ہوئے ۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے سامنے ان کی بحث شروع کرائی ۔ مولانا فخر الدین زرادی رح نے سلطان سے کہا کہ اتنے علماء جو بادشاہ نے جمع کیے ہیں ان میں سے دس اصحاب کو جو اس جماعت میں سب سے زیادہ عالم ہوں ، علیحدہ کر لیجیے کہ وہ ہم سے بحث کریں ۔ اگر وہ حرمت کا پہلو ثابت کریں تو ہم جواز ثابت کریں ۔

سلطان نے قاضی رکن الدین دلوالجی[۲] کی طرف رخ کیا جو اس وقت اس (بادشاہ) کا حاکم تھا ۔ قاضی مذکور حضرت کی عداوت میں بہت بڑھا ہوا تھا ۔ قاضی حضرت شیخ کی جانب متوجہ ہوا ۔ حضرت شیخ سے کہا کہ اے درویش ! اس میں شک نہیں کہ تم اپنے مریدوں اور دوستوں کے ساتھ اکثر سماع و سرود میں رہتے ہو ، کیا تمھارے پاس کوئی روایت ہے کہ جس کو بیان کرو ۔ حضرت شیخ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ۔ قاضی مذکور نے کہا کہ تم مجتہد

---

۱ ۔ در نسخۂ اول ''ترانوے'' ص ۱۵۴ ۔

۲ ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے جلال الدین لوانجی لکھا ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۱۶) ۔ تاریخ فیروز شاہی (برنی) (ص ۳۵۱) میں جلال الدین ولوالجی اور تذکرہ علمائے ہند (ص ۵۶۶) جلال الدین دلوالجی ہے ۔

نہیں ہو کہ حدیث سے تمسک کرتے ہو۔ تم مقلد ہو۔ (امام) ابو حنیفہؒ کی قول روایت بیان کرو تا کہ تمہاری بات قبول کی جائے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! قول مصطفیٰ کے ہوتے ہوئے آپ مجھ سے قول حنفی چاہتے ہیں۔ پھر قاضی نے کہا کہ اے درویش اگر سماع و سرود کے متعلق عالمانہ رائے اور شریعت کا طریقہ رکھتے ہو (تو بیان کرو)۔ شیخ نے فرمایا کہ تجھ کو اس معاملہ میں حکومت کا غرور ہے، انشاء اللہ تعالیٰ تو جلد ہی اس بے ادبی کی وجہ سے اس عہدہ سے معزول ہو جائے گا جو دوستان خدا سے کر رہا ہے۔ تیرا ایمان تو سلب نہیں ہوگیا ہے۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے نواسے مولانا علم الدین علامہ آ پہنچے۔ سلطان ان کے استقبال کے لیے دوڑا۔ مولانا علم الدین سلطان سے ملنے سے پہلے حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا بہت اعزاز و احترام کیا۔ اس کے بعد سلطان سے ملاقات کی اور کہا کہ حضرت شیخ کو یہاں کیوں بلایا ہے؟ سلطان نے کہا کہ علماء نے سماع کے معاملے میں ایک محضر تیار کیا ہے۔ الحمد للہ خدا نے تم کو بھیج دیا تا کہ حق ظاہر ہو جائے۔ مولانا علم الدین نے جواب دیا کہ میں مکہ، مدینہ، مصر اور شام میں گھوما ہوں، علمائے عظام کے باوجود ہر جگہ مشائخ کرام سماع سنتے ہیں، کوئی منع نہیں کرتا ہے۔ بے شک و شبہ سماع اس کے اہل کے لیے مباح ہے۔ حضرت شیخ اور ان کے اصحاب اہل اللہ ہیں اور کمال اخلاق و زہد و تقویٰ کے ساتھ ان کا ظاہر و باطن آراستہ ہے [۸۹] سب صاحب کمال اور اہل حال ہیں، ان کی برکت سے اس بات نے درویشوں کے گروہ میں اثر کیا ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے سماع ثابت کیا ہے اور وجد بھی ثابت کیا ہے۔

جب مولانا نے یہ ذکر کیا تو سلطان اٹھا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ حضرت شیخ سے معذرت چاہی اور جانے کی اجازت دی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت شیخ اپنے مکان غیاث پور پہنچے، اسی وقت ایک شخص نے خبر دی کہ آپ کی واپسی کے بعد سلطان بہت شرمندہ ہوا اور قاضی رکن الدین دلوالجی کو عہدۂ حکومت (قضاء) سے معزول کر دیا۱۔

۱۔ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو سیرالاولیاء (اردو) ص ۵۲۳ - ۵۲۸ و سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۱۵ - ۳۱۸ -

مولانا اخی سراج

سید مذکور (میر خورد) سے منقول ہے کہ جس زمانے میں شیخ نور کے دادا اخی سراج پنڈوی[1] جو بنگالہ میں مدفون ہیں، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حضور میں مرید ہونے کی غرض سے دہلی آئے اور حضرت شیخ سے ملاقات کی اور مرید ہوئے تو شیخ فخرالدین زرادی حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولانا فخرالدین! یہ جوان بہت قابل ہے۔ افسوس، اگر اس میں کچھ ظاہری علم بھی ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہو جاتا۔ مولانا فخرالدین نے جب یہ بات حضرت شیخ کی زبان مبارک سے سنی تو زمین پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو اس جوان کو کچھ عرصے تک صحبت میں رکھوں اور ضروری مسائل یاد کرا دوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا بہت بہتر ہے کہ یہ تمہاری صحبت میں رہے۔ ان کا ہاتھ پکڑا اور مولانا زرادی کے سپرد کر دیا۔ مولانا مذکور، اخی سراج پنڈوی کو اپنے گھر لے گئے اور ان کی تعلیم میں مشغول ہوئے، یہاں تک کہ چار مہینے کی مدت میں ان کو ایسا کر دیا کہ کسی عالم کی یہ ہمت نہیں تھی کہ ان سے بحث کرے۔ اس کے بعد شیخ کے حضور میں لائے۔ حضرت شیخ نے اخی سراج سے ہر علم کے متعلق چند سوال کیے چنانچہ جیسا چاہتے تھے ویسا ہی پایا۔ انہیں خرقۂ خلافت دیا اور بنگالہ بھیج دیا۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی علالت

سید مذکور (میر خورد) سے منقول ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کو پیشاب پاخانہ نہیں ہوا۔ ایک دن خادم خواجہ اقبال کو اپنے سامنے بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ اسباب اور نقدی اپنی ملکیت میں رکھتے ہو، وہ لے آؤ تاکہ مستحقین کو دے دوں۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ جتنا بھی نقد، نذرانہ یا اسباب آتا ہے، دوسرے دن کے لیے باقی نہیں رہتا ہے، اسی دن خرچ ہو جاتا ہے مگر کئی ہزار من غلہ موجود ہے جو لنگر میں خرچ ہوتا ہے۔ حضرت [۹۰] شیخ نے فرمایا کہ اے مردا وہ کس لیے رکھا ہے؟ جلد باہر نکال اور حق داروں کو دے دے[2]۔ اس کے

۱۔ اخی سراج بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ۷۵۸ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۹۲ - ۹۳، تذکرۃ الواصلین ص ۱۷۱ - ۱۷۲، کاشف الحقیقت ص ۱۹، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۲۵۱ - ۲۵۲ -

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۵۴ - ۱۵۵ -

بعد کپڑوں کا بقچہ مانگا ۔ اپنی ایک دستار ، پیراہن خاص اور مصلی بطور خلعت مولانا برہان الدین[1] کو عطا کیا اور دکن کی جانب روانہ کر دیا ۔ ایک دستار ، پیراہن خاص اور مصلیٰ شیخ یعقوب کو عطا فرمایا اور ان کو گجرات کی طرف بھیج دیا اور ایک پیراہن مع دستار اور مصلائے خاص مولانا شمس الدین یحییٰ[2] کو جو اہل تحقیق میں سے تھے ، عطا فرمایا ۔ ان بزرگوار کا مزار پر انوار دوستوں کے صفہ صفا پر ہے کہ جہاں حضرت کے اکثر خاص مرید بھی مدفون ہیں ۔

سنا گیا ہے کہ برج سعادت کے ستارے اور درج سیادت کے گوہر حضرت سید جلال الدین بخاری نے بھی شیخ شمس الدین یحییٰ سے خرقہ خلافت پایا ۔

شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کو خلافت

یہاں تک کہ کوئی چیز بقچے میں باقی نہیں رہی ۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی حاضر تھے ، ان کو کچھ نہیں دیا ۔ چنانچہ حاضرین کو تعجب ہوا کہ کیا سبب ہے کہ ہر ایک کو نعمت عطا فرمائی اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو کچھ نہیں دیا ۔ چہار شنبہ کے روز نماز (عصر) کے بعد شیخ نصیر الدین محمود کو بلایا خرقہ ، عصا ، مصلا ، تسبیح ، لکڑی کا پیالہ اور جو کچھ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے ان کو ملا تھا ، سب شیخ نصیر الدین محمود کو عطا فرما دیا اور کہا کہ تم کو شہر دہلی میں رہنا چاہیے اور لوگوں کے ظلم و جور براشت کرنے چاہئیں ۔

نظام الدین اولیاء کا وصال

(حضرت نظام الدین اولیاء نے) نماز عصر ادا کی ، ابھی مغرب کی نماز کا وقت نہیں ہوا تھا کہ حضرت نے عالم آخرت کی راہ لی ۔ حضرت کا وصال ۱۸ ماہ ربیع الآخر بروز بدھ ہوا[3] ۔

---

۱ ۔ اخبار الاخیار ص ۹۹ ۔
۲ ۔ اخبار الاخیار ص ۱۰۳ ۔
۳ ۔ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو وصال ہوا (ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۶۴ ، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۷ ، وفیات الاخیار ص ۱۰۳ ، ۱۱۷ ، بعض نے ۱۷ ربیع الآخر لکھا ہے ۔ تعجب ہے کہ مؤلف بزم صوفیہ (ص ۲۲۳) نے ۱۸ ربیع الاول لکھ دیا ہے ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء بروز یکشنبہ درگاہ عالیہ پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی ۔

امیر خسرو کا انتقال

اس زمانے میں خواجہ خسروؒ، سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ بنگالہ میں تھے۔ اس واقعہ (وصال شیخ) کے سننے کے بعد خواجہ خسرو سلطان کی اجازت کے بغیر بہت جلد غیاث پور پہنچے اور اپنا گرد آلود چہرہ ان بزرگوار (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) کے مزار پر انوار پر ملنا شروع کیا۔ سیاہ لباس پہنا اور اسی روضہ مبارک میں رہے۔ تین مہینے[1] کے بعد بدھ ہی کے دن ۷۲۵ھ کو وہ بھی رحمت حق سے جا ملے اور ان بزرگوار کا مزار حضرت شیخ کے بائیں واقع ہے۔ [۹۱]

۱۔ اکثر تذکروں اور تاریخی نوشتوں میں امیر خسرو کا انتقال حضرت نظام الدین اولیاء کی رحلت سے چھ ماہ بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو بتایا گیا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ
نصیر الملت و الدین محمود اودھی رح

جہان معرفت جان مشیخت | دلش شمع شبستان مشیخت
بعلم ظاہر و باطن صفا سنج | زاسرار نہانی یافتہ گنج
بذکر آئینہ دل صاف کردہ | خدایش مخزن الطاف کردہ
ز دست عشق مشتے خوردہ بر دل | شہادت با سعادت کردہ حاصل
تنش آداب ظاہر را ادیبے | دلش امراض باطن را طبیبے
چراغ مسجد اقصائے مقصود | نصیر الدین ملت شیخ محمود
بزرگی داد در عالم خدایش | جہالی کیست تا گوید ثنایش

وہ جہاد اکبر کے میدان کے مبارز، ظہور اظہر کے شہود کے مشاہدہ، باغ ریاضت کے صنوبر، حوض افادہ کے نیلوفر، تنزیہ و تشبیہ میں شامل و عامل درگاہ باری تعالیٰ میں برگزیدہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی مشائخ کبار میں ممتاز اور زمانے کے صاحب تجرد حضرات میں بصیرت کے مالک تھے۔

پیدائش

ان کے جد بزرگوارا کا نام یحیٰی تھا[1]۔ ان (یحیٰی) کی پیدائش شہر لاہور میں ہوئی اور حضرت شیخ کی پیدائش شہر اودھ میں ہوئی[2]۔

۱۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے دادا کا نام عبداللطیف تھا۔ وہ خراسان سے ترک سکونت کر کے لاہور آئے تھے، وہیں ان کے والد یحیٰی پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ متن میں عبداللطیف کا نام رہ گیا۔ نسخۂ اول (۲: ۴۰) میں موجود ہے۔ دیکھیے خیرالمجالس (مقدمہ) ص ۳۹۔

۲۔ شیخ یحیٰی پشمینہ کے ممتاز تاجر تھے، لاہور سے ترک سکونت کر کے اودھ چلے گئے تھے۔

۳۔ حضرت چراغ دہلی تقریباً ۶۷۵ھ میں پیدا ہوئے (فرشتہ ۲ : ۳۹۰)، نیز خیرالمجالس (مقدمہ) ص ۳۸۔

تعلیم و تربیت

حضرت شیخ کے پدر بزرگوار کا جب انتقال ہوا تو ان کی عمر نو سال کی تھی۔ ان کی والدہ معظمہ صلاحیت اور عصمت میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھیں ۔ وہ ظاہری علم کے حاصل کرنے میں بہت کوشش کرتے تھے ۔ ابتدائی زمانے میں مولانا عبدالکریم شروانی[1] کے پاس کہ جو اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے ، ہدایہ و بزدوی کی کتابیں پڑھیں[2] پھر نفس کے محاسبے اور مجاہدے میں پورے طور سے مشغول ہو گئے۔ بہت ریاضت اور مستقل عبادت کی۔ سات برس تک ایک دو درویشوں کے ساتھ ان کی نماز با جماعت قضا نہ ہوئی ۔ اس شہر کے ویرانوں میں گھومتے اور نیکی کا بیج قابلیت کی زمین میں بوتے ۔ وہ اکثر سنبھالو کے پتوں سے افطار کرتے ۔ یہ ایک قسم کی گھاس ہے جو ہندوستان میں ہوتی ہے ۔

بیعت

وہ تینتالیس[3] سال کی عمر میں شہر اودھ سے دارالخلافہ دہلی آئے اور حضرت شیخ نظام الدین محمد بدایونی کی ارادت سے مشرف ہوئے اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ حضرت کے تمام درویش ان کو نصیر الدین محمود گنج کہتے تھے۔ وہ مشائخ کے دلوں کو بہت محبوب تھے ۔ اس زمانے میں ان کی والدۂ ماجدہ اودھ میں زندہ تھیں ۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاء سے اجازت لے کر اپنی والدہ ماجدہ کے پاس اودھ پہنچے اور ان عفت مآب خاتون (والدہ ماجدہ) کی خدمت میں رہے ۔ ان بزرگوار (والدہ) کی وفات کے بعد چند مہینے تک شہر مذکور (اودھ) میں اپنی والدہ کی زیارت کی غرض سے رہے ۔ اب تک ان کی والدہ کا مقبرہ عید گاہ کی پشت پر واقع ہے ۔ وہاں سے پھر شہر دہلی آئے اور اپنا گرد آلود چہرہ اپنے پیر شیخ نظام الدین محمد بدایونی کے قدموں [۹۲] سے ملا اور ان کی خدمت میں جماعت خانے میں رہنے لگے کہ [جو کیلوکھری میں دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ اس جماعت خانے میں ایک بالا خانہ تھا ۔ اس بالا خانے پر حضرت شیخ

---

۱ ۔ خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۲ ، نیز (مقدمہ) ص ۳۹ ۔

۲ ۔ حضرت چراغ دہلی کے اساتذہ میں محی الدین کاشانی اور مولانا افتخار الدین محمد گیلانی کے نام بھی ملتے ہیں ۔ افتخار الدین محمد گیلانی کا نام نسخۂ اول (ص۰۴) میں بھی ہے ۔ ملاحظہ ہو خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۲ و (مقدمہ) ص ۴۰ ۔

۳ ۔ خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۲ ۔

نظام الدین اولیاء کا خاص حجرہ تھا]۱ حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) اس حجرے میں مشغول عبادت رہتے تھے - حضرت شیخ نصیر الدین محمود بھی اس جاعت خانے کے ایک گوشے میں عبادت کرتے تھے -

ایثار

اسی زمانے میں کسی وقت چند درویش جو شیخ بہاء الدین زکریا کے خانوادے کے مریدوں میں سے تھے ، ملتان سے آئے اور انھوں نے چند روز تک اس جاعت خانے میں آرام کیا - ایک رات کو وہ درویش اپنے لباس چھوڑ کر تہجد کی نماز کے لیے تجدید وضو کی غرض سے جمنا کے کنارے گئے - سردی کا موسم تھا ، کوئی کمبخت ایک درویش۲ کا لباس چرا لے گیا - جب وہ درویش وضو کر کے جاعت خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ اس درویش کا لباس نہیں ہے - وہ درویش یکبارگی بد زبانی کے ساتھ شور کرنے لگے - اسی وقت حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے اپنا نیا لبادہ کہ جو وہ پہنے ہوئے تھے ، اس درویش کو پہنا دیا کہ جس کا لباس گم ہوگیا تھا اور گفتگو سے باز رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے شور و غل سے حضرت شیخ کی عبادت میں خلل آئے - حضرت شیخ نظام الدین بدایونی یہ بات نور باطن سے سمجھ گئے اور ظہر کی نماز کے بعد انھوں نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے پاس بلایا ، اپنا خاص لباس ان کو پہنایا ، ان کی بہت تعریف کی اور خوش ہوئے۳ -

بہن کی خدمت میں حاضری

[حضرت چراغ دہلی کی ایک بہن شہر اودھ میں تھیں جو ان سے بڑی تھیں اور رابعہ عصر تھیں - ان کے دو لڑکے تھے ، ایک کا نام مولانا زین الدین علی اور دوسرے کا نام مولانا کمال الدین حامد تھا۴ - حضرت شیخ کبھی کبھی حضرت شیخ المشائخ نظام الدین محمد سے رخصت لے کر شہر اودھ کی طرف اپنی بہن کی تسکین قلب کے لیے جایا کرتے تھے اور پھر اپنے پیر کی خدمت میں دہلی واپس

---

۱ - قوسین کی عبارت نسخہ اول میں نہیں ہے (ص ۴۰) -
۲ - صباح الدین عبدالرحمن (بزم صوفیہ ص ۳۱۲) اور پروفیسر خلیق نظامی (خیرالمجالس ، مقدمہ ص ۴۶) نے ان بزرگ کا نام خواجہ محمد گازرونی لکھا ہے -
۳ - ملاحظہ ہو سیر الاولیاء ص ۲۳۶ و خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۳ - ۲۸۴ -
۴ - خیر المجالس (ضمیمہ ص ۲۸۴) میں ہے کہ حضرت چراغ دہلی کی دو بہنیں ہو ، ابدی اور بی بی لہری تھیں - اول الذکر ہو ، ابدی کے بیٹے زین الدین علی اور بی بی لہری کے کمال الدین حامد تھے -

آجاتے تھے، اکثر ان کا قیام شیخ برہان الدین غریب کے یہاں ہوا کرتا جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خاص خلیفہ تھے اور ان دونوں کے درمیان بہت محبت اور مؤدت تھی[۲]۔

شیخ برہان الدین غریب کا واقعہ

ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے [۹۳] ایک ٹوپی مولانا برہان الدین کو عنایت فرمائی، وہ عمدہ کی ٹوپی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد وہ مولانا (غریب) سے کھو گئی۔ مولانا اس کے گم ہو جانے سے نہایت پریشان ہوئے۔ شیخ نصیر الدین محمود بھی ان کے مکان میں عصر اور مغرب کے درمیان بڑے استغراق کے ساتھ مشغول عبادت تھے۔ مولانا برہان الدین غریب ان کے سامنے گئے اور بیٹھ گئے۔ جب حضرت استغراق باطن سے شعور ظاہر میں آئے تو حضرت مولانا (غریب) کو دیکھا کہ پریشان ہیں اور مغموم و رنجیدہ بیٹھے ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے احوال دریافت کیا کہ اس تفکر اور تحیر کا کیا سبب ہے۔ حضرت (برہان الدین غریب) نے ٹوپی کے کھو جانے کا قصہ بیان کیا۔ شیخ نصیر الدین محمود نے کچھ غور کرنے کے بعد فرمایا کہ مولانا رنجیدہ نہ ہوں، بہت جلد حضرت شیخ سے تم کو اس سے بہتر تبرک ملے گا اور وہ ٹوپی بھی مل جائے گی۔ دوسرے دن وہ اپنے شیخ کے پاس گئے۔ اس روز حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) نے اپنا خاص مصلیٰ کہ جس پر نماز جماعت ادا فرماتے تھے، عطا فرمایا۔ مولانا مذکور بہت خوش اپنے گھر واپس آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ مصلے کو تہ کر کے بقچہ میں سنبھال کر رکھ دیں کہ اس میں وہ ٹوپی بھی مل گئی جو کھو گئی تھی[۳]۔

چو آئینہ زنگے نیست

حضرت شیخ نصیر الدین محمود کی یہ ایک کرامت ہے کہ ایک دن وہ اپنے درویشوں (مریدوں) سے فرما رہے تھے کہ اے دوستو! لباس (درویشی) کے حق کا لحاظ رکھو تاکہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ نہ ہو۔ اور لباس (درویشی) کے حق کی حفاظت یہ ہے کہ گندم نما جو فروش نہ ہو۔ جفا برداشت کرو اور وفا کیا کرو۔ اگر حضرت نظام الدین اولیاء

---

۲ - قوسین کی عبارت نسخۂ اول (ص ۴۱) میں نہیں ہے -
۳ - خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۴ -
۳ - خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۴ - ۲۸۵ -

حکم نہ فرماتے کہ شہر میں رہو اور ظلم و ستم برداشت کرو ، میرا دل اور نیت ہرگز نہیں تھی کہ آبادی میں رہوں بلکہ کوہ و بیابان میں مشغول عبادت رہنا چاہتا تھا ۔ چونکہ حضرت نے اس طرح سے فرمایا تھا لہذا ویسا ہی ہوا اور وہ (چراغ دہلی) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی طرح تھے کہ انھوں نے شادی نہیں کی اور ان کے اکثر مرید ، ان کی اس روش اور ان کے طریقۂ زندگی کے فریفتہ رہے ۔ گویا یہ شعر ان کی شان کے حسب حال ہے :

شعر

درویش را چو آئینہ زنگے زخویش نیست — با ہر کہ رو نہاد برآمد برنگ او [۹۴]

حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء ان (چراغ دہلیؒ) کے وجود مبارک پر فخر کیا کرتے تھے[۱] ۔

اکابر مشائخ چشت کے ملفوظات

حمید قلندر سے کہ جو ملفوظ خیرالمجالس کے کاتب تھے ، منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ سے عرض کیا کہ میں نے حضرت خواجہ معین الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین کاکی کے ملفوظ میں ایسا لکھا ہوا دیکھا ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ باتیں مجھ تک بھی پہنچی ہیں ۔ وہ ملفوظ ہرگز ان (خواجہ معین الدینؒ و خواجہ قطب الدینؒ) کے نہیں ہیں ۔ ان کتابوں میں بہت سی باتیں محاوروں اور معتقدین نے دانستہ طور سے لکھی ہیں کہ جو ہرگز ان کے حالات اور اعمال کے موافق نہیں ہیں[۲] ۔

سماع

قاضی عبدالمقتدر تھانیسری سے منقول ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود کے سماع میں مزامیر ہرگز نہیں ہوتا تھا ۔ وہ صرف آواز اور تالی کا سماع سنتے تھے ۔ ایک دن اس شعر پر وجد و حال طاری ہوا :

شعر

نظر در دیدہا ناقص فسادے ست[۳] — وگرنہ یار ما[۴] از کس نہان نیست

---

۱ ۔ خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۵ - ۲۸۶ ۔

۲ ۔ خیر المجالس ص ۵۲ - ۵۳

۳ ۔ در خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۶ ''فتاداست'' اور در نسخۂ اول (۲ : ۴۲) ''فتادہ'' ۔

۴ ۔ در خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۶ و در نسخۂ اول (۲ : ۴۲) ''یار من'' ۔

محمد تغلق

میر خورد بن سید مبارک کرمانی سے منقول ہے کہ ایک دن سلطان محمد تغلق نے جو اپنی سلطنت کے ابتدائی زمانے میں پاک اعتقاد اور نیک نہاد تھا اور بالآخر دو تین فلسفیوں مثلاً عبید سمرقندی ، مولانا علی متقی قندزی اور پیر اوغتام[۱] سناسی کی صحبت میں فسق و فساد میں پڑ گیا تھا اور کفر کی طرف مائل ہو گیا تھا[۲] اس نے ایک بار حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے یہاں بلایا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ خراسان کی جانب سفر کرنا چاہتا ہوں ، آپ بھی میرے ہمراہ چلیں ۔ حضرت نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ سلطان نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ سے تبعید کا اظہار ہوتا ہے ۔ آنجناب نے فرمایا کہ اس کلمہ کے بغیر ہر گز کوئی کام پورا نہیں ہوتا اور انجام کو نہیں پہنچتا ۔ پس یہ تو خاص تاکید کے لیے ہے نہ کہ تبعید کے لیے ۔

اسی وقت سلطان نے کھانا طلب کیا ۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر حضرت (چراغ دہلی م) کھانا نہ کھائیں تو کوئی بات پیدا کرے اور فساد برپا کرے ۔ جب کھانے کا خوان حضرت کے سامنے رکھا گیا تو حضرت نہایت کراہت سے کھانے میں ہاتھ ڈالتے ۔ اسی دوران میں سلطان نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے کہ جس پر میں عمل کروں ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ درندوں کا غصہ جو تمہاری طبیعت میں قائم ہو گیا ہے اسے دور کر دو ۔ اس کے بعد (محمد تغلق نے) حکم دیا کہ سفید تنکوں کی ایک تھیلی اور سبز و سیاہ صوف کے دو ٹکڑے حضرت شیخ کے سامنے رکھے جائیں ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت شیخ ان چیزوں کو خود اٹھائیں ۔ حضرت مطلق متوجہ نہیں ہوئے [۹۵] ۔

اسی دوران میں خواجہ نظام ، دبیر خاص کہ جو سلطان کے مقرب اور سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے ، دوڑے اور حضرت نصیر الدین محمود کے سامنے سے وہ سامان اٹھا لیا اور حضرت شیخ کے جوتے سیدھے کر دیے اور سامنے رکھ دیے ۔ جب حضرت شیخ ، سلطان کی مجلس سے باہر چلے آئے تو انہوں

---

۱ ۔ کذا فی الاصل ۔

۲ ۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (۲ : ۴۳) میں نہیں ہے ۔ ضیاء الدین برنی نے سعد منطقی ، عبید شاعر ، نجم انتشار فلسفی اور مولانا علیم الدین (اعلم فلسفہ) کو ذمہ دار ٹھیرایا ہے ۔ (تاریخ برنی ص ۴۶۵) ۔

نے وہ رقم اور کپڑا حضرت کے خادم کے سپرد کر دیا اور اپنی پیشانی حضرت کے قدموں سے ملی، پھر سلطان کے پاس گئے۔ سلطان نے جب ان کو دیکھا تو بہت ناراض ہوا، یہاں تک کہ تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اے دبیرک کوتاہ! تجھے کیا پڑی تھی کہ تو نے تھیلی اور کپڑا شیخ کے سامنے سے اٹھا لیا اور (شیخ کا) جوتا میرے سامنے لایا اور دیکھا۔

خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد اور حضرت نظام الدین اولیاء کے منظور نظر تھے۔ شاعری میں خواجہ خسروؒ کے خاص شاگرد تھے۔ انھوں نے فوراً سلطان سے کہا کہ اگر میں اس تھیلی اور کپڑے کو نہ اٹھاتا تو حضرت شیخ اپنا دست مبارک ہرگز اس کو نہ لگاتے اور وہ تمھارے دولچہ پر پڑا رہتا، یہ کیا عزت ہوتی اور میں نے جو ان کا جوتا اٹھایا، اس میں میرا شرف تھا۔ اگر مجھ کو قتل کرو تو میں رضامند ہوں کہ تمھاری صحبت کے ننگ سے آزاد ہو جاؤں۔ مگر حضرت شیخ کی عظمت و برکت سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا[۱]۔

استغراق

ایک دن ظہر کی نماز کے بعد جماعت خانہ میں اپنے خاص حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت کا کوئی دربان نہ تھا۔ ان کے خاص خادم (ان کے بھانجے) شیخ زین الدین علی تھے۔ وہ بھی خلوت کے وقت کبھی حاضر ہوتے، کبھی نہ ہوتے۔ خاص مشغولی کے وقت ایک ناپاک قلندر ترابی نامی حضرت (چراغ دہلیؒ) کی خلوت میں داخل ہو گیا۔ چھری اس کے پاس تھی، وہ اس نے نکالی اور حضرت کے جسم مبارک پر گیارہ زخم لگائے۔ حضرت حالت استغراق میں تھے، کوئی فرق نہ آیا۔ اس حجرے میں ایک نالی تھی، نالی میں ہو کر ان کا خون مبارک حجرے سے باہر آیا۔ بعض مریدوں نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً اندر دوڑے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ قلندر ناپاک چھری کے زخم لگا رہا ہے اور حضرت دم نہیں مارتے۔

۱۔ یہ واقعہ سیر الاولیاء (ص ۲۷۳) سے مقتبس ہے اور اس میں فخرالدین زرادی سے متعلق بتایا گیا ہے۔ جمالی نے فخر الدین زرادی کی بجائے یہ واقعہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے منسوب کر دیا ہے۔ اخبار الاخیار (ص ۹۷ - ۹۸) میں بھی فخر الدین زرادی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، نیز دیکھیے سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات (ص ۳۶۹) و بزم صوفیہ (ص ۳۳۰)۔

مریدوں نے چاہا کہ اس کم بخت کو ایذا پہنچائیں ۔ حضرت شیخ نے اجازت نہ دی کہ کوئی کسی طرح اس کے حال سے مزاحم ہو ۔

قاضی عبدالمقتدر تھانیسری[1] جو حضرت کے خاص مرید تھے ، حضرت شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کسی کو ایسا موقع نہ دینا کہ اس قلندر کو کوئی تکلیف [۹۶] پہنچائے ۔ پس تنکے اس قلندر کو انعام دیے اور بہت عذر کیا کہ شاید چھری مارنے کے وقت تمھارے ہاتھ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو ۔ سبحان اللہ اہل بصیرت کو حضرت کی سیرت کی خوبیاں معلوم ہوں کہ تسلیم و رضا میں ان کا کیا مرتبہ تھا[2] ۔

وصال

اس کے بعد تین سال تک حضرت زندہ رہے اور اٹھارویں ماہ رمضان کو شب جمعہ میں رحمت حق سے جا ملے[3] ۔

جانشین

مولانا زین الدین علی نے عرض کیا کہ اے مخدوم ! آپ کے بہت سے مرید صاحبان حال اور اہل کمال ہیں ۔ ان میں سے کسی ایک کو حکم دیجیے کہ آپ کی جانشینی کرے کہ یہ سلسلہ نہ ٹوٹے ۔ (حضرت نے) حکم دیا کہ جاؤ ، جن درویشوں کے متعلق تمھارا حسن ظن ہے ، ان کی فہرست بنا کر لاؤ تاکہ ملاحظہ کی جائے ۔

مولانا مذکور نے تین مدات قائم کیں ، اعلیٰ ، اوسط ، ادنیٰ ۔ جب مولانا نے وہ فہرست حضرت کے سامنے رکھی تو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا کہ مولانا زین الدین ! وہ لوگ جو اپنے اپنے ایمان کا غم اٹھا رہے ہیں ، کیا مناسب ہے کہ دوسرے کا بوجھ بھی اٹھائیں ؟ اس کے بعد وصیت فرمائی کہ میرے دفن کے وقت حضرت نظام الدین اولیاء کا خرقہ جو انھوں نے مجھے عنایت فرمایا ہے ، میرے سینے پر اور حضرت کا عصا میرے برابر قبر میں رکھ دیں اور

---

۱ ۔ قاضی عبدالمقتدر تھانیسری (وفات ۲٦ محرم ۷۹۱ھ/۱۳۸۸ء) ، تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۳۲۵ ۔

۲ ۔ خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۳۸٦ - ۳۸۷ ۔

۳ ۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا وصال ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ/۱۳۵٦ء کو ہوا (سیرالاولیاء ص ۲۳۲ - ۲۴۷) ۔

حضرت پیر کی تسبیح میری انگشت شہادت میں لپیٹ دیں اور اینٹ کی بجائے کاسۂ چوبی میرے سر کے نیچے رکھ دیں اور نعلین چوبی بھی میری آغوش میں رکھ دیں ۔ حاضرین نے حضرت کی وصیت کے مطابق اس موقع پر عمل کیا[1] ۔

سید محمد گیسو دراز

سید محمد گیسو دراز نے جو اس زمانے میں ملک دکن میں شہر گلبرگہ میں آرام کرتے ہیں ، ان کو غسل دیا اور انھوں نے اس کھاٹ کی رسی کو کہ جس پر حضرت (چراغ دہلی) کے تن مبارک کو غسل دیا گیا تھا ، نکال لیا اور اس (رسی کو) اپنی گردن میں لپیٹ لیا اور کہا کہ ہمارے لیے یہی خرقہ کافی ہے ۔

بالآخر سید مذکور (گیسو دراز) کو ایسی مقبولیت ہوئی کہ اس کی برکت سے ان کا انتقال بھی ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ کو ہوا[2] ۔

---

۱ ۔ خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۷ ۔
نصیرالدین چراغ دہلی کے سلسلے میں ملاحظہ ہو پروفیسر محمد حبیب کا مضمون
Sheikh Nasiruddin Chiragh-i-Delhi as a great historical personality, Islamic Culture, Hyderabad Dn. April, 1946 pp. 129-153

۲ ۔ نسخۂ اول (ص ۴۵) میں سنہ نہیں دیا ہے ۔ مطبوعہ متن میں ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ غلط لکھا گیا ہے ۔
حالات کے لیے دیکھیے :
(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۲۲۷ ۔
(۲) بزم صوفیہ ص ۵۰۴ - ۵۲۰ ۔
(۳) مفتاح التواریخ ص ۱۱۳ - ۱۱۴ ۔
(۴) انوار العارفین ص ۳۱۴ - ۳۱۵ ۔
(۵) اخبار الاخیار ص ۱۳۷ - ۱۴۲ ۔
(۶) گلزار ابرار ص ۱۳۹ ۔
(۷) برہان المآثر ص ۴۴ - ۴۶ ۔

حضرت سلطان المشائخ
شیخ نجیب الدین متوکل رح

آں شہنشاہ ملک تجرید ‏ فانی از خویش و باقی از تفرید
رہبر وادیٔ خدا جویاں ‏ از توکل براہ حق پویاں
راہ عرفاں زخار و خس رفتہ ‏ گوہر معرفت بجاں سفتہ
باطن از حق تمام نور شدہ ‏ ظاہر از شرع پر سرور شدہ
پاک دیں پاک ذات پاک خصال ‏ کشتہ از خام عشق مالا مال
کردہ روشن تمام روئے زمین ‏ آفتاب جہاں نجیب الدین

وہ صحیفۂ تصوف کے ترجمان ، چمن معرفت کے باغبان ، سالکان تحقیق کے مرشد ، صفا و تصدیق کے مسافروں کے رہنما ، حقائق کے واضح کرنے والے ، [۹۷] دقائق کے بیان کرنے والے ، آسمان ولایت کے قطب ، ہدایت و نہایت کے دائرہ کے مرکز اور اہل کمال و صاحب دل تھے ۔ شیخ المشائخ نجیب الدین متوکل[۱] ایک عالی مرتبہ شیخ (طریقت) تھے ۔

خاندان

وہ اپنے زمانے میں بے مثل تھے ۔ شیخ المشائخ فرید الملت و الدین مسعود کے حقیقی بھائی تھے اور ان ہی سے ارادت و خلافت بھی تھی ۔ حضرت (بابا فرید) نے ان کو اجازت دے دی تھی کہ وہ دہلی میں سکونت اختیار کریں ۔ [دروازہ منڈی کے سامنے ان کا مکان تھا[۲] ۔] مشغولیٔ حق میں انتہائی استغراق کی وجہ سے ان کو خبر نہ رہتی کہ آج کون سا دن ہے یا کون سا مہینہ ہے یا شہر میں غلہ کا کیا نرخ ہے ۔ ان کے سامنے ہمیشہ اپنے اور غیر ، مالدار اور درویش سب یکساں تھے[۳] ۔

ایک دن شیخ نور الدین مبارک رح نے ان سے دریافت کیا کہ اے مخدوم !

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ٦٦ - ٦٧ ۔
۲ ۔ نسخۂ اول (۲ : ۲۲) میں یہ جملہ نہیں ہے ۔
۳ ۔ اخبار الاخیار ص ٦٦ ، فوائد الفواد ص ۲۱٦ ۔

شیخ فرید الدین مسعود کے بھائی تم ہی ہو؟ تو کہا کہ صورت کے اعتبار سے تو میں بھائی ہوں، لیکن معنی (حقیقت) کے اعتبار سے میں بھائی کیسے ہو سکتا ہوں - پھر شیخ نور الدین محمد نے پوچھا کہ شیخ نجیب الدین متوکل تم ہی کو کہتے ہیں ؟ جواب دیا کہ نجیب الدین متوکل ، متوکل کب ہو سکتا ہے -

توکل علی اللہ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محمد (بدایونی) سے منقول ہے کہ ان کی صحبت سے ظاہر ہوا جیسا کہ ان کے ذکر میں لکھا ہے اور یہ بات حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا ، مخلوق بطور تبرک ان کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دے رہی تھی - قلندروں کی ایک جماعت خراسان سے مہمان آئی ہوئی تھی - انہوں نے دیکھا کہ عیدگاہ میں حضرت (متوکل) کی طرف مخلوق خدا بہت متوجہ ہے- انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ شیخ بزرگ ہیں، ہمیں آج ان کا مہمان ہونا چاہیے - حضرت شیخ عیدگاہ سے اپنے مکان تشریف لائے - قلندر بھی بعد کو آ گئے اور عرض کیا کہ اے حضرت شیخ ! آپ اس شہر میں عالی مرتبہ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آج آپ کے مہمان رہیں - حضرت شیخ نے فرمایا کہ مرحبا ! آئیے ، خوش آمدید - گھر میں جو کچھ بھی ہو اور مہمان جو کوئی بھی ہو، بہتر ہے - ان سب کو جماعت خانے میں بٹھایا اور خود اندر تشریف لے گئے -

اپنی زوجہ سے کہا کہ آج قلندروں کی ایک جماعت خراسان سے مہمان آئی ہے اگر کھانے کا سامان ہو تو دریغ نہیں کرنا چاہیے - ان کی زوجہ نے عرض کیا کہ صاحب خانہ آپ ہیں - گھر کی ناداری آپ پر پہلے ہی روشن ہے - دو روز ہوئے کہ بچوں نے کھانے کی خوشبو تک نہیں سونگھی ہے - شیخ نے فرمایا کہ اگر چادر یا دوپٹہ رکھتی ہو تو اس کو بازار میں فروخت کر دیں کہ اس سے مہمانوں کے لیے کھانا فراہم کر سکیں - وہ نیک بی بی ایک دوپٹہ رکھتی تھیں ، اس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے، وہ اس لائق بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو دو درم میں خرید لیتا - شیخ نے جب اس کو ایسا دیکھا تو پانی کا لوٹا اور ایک بڑا پیالہ اٹھا لیا - قلندروں کی جماعت میں آ کر کھڑے ہو گئے - اور کہا اے درویشو ! مجھے معاف کرنا کہ یہی ماحضر ہے - وہ درویش اہل دل تھے، انہوں نے اس پانی

---

۱ - فوائد الفواد ص ۲۳ -

کو بڑی تعظیم سے لیا اور پی لیا ۔ حضرت شیخ کے ہاتھ پانوؤں کو بطور تبرک بوسہ دیا [۹۸] اور باہر چلے گئے ۔

حضرت شیخ حجرے کے اوپر جا کر مشغول عبادت ہو گئے ۔ اپنے دل میں کہہ رہے تھے کہ اس طرح عید کا دن گزر رہا ہے کہ میرے بچوں کے حلق میں کھانا بھی نہیں پہنچتا ۔ مسافر آئیں اور ایسے نامراد واپس چلے جائیں ۔ شیخ اسی خیال میں تھے کہ ایک شخص یہ شعر پڑھتا ہوا نیچے سے اوپر آیا

شعر

با دل گفتم دلا خضر را بینم　　　دل گفت اگر بمن بنمائی بینم

شیخ سمجھے کہ خواجہ خضر ہیں ، اٹھے اور تعظیم کی ۔ خواجہ بیٹھ گئے اور شیخ سے گفتگو شروع کی ، کیا ہے جو دل سے لڑ رہے ہو کہ اس طرح عید کا دن گزر رہا ہے کہ میرے بچوں کو کھانا بھی نہیں ملتا ۔ جاؤ میرے لیے کھانا لاؤ ۔ شیخ مسکرائے اور کہا خواجہ جانتے ہیں کہ دل سے میری یہی جنگ تھی کہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے ۔ خواجہ نے کہا اٹھو ، نفس کا خیال رکھو ۔ شیخ اٹھے ، نیچے آئے ، دیکھتے ہیں کہ کھانے کا ایک خوان گھر کے صحن میں رکھا ہے ، اس کو اٹھایا اور بیوی کے پاس گئے ۔ دریافت کیا کہ یہ کھانا کون لایا ۔ انھوں نے کہا کہ ایک شخص آیا ، میں نے پردہ کر لیا اور وہ کھانا رکھ کر چلا گیا ۔ شیخ نے اس (کھانے) میں سے کسی قدر لیا اور بالا خانے پر آئے ۔ دیکھتے ہیں کہ خواجہ خضر نہیں ہیں ۔ کہا ، ہاں یہ سعادت جو میں نے پائی ، وہ بے نوائی کی برکت سے پائی ۔

مومن کامل

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ابتدائی زمانے میں جب حضرت نجیب الدین متوکل شہر دہلی میں پہنچے تو ان کے مکان کے نزدیک ایک ترک ایتمر نامی رہتا تھا ۔ اس نے ایک مسجد بنوائی اور مسجد کے پہلو میں اپنے مکان کی عمارت بنوائی ۔ اس مسجد کی امامت شیخ نجیب الدین کو دی اور وہ مکان بھی ان کو دے دیا ۔ حضرت وہاں رہنے لگے اور کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا ۔ اس ترک کے ایک لڑکی تھی ۔ اس کی شادی میں ایک لاکھ اور کئی ہزار تنکے خرچ ہوئے ۔ حضرت شیخ نجیب نے ہم سائگی کی وجہ سے اس سے کہا کہ مومن کامل وہ ہے کہ اس کی دوستی خدا سے ایسی ہو کہ جو اس کی اولاد اور فرزندوں کی محبت پر غلبہ رکھی

ہو۔ اب تم نے ایک لاکھ کئی ہزار تنکے لڑکی کی شادی میں خرچ کیے ، اگر اس سے دوچند خدا کی راہ میں خرچ کرو تو مومن کامل ہو۔ ترک مذکور اس بات سے رنجیدہ ہوا ، حضرت شیخ کو مسجد اور مکان سے باہر نکال دیا اور جو وظیفہ مقرر کیا تھا، وہ بند کر دیا ۔

حضرت شیخ (متوکل) جب دہلی سے اجودھن پہنچے تو صورت حال حضرت فرید الدین گنج شکر سے عرض کی ۔ حضرت شیخ نے فرمایا نجیب الدین خدا تعالیٰ فرماتا ہے

ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا

ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے ہیں اور نہ اس کو (لوگوں کے ذہنوں سے) بھلاتے ہیں مگر اس سے بہتر یا اس جیسی ہی دوسری آیت لے آتے ہیں ۔

اس وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ اگر وہ ایتمر نہیں ہوگا تو خدا تعالیٰ کوئی اینکر پیدا کر دے گا کہ وہ تمھاری مناسب خدمت کرے گا ۔

جب حضرت شیخ نجیب الدین [۹۹] اجودھن سے دہلی پہنچے تو وہ ترک ایتمر نامی مر چکا تھا اور وہاں دوسرا ترک اینکر پیدا ہوا، اس نے شیخ نجیب الدین کے قریب مکان بنایا ۔ حضرت شیخ کا مرید ہوا اور حضرت کی خدمت انجام دینے لگا۔

متوکل کی بابرکت صحبت

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک ترک تھا ، اس کو تکلش کہتے تھے ۔ وہ نیک اعتقاد اور صالح آدمی تھا ۔ اس نے ایک رات خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ۔ وہ صبح کو شیخ نجیب الدین کے پاس آیا اور اپنا خواب بیان کیا لیکن حضرت (نجیب الدین متوکل) کو قسم دی کہ جب تک میں زندہ رہوں ، یہ خواب کسی سے بیان نہ کرنا ۔ حضرت شیخ نے قبول کیا ۔ اس کے بعد تکلش نے کہا کہ میں نے آج رات خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے اور ان اسرار و احوال کو بیان کیا ۔ خواب دیکھنے کے بعد تکلش چالیس سال زندہ رہا ۔ حضرت شیخ نے اس کو کسی سے ظاہر نہیں کیا ۔ تکلش کے انتقال کے وقت شیخ اس کے سرہانے

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۳۳ ، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۰ - ۷۱ -

پہنچے ۔ تکلش نے حضرت کی جانب رخ کیا اور کہا اے شیخ! میں نے جو خواب آپ سے عرض کیا تھا وہ یاد ہے۔ فرمایا ہاں! اب تمھارا کیا حال ہے۔ اس نے کہا آپ کی صحبت کی برکت سے اسی حالت میں مستغرق جا رہا ہوں ۔ یہ کہا اور انتقال کر گیا ۔ وہ تکلش ان کے معتقدین اور مریدین میں سے تھا ۔

فقر و استغناء

حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں فاقہ تھا ۔ گدڑی پوش قلندروں کا ایک گروہ حضرت کے پاس پہنچا اور مہمان ہونے کی امید کی ۔ حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ اگر مہمان کے لیے کوئی چیز نہ ہوتی تو پانی کا پیالہ اٹھاتے اور مہمان کو ایک پیالہ پانی پلا دیتے اور عذر کر لیتے ۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ۔ انھوں نے پانی پیا اور آپس میں کہا کہ یہ صاحب نہایت قابل قدر ہیں ، اگر ان کے پاس کوئی چیز ہوتی تو کھلانے میں کوتاہی نہ کرتے ۔ ہمارے پاس البتہ کچھ ہے ، بہتر ہے کہ ان کے سامنے رکھ دیں ۔ انھوں نے اپنی ہمیانیوں کو کھولا اور جو رقم ان کے پاس تھی ، حضرت شیخ کو نذر کی ۔ کہتے ہیں کہ پانسو سفید تنکے تھے جو بطور شکرانہ شیخ کے سامنے پیش کیے ۔ دعا کی درخواست کی اور پھر کہا ۔ حضرت شیخ نے (وہ تنکے) اسی وقت صرف کر دیے ۔ ایک شخص نے جو حاضر تھا ، کہا کہ آپ کے یہاں بہت تنگی ہے ، کچھ دنوں کے لیے (ان تنکوں کو) کیوں نہیں رکھتے ۔ جواب دیا کہ جب آتا ہے تو دے دو کہ کم نہ آئے اور جب جاتا ہے تو خیال رکھو کہ نہ آئے ۔

ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

منقول ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد تھا ۔ جب کبھی ان پر غصہ آتا تو غصے کی حالت میں ان سے فرماتے کہ اے خواجہ احمد و محمد! تم نے ایسا کیوں کیا ۔ اگر انتہائی غصے میں ہوتے تب بھی باادب نام لیتے کیونکہ محمد و احمد ، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں ۔ یہ نام بے ادبی سے نہیں لینے چاہئیں [۲] ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۳۳ ۔

۲ ۔ فوائد الفواد ص ۲۸۷ ۔

وجیہ الدین بدایونی

منقول ہے کہ شہر بداؤں میں ایک درویش تھے ، ان کو وجیہ الدین صاحبدل کہتے تھے ۔ حضرت شیخ [. . .] نجیب الدین متوکل ان سے ملاقات کے لیے قصداً دہلی سے بدایوں گئے ۔ جب ان کے جماعت خانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ ایک چٹائی پر بیٹھے ہیں ۔ شیخ چٹائی کے نزدیک گئے ۔ اپنے جوتے اتارے (دور سے اس لیے نہیں اتارے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دور اتارنے سے کوئی چیز پیروں میں لگ جائے اور چٹائی خراب ہو جائے ۔ وہ شیخ اس بات (جوتیاں نزدیک اتارنے) سے رنجیدہ ہوئے اور ان کی تعظیم نہ کی اور خاموش بیٹھے رہے ، مگر ان کے سامنے مصلے پر ایک کتاب رکھی تھی ، جب نجیب الدین متوکل نے دیکھا کہ وہ بالکل بات نہیں کرتے تو کہا کہ مخدوم ! یہ کیا کتاب ہے ۔ فوراً اس کو کھولا ، پہلی سطر میں تحریر تھا کہ آخر زمانے میں درویش متکبر ہو جائیں گے اور کوئی نیک آدمی ان کے فرش کے نزدیک جوتے اتارے گا تو غرور کی آگ سے جل جائیں گے ۔ اور وہ اس کو ایذا پہنچانے کا ارادہ کریں گے ۔ حضرت شیخ نے وہ کتاب ان (وجیہ الدین) کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ اے مخدوم ! آپ بھی دیکھیے کہ اس کتاب میں کیا تحریر ہے ۔ پھر سلام کیا ، اٹھے اور چلے آئے[1] ۔

بی بی فاطمہ سام

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ قصبہ اندپت میں جو غیاث پور کے نزدیک ہے ، ایک بہت بزرگ عورت تھی اور وہ کشف و کرامت میں رابعۂ زمانہ تھی ، اس کو بی بی فاطمہ سام کہتے تھے ۔ چنانچہ حضرت فرید الدین گنج شکر اس کی تعریف کرتے اور بار بار فرماتے کہ اس عورت کی مشغولی (عبادت) دس مردان کامل کے برابر رہے[2] ۔ وہ حضرت شیخ نجیب الدین کو بھائی کہتی تھی ۔

---

۱ ۔ سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۴۹ ـ ۱۵۰ ، تذکرۃ الواصلین ص ۱۰۹ ۔ وحید احمد مسعود لکھتے ہیں کہ وجیہ الدین ابن مسعود فاروق حضرت جلال تبریزی کے ہم عصر تھے ۔ ان کا وصال ۶۳۱ھ میں ہوا ۔ بدایوں (محلہ بیدوں ٹولہ) مسجد فاروقیاں میں ان کا مزار ہے ۔ ممکن ہے یہ ان ہی کا واقعہ ہو (سوانح بابا فرید ص ۲۵۳) ۔

۲ ۔ فوائد الفواد ص ۳۵ ۔

شیخ نجیب الدین فرماتے ہیں کہ میں بھی اکثر اس کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس سے بہت سے فوائد حاصل کیا کرتا۔

جب شیخ نجیب الدین کے یہاں فاقہ ہوتا تو بی بی فاطمہ کو بذریعہ کشف معلوم ہو جاتا۔ وہ ایک من کلچہ شیخ کے یہاں بھیج دیتی اور کہتی کہ میرے بھائی نجیب الدین کے یہاں دو تین روز سے فاقہ ہے۔ یہ روٹیاں وہاں لے جاؤ۔ میرا سلام پہنچاؤ اور کہو کہ یہ حلال ذریعہ کی روزی ہے اور حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرے فقر کا حال جیسا کہ اس خاتون پر روشن ہے اگر خلیفہ وقت کو معلوم ہو جاتا تو وہ بھی کچھ روٹی بہ نظر برکت بھیجتا۔ یہ بات خوش طبعی کے طور پر فرماتے تھے[۱]۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے منقول ہے کہ بی بی فاطمہ جو حضرت کو بھائی کہا کرتی تھی عجیب بابرکت اور ریاضت کرنے والی خاتون تھی۔ وہ ہمیشہ روزے رکھتی۔ اس زمانے کے درویش اس کے بہت معتقد تھے۔ اس کے پاس ایک کنیز تھی کہ جو مزدوری کرکے جو کی دو روٹیاں اور پانی کا ایک پیالہ اس کے لیے لاتی اور اس کے مصلے کے سامنے رکھ دیتی اور چلی جاتی اور مزدوری میں مشغول ہو جاتی۔ بی بی فاطمہ ان دونوں روٹیوں میں سے تھوڑے سے افطار کر لیتی اور باقی جو چاہتا اس کو دے دیتی، جس کی تقدیر میں وہ سعادت ہوتی (وہ لیتا)۔

جب اس کی عمر کا آخری وقت آیا تو ایک پوری رات عبادت میں گزاری جب وہ (عبادت) سے فارغ ہوئی تو کنیز روٹی اور پانی سامنے لائی [۱۰۱] اور خواہش کی کہ بی بی اس میں سے کچھ لے کر افطار کر لیں۔ اس کے دل میں یہ بلت پیدا ہوئی کہ اے فاطمہ! اگر اس آخری شب بھی تجھ میں کچھ توانائی ہوئی تو جائے افسوس ہے کہ تو نے اپنے نفس کا لطف اٹھایا۔ اس نے وہ روٹی اور پانی فقیروں کو دے دیا اور خود عبادت میں مشغول ہو گئی۔ دوسری رات کو جب افطار کا وقت ہوا تو پھر یہی معاملہ کیا۔ چنانچہ چالیس دن اور رات تک افطار نہ کیا اور اسی طرح عبادت میں دن گزار کر شب کر دیتی اور شب گزار کر دن کر دیتی اور مشغول عبادت رہتی۔ چالیس روز کے بعد اس نے ایک نورانی مرد کو گھر کے صحن میں کھڑا دیکھا۔ اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں عزرائیل

۱۔ فوائد الفواد ص ۲۱۶ - ۲۱۷، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵۰۔

ہوں ، مجھے تیری روح قبض کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ بی بی فاطمہ نے کہا کہ اتنی مہلت دو کہ تجدید وضو کر لوں اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر لوں اور دو رکعت اس کے علاوہ پڑھ لوں۔ ملک الموت نے کہا اتنی مہلت ہے ، اپنا کام کر۔ بی بی فاطمہ نے ایسا ہی کیا ، اس کے بعد سجدے میں سر رکھا اور رحمت حق سے جا ملی ۔ اسی رات کو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل اس کے انتقال کے وقت پہنچ گئے ، نماز جنازہ پڑھی اور قصبہ اندپت میں حوض کے قریب[1] سپرد خاک کیا ۔ اسی رات حضرت بی بی (فاطمہ سام) کو خواب میں دیکھا کہ گویا عرش پر نماز پڑھ رہی ہیں ۔ ان سے دریافت کیا کہ بی بی تمھاری جگہ کہاں ہے ۔ انھوں نے کہا کہ عالم جبروت میں بی بی فاطمہ زہرا رض کی صحبت میں ہوں ۔

بابا فرید الدین گنج شکر سے ملاقات اور وصال

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میں تین مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں شہر دہلی سے قصبہ اجودھن گیا ہوں اور ان کی وفات کے بعد سات مرتبہ گیا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی بھی سات مرتبہ ان کی خدمت میں گئے اور حضرت نجیب الدین متوکل جب پہلی مرتبہ شہر دہلی سے ان کی خدمت میں پہنچے تو رخصت ہونے کے وقت فاتحہ کی درخواست کی کہ جس طرح حضور کی دستبوسی سے فیضیاب ہوا ہوں چاہتا ہوں کہ فاتحہ کی برکت سے دوبارہ بھی اسی طرح دست بوسی کی سعادت سے فیضیاب ہوں ۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے فرمایا کہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بارہا آؤ گے ۔ چنانچہ اٹھارہ مرتبہ پہنچے ۔ انیسویں مرتبہ پھر فاتحہ کی درخواست کی کہ شاید اس مرتبہ فاتحہ پڑھیں کہ ایک مرتبہ اور ملاقات سے مشرف ہو جاؤں ۔ تو پورے بیس ہو جائیں ۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر خاموش ہو گئے ، حضرت نجیب الدین سمجھے کہ شاید میری بات حضرت (گنج شکر) نے سنی نہیں ۔ دوبارہ پھر وہی بات کہی ۔ حضرت شیخ نے نہ کوئی جواب دیا اور نہ فاتحہ پڑھی ،

---

۱ ۔ مؤلف مزارات اولیائے دہلی (ص ۲۳) میں تاریخ انتقال ۱۸ شعبان ۶۴۳ھ لکھا ہے نیز دیکھیے لسٹ آف محمڈن اینڈ ہندو مونومینٹس جلد دوم ص ۸۰ ۔

اسی طرح رخصت کر دیا۔ پھر ان کی زندگی میں ملاقات نہیں ہوئی۔ جب دہلی آئے تو نویں ماہ رمضان کو انتقال فرمایا[۲] [۱۰۲] -

۱ - فوائد الفواد ص ۱۷ -
۲ - وفیات الاخیار (ص ۱۰۲) اور کاشف الحقیقت (ص ۱۵) میں تاریخ انتقال ۹ رمضان ۶۷۱ھ اور نزہۃ الخواطر (جلد اول ص ۲۳۵، بحوالہ سیر الاولیاء) میں ۹ رمضان ۶۶۹ھ ہے۔ قبر پر جو کتبہ لگا ہے اس میں ۶۷۱ھ تحریر ہے (یہ جدید زمانے کا کتبہ ہے) ملاحظہ ہو مزارات اولیائے دہلی ص ۶۱ و لسٹ آف محمڈن اینڈ ہندو مونیومینٹس جلد سوم ص ۱۹۶ - ۱۹۷ - وحید احمد مسعود نے انتقال ۶۶۸ھ میں لکھا ہے (سوانح بابا فرید ص ۲۵۱) -

شیخ الاسلام حضرت بہاء الملت والدین زکریا ملتانیؒ

آں محرم راز لا مکانی — موصوف صفات جاودانی
افلاک بزیر پائے کردہ — در عالم عشق جائے کردہ
جز روفتہ از فنائے توحید — با کوفتہ در بقائے تفرید
باطن بحقیقت و حقیقت — ظاہر بشریعت و طریقت
آں پاک گزیدۂ مشائخ — آں مردم دیدۂ مشائخ
سلطان سریر ملک تمکیں — یعنی کہ بہائے ملت و دیں
او مالک ملک لایزالی ست — در سلک محبتش جالی ست

وہ درج شریعت و طریقت کے گوہر ، معرفت و حقیقت کے برج کے ستارے ، منازل تصدیق کے رہبر ، معارف تحقیق کے دروازوں کے کھولنے والے ، سالکان صاحب حال کے مرشد اور رہروان اہل کمال کے رہبر ، زبدۃ الاتقیاء ، خلاصۃ اولیاء بہاء الدین زکریا غوث العالم اولیائے کبار میں سے تھے - وہ درویشی کے طریقے میں صاحب اعتبار ، علوم ظاہری میں مجتہد دوراں ، اسرار باطنی میں تخت معرفت کے بادشاہ ، اپنے زمانے میں یگانہ ، غوث عالم اور بے نظیر زمانہ تھے - کشف و کرامات میں بے مثل اور عبادت و ریاضت میں مستقیم الاحوال تھے -

خاندان

ان کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی[1] مکہ معظمہ سے خوارزم آئے تھے ، وہاں سے قبۃ الاسلام شہر ملتان پہنچے اور اس شہر میں ایک زمانے تک سکونت پذیر رہے۔ وہ حرمین شریفین کے حاجی تھے ، پرہیز گاری میں اعلیٰ درجہ رکھتے

---

۱ - مؤلف ''تذکرہ بہاء الدین زکریا'' (ص ۵۷) نے ''کمال الدین ابوبکر'' نام لکھا ہے -

تھے - ان کے ایک لڑکے وجیہ الدین نامی تھے[1] جو نیک نفس اور فرشتہ خصلت جوان تھے -

تعلیم و تربیت

مولانا حسام الدین ترمذی ملاعنہ تاتار (منگول) کے خروج کرنے کی وجہ سے اس ملک (ہند و پاکستان) میں چلے آئے اور کوٹ کروڑ میں قیام پذیر ہوئے جسے سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان فتح کرنے سے قبل تسخیر کیا تھا - ان کی ایک عفیفہ و طاہرہ صاحبزادی تھیں - انہوں نے شیخ وجیہ الدین سے ان کا عقد کر دیا[2] - اور حضرت شیخ بہاء الدین اسی قلعہ (کوٹ کروڑ) میں پیدا[3] ہوئے - جب وہ بارہ سال کے تھے تو ان کے پدر بزرگوار کا انتقال ہو گیا - حضرت شیخ (بہاءالدین) نے سات قرأتوں کے ساتھ قرآن حفظ کیا، اور اپنے والد کی وفات کے بعد وہ وہاں سے خراسان چلے گئے، تقدس باطنی کے ساتھ سات برس تک درس ظاہری میں مشغول رہے، وہاں سے بخارا پہنچے اور علم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، یہاں تک کہ درجہ اجتہاد حاصل کیا - ان کی پارسائی، صلاحیت اور زہد کی وجہ سے اہل بخارا ان کو بہاء الدین فرشتہ کہتے تھے - خراسان اور بخارا میں ان کی بہت شہرت تھی -

وہ وہاں سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں (مکہ) آ کر حصول علم میں مشغول ہو گئے - حج اور حضرت سرور کائنات و فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

۱ - ان کا نام ''وجیہ الدین محمد غوث'' لکھا ہے (تذکرہ بہاء الدین ص ۷۵) -

۲ - مؤلف تذکرہ بہاء الدین نے لکھ دیا ہے کہ شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ عیسیٰ قادری کی دختر سے ہوئی تھی (ص ۸۱) مولوی وحید احمد مسعود نے اس روایت کو مشکوک قرار دیا ہے (سوانح بابا فرید ص ۶۸) تاریخ جلیلہ کے فاضل مؤلف مولوی غلام دستگیر نامی (ف ۷ رجب ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نسب کے اختلاف کے سلسلے میں صحت مند بحث کی ہے (ملاحظہ ہو تاریخ جلیلہ ص ۸۸ - ۹۰)-

۳ - مؤلف تذکرہ بہاء الدین (ص ۸۸) نے لکھا ہے کہ حضرت زکریا کی پیدائش ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ کو ہوئی -

۴ - تذکرہ بہاء الدین (ص ۸۹) میں ایک استاد کا نام نصیر الدین بلخی لکھا ہے -

زیارت سے مشرف ہوئے اور پانچ سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مجاور رہے اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے جو بڑے محدثین میں سے تھے [۱۰۳] ، علم حدیث حاصل کیا ۔ مولانا یمنی ترپن سال تک حرم محترم کے مجاور رہے ، وہ بھی ہر سال بیت اللہ کی زیارت کرتے تھے اور پھر حرم محترم (مدینہ منورہ) آ جاتے ۔ جب حضرت بہاء الدین زکریا نے تمام علم حدیث مولانا (یمنی) سے پڑھ لیا اور اس میں کمال حاصل کر لیا تو مولانا نے حضرت کو اجازت نامہ لکھ کر دے دیا اور حدیث کے درس دینے کی بھی اجازت دے دی جیسی کہ محققین محدثین کی رسم ہے ۔

مدینہ منورہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت شیخ ایک سال سے کم یا زیادہ مدینہ منورہ میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم میں ایک خاص جگہ رہے کہ قبۂ روضۂ مبارک کے دائیں جانب ہے اور یہ احقر (جمالی) جس زمانے میں حرم محترم میں مجاور تھا ، اس جگہ مشغول عبادت رہا ہے اور فیض حاصل کیا ہے ۔ اس کے بعد حضرت بیت المقدس کی جانب آئے اور ان انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے جو وہاں آرام فرما ہیں ۔

بغداد

شاہ تاج الدین حسن کے والد شیخ نظام الدین محمود سے کہ جو شیراز کے شیخ الاسلام ہیں، اور اس درویش (شیخ جمالی) سے شیراز میں کچھ عرصے ملاقات رہی ۔ انھوں نے بے انتہا محبت و خلوص اور اتحاد و اعتقاد کا اظہار کیا ۔ انھوں نے حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الدین زکریا کی بزرگی اور سیرت ایک جگہ لکھی ہے اور شیخ فخر الدین عراقی اور صدر الدین محمد معروف الحسنی کا مرید ہونا بھی تحریر کیا ہے ۔ چنانچہ اس حقیر (جمالی) کو ان بزرگواروں کے بعض حالات وہاں سے تحقیق ہوئے ہیں ۔

یہ نظام الدین محمود بغیر کسی واسطے کے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے مرید تھے ۔ اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام (زکریا) کرامات عالی اور مقامات بلند حاصل کرنے کے بعد بغداد آئے ، انھوں نے ان درویشوں کی زیارات سے برکات حاصل کیے جو وہاں آرام فرما ہیں اور حضرت سلطان المشائخ کی صحبت و ارادت کی برکت سے صرف سترہ روز میں یہ دولت جاودانی اور سعادت دو جہانی حاصل کر لی ۔

جس زمانے میں یہ ضعیف (جمالی) بغداد کے مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوا اولیائے کبار کی زیارت کے بعد زیادہ تر حضرت شیخ الشیوخ غوث اعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کے مقبرے اور حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کے روضے کی زیارت کے لیے جایا کرتا اور سعادت ابدی و دولت سرمدی حاصل کرتا۔ اکثر راتیں حضرت امام اعظم (ابوحنیفہؒ) کے روضہ مبارک میں گزارتا۔

شیخ جمالی کی شہاب الدین احمد سے ملاقات

ایک رات شیخ شہاب الدین احمد جو حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کے سجادہ نشین ہیں، امام اعظم کی زیارت کے لیے آئے اور انھوں نے مجھے ایک گوشے میں مشغول عبادت پایا۔ (عبادت سے) فراغت کے بعد اس حقیر (جمالی) کو ان کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ انھوں نے نہایت گرم جوشی سے دریافت کیا کہ تم رات کو یہیں رہتے ہو [۱۰۳] میں نے کہا کہ اکثر میں یہیں رہتا ہوں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا روضہ پرانے بغداد میں دجلہ کے نزدیک ہے اور حضرت غوث اعظم شیخ الشیوخ شیخ محی الدین جیلانیؒ کا مقبرہ نئے بغداد میں ہے۔ دونوں کے درمیان کم و بیش دو کوس کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت شیخ مذکور نے اس حقیر (جمالی) سے فرمایا کہ تم کس سلسلے سے تعلق رکھتے ہو اور کس خاندان سے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بندہ شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کے سلسلے سے منسلک ہے۔ فرمایا کہ تمھارا شجرہ ان کے کونسے خلیفہ سے ملتا ہے۔ میں نے اس ترتیب کو جو واقع ہے حضرت شیخ الاسلام غوث بہاءالملت والدین تک پہنچایا۔ حضرت شیخ مجھ سے نہایت فرحت کے ساتھ بغل گیر ہوئے، نہایت کوشش سے اپنے ہمراہ حضرت شیخ الشیوخ العالم (شہاب الدین سہروردی) کی خانقاہ میں لائے اور اس جگہ تشریف فرما ہوئے کہ جہاں حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رہتے تھے اور فرمایا کہ تم کو بھی اجازت ہے کہ یہاں رہو۔ چنانچہ تقریباً دو مہینے تک یہ حقیر (جمالی) وہاں رہا اور سعادتیں حاصل کیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین احمد نے عوارف کا وہ نسخہ جو حضرت شیخ الشیوخ العالم (شہاب الدین سہروردی) نے پڑھا تھا۔ مجھ کو عنایت کیا۔ اس زمانے میں وہ میرے کتب خانے میں ہے۔

خرقہ پوشی

القصہ حضرت سلطان المحققین برہان المدققین پیر دستگیر بہاء الحق والدین کی زبان گہر بار سے میں نے سنا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ العالم (شہاب الدین سہروردی) کی صحبت میں تھے تو خرقہ کے انتظار میں تھے کہ دیکھیے کب ملتا ہے ۔ ایک رات حضرت شیخ الاسلام ان کی خانقاہ میں مشغول عبادت تھے کہ اہل معرفت کی طرح جس طرح وہ معائنہ فرمایا کرتے ہیں دیکھا کہ ایک مکان پر نور ہے اور اس میں حضرت خلاصۂ موجودات و سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور حضرت شیخ الشیوخ العالم ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دربانوں کی طرح کھڑے ہیں اور اسی مکان میں جہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں، ایک ڈوری بندھی ہوئی ہے اور چند خرقے اس ڈوری میں لٹک رہے ہیں ۔ اسی دوران میں شیخ الاسلام غوث بہاء الدین کو طلب فرمایا ، حضرت شیخ الشیوخ عالم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی سے مشرف کیا ۔ چنانچہ حضرت نے ان خرقوں میں سے جو ڈوری میں لٹک رہے تھے ، ایک خرقے کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا کہ عمرؓ ! یہ خرقہ شیخ بہاء الدین غوث عالم کو پہناؤ۔ انہوں نے یہی کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر ڈال دیا ۔ جب حضرت شیخ الاسلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان کو امید پیدا ہوئی کہ ان کا خرقہ ان کو ضرور ملے گا ۔

علی الصبح چاشت کے بعد حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) نے حضرت شیخ الاسلام غوث عالم (بہاء الدین زکریا) کو [۱۰۵] اندر بلایا ۔ جب شیخ وہاں پہنچے ، وہی گھر دیکھا جو دیکھ چکے تھے اور خرقے اسی طرح ڈوری میں لٹک رہے تھے ۔ حضرت شیخ الشیوخ اٹھے اور وہی خرقہ جس کی جانب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا ڈوری سے اتارا اور حضرت شیخ الاسلام کو پہنایا اور فرمایا کہ بابا بہاء الدین ! حضور پر نور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقوں کے درمیان ، میں ایک واسطے سے زیادہ نہیں ہوں ۔ کسی کو ان کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا ، جیسا کہ گزشتہ رات تم کو خود دکھلا دیا گیا ۔

حضرت شیخ نظام الدین نے فرمایا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق نے بہت تھوڑے عرصے میں نعمت عظیم حاصل کر لی۔ اکثر درویشوں نے جو زمانہ دراز سے ان کی خدمت میں تھے تعجب کیا کہ ہم لوگوں کو اتنا عرصہ ہو چکا کہ ہم حضور کی خدمت میں ہیں مگر یہ بزرگی ہم کو حاصل نہیں ہوئی۔ درویش ہندی آیا اور اس نے یہ سعادت حاصل کر لی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ کے آئینہ دل میں صفائے باطن سے یہ بات منعکس ہو گئی جو ان درویشوں کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ فوراً فرمایا کہ دوستو! تشویش نہ کرو، تم سب گیلی لکڑیاں رکھتے ہو اور گیلی لکڑیوں میں آگ یکبارگی نہیں لگتی اور زکریا سوکھی لکڑیاں رکھتا تھا جن میں فوراً آگ لگ گئی[1]۔

ملتان روانگی

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام غوث (زکریا) کو رخصت کیا اور فرمایا کہ جاؤ ملتان میں سکونت اختیار کرو اور اس ملک کے رہنے والوں کے مقاصد پورے کرو۔ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) نے اپنے پیر بے نظیر سے اجازت پائی اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی شہر بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں تھے، انھوں نے بھی عرض کیا کہ مجھے مولانا بہاء الدین سے بے انتہا محبت ہے، اگر حکم ہو تو ان کے ہمراہ ہندوستان کا سفر کروں۔ حضرت شیخ نے اجازت دے دی۔ کہتے ہیں کہ خوارزم تک ساتھ رہے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کچھ عرصے تک خراسان کے بعض آثار شہر میں مقیم رہے۔ حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) ملتان آئے اور (یہیں) سکونت اختیار کرلی۔ وہاں ان کے یہاں اولاد پیدا ہوئی۔ حضرت کی عجیب روش تھی۔ بے انتہا عبادت میں مشغول رہتے اور بے حد ایثار بھی فرماتے۔ نذرانے بھی بہت آتے تھے۔ بہت سے مرید صاحبان حال اور اہل کشف و کمال تھے۔

ان کے بڑے صاحبزادے شیخ صدر الدین، عارف الٰہی مرشد کامل اور علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ان کے مناقب ان کے تذکرے میں لکھے جائیں گے۔

۱۔ اسرار الاولیاء ص ۱۴، فوائد الفواد (لکھنؤ اڈیشن) ص ۴۳۲۔

صدف سیادت کے گوہر سید جلال الدین بزرگ بخاری[۱] بھی ان کے مرید تھے۔ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بخارا میں تھے، حضرت سید (بخاری) کے پدر بزرگوار سید علی، (حضرت بہاء الدین زکریا) کے اوصاف حمیدہ سن کر اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سید جلال ان صاحب کمال کی صحبت کے حصول سے قبل ہی ان پر بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ [۱۰۶] اسی اتحاد و اعتقاد کی بنا پر بخارا سے ملتان آئے۔

سید جلال سرخ کا برف کی خواہش کرنا

حضرت بہاء الحق و الدین پیر دستگیر سے سنا ہے کہ جس زمانے میں جلال الدین بخاری ملتان میں تشریف رکھتے تھے تو حضرت (بہاء الدین زکریا) کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ہوا گرم تھی، موسم گرما تھا اور شدت کی گرمی تھی۔ ایک دن حضرت شیخ الاسلام غوث عالم اپنے مکان کے اندر تھے، سید جلال بخاری خانقاہ کے برآمدے پر بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے کہ بخارا کی برف اس گرمی میں کہاں مل سکتی ہے؟ اس وقت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) نے اندر سے ایک خادم کو حکم دیا کہ جماعت خانہ کی صفیں اٹھا لو اور صحن میں جھاڑو لگاؤ۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کرتا تھا کہ صفیں اٹھائی جائیں اور جھاڑو دی جائے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ نیلے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور یکبارگی (بادل) زیادہ ہو گیا اور یہ بادل خانقاہ کے علاوہ دوسری جگہ ظاہر نہ ہوا۔ ناگاہ بجلی کڑکی اور چمکی، بادل میں گرج پیدا ہوئی اور مرغ کے انڈے کے برابر خانقاہ کے صحن میں اولے برسے۔ یہاں تک کہ خانقاہ کا صحن ان اولوں سے بھر گیا۔ پھر بادل غائب ہو گیا، اور خانقاہ کے علاوہ ایک اولا بھی کسی دوسری جگہ نہ گرا۔ جب سید جلال بخاری نے یہ بات دیکھی تو حیران ہوئے۔ انہوں نے بہت سے اولے کھائے، اور کاموں میں لیے، برتن میں رکھ لیے اور ملتان کے لوگ ایک ایک کرکے تبرک کے طور پر لے گئے۔

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا، صفیں بچھائی گئیں اور حضرت شیخ الاسلام ظہر کی نماز کے لیے اپنی خلوت گاہ سے باہر تشریف لائے۔ انہوں نے سید جلال کو دیکھا

۱۔ سید جلال بخاری کے حالات کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۷۷ - ۸۲۔

اور مسکرا کر پوچھا کہ سید جلال الدین ! اب ملتان کے اولے بہتر ہیں یا بخارا کا یخ ؟ سید نے عرض کیا ملتان کا یہ ایک اولا بخارا کے برف سے سوگنا بہتر ہے[۱] ۔ اور اسی دن (سید جلال بخاری کو) خرقہ ملا ۔ کچھ دنوں سید مذکور (بخاری) کو اور اپنی صحبت میں رکھا ، معرفت کے اسرار سے ان کو بہرہ مند بھی کیا اور حضرت (زکریا ملتانی) نے اوچ میں سکونت کا حکم فرمایا[۲] ۔

شیخ فخر الدین عراق

ان کے مریدوں میں سے شیخ فخر الدین عراق ہیں ۔ ان کے مرید ہونے کا قصہ اس طرح ہے ۔ شیخ فخر الدین عراق شہریار حضرت شیخ الشیوخ (بہاء الدین زکریا) کے بھانجے تھے ، کامل دانشمند اور علوم منقول و معقول میں مشہور و ممتاز تھے ۔ ان کی سکونت ہمدان میں تھی ، وہاں انہوں نے ایک عالی شان مدرسہ بنوایا تھا، اس میں مصفا حوض بھی تھا، وہاں وہ درس دیا کرتے اور طلبہ کو فیض پہنچایا کرتے اور شیخ مذکور ایثار کرنے میں مشہور تھے ۔ ناگاہ کچھ قلندر ان کے مدرسے میں پہنچے ۔ ان کی بہت تعظیم کی اور کچھ دیر وہاں آرام کیا ۔ حضرت شیخ فخر الدین نے درویشوں کی دعوت کی۔ ان میں ایک شخص[۱۰۷] حسین و خوبصورت تھا ۔ شیخ مشار الیہ کی اس پر نظر پڑی اور پہلی نظر میں اس پر عاشق ہو گئے ، صبر ہاتھ سے جاتا رہا ۔ اس لڑکے کے عشق میں جو قلندری لباس میں تھا ، ان تمام قلندروں کو جن کے چہرے داڑھی مونچھ سے صاف اور دل مضطرب الحال تھے ، چند روز مہمان رکھا ، بار بار مختلف طریقے سے دعوتیں کیں اور درس و تدریس بالکل موقوف کر دی ۔ قلندر بھی اس بات سے باخبر ہو گئے ، اس جگہ سے چل دیے ، مسافرت اختیار کی اور خراسان کا راستہ لیا ۔

جب ہمدان سے ایک دو منزل نکل گئے تو شیخ فخر الدین ایسے بے قرار اور بے چین ہوئے کہ درویشوں کے پیچھے دوڑے اور ان سے جا ملے۔ جب ان نا اہلوں

---

۱ ۔ تاریخ فرشتہ ۲ : ۷۷۵-

۲ ۔ فخر الدین عراق (ف ۸ ذی قعدہ ۶۸۸ھ) ملاحظہ ہو نفحات الانس ص۳۹۲ - ۳۹۵ ، تذکرہ مرآۃالخیال ص ۶۴، میخانہ (عبدالنبی) ص ۳۲ - ۳۸، بزم صوفیہ ص ۱۵۳ - ۱۷۰

Persian Literature in the Indo-Pakistan Sub-continent p. 18

(قلندروں) نے اس زبدۃالاسلام (شیخ فخر الدین عراق) کو بے قرار پایا تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا اے مخدوم! آپ مرد بزرگ اور خوش باش ہیں اور ہم قلندر اوباش اور ابرو تراش ہیں - ہمارا آپ کا ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے اور انس و محبت کیسے ہو سکتی ہے - ہاں اگر ہمارا طریقہ اختیار کرو ، ہمارا سا لباس پہنو ، چار ابرو کا صفایا کراؤ تب ہماری صحبت میں رہ سکتے ہو - چونکہ دل ہاتھ سے جا چکا تھا ، مجبوراً یہ سب کچھ کیا ، چار ابرو کا صفایا کرایا، ان کا سا لباس پہنا - روز بروز اس کی محبت بڑھتی گئی اور پابندی زیادہ ہوتی گئی ، یہاں تک کہ سیر کرتے ہوئے خراسان سے ملتان کے حدود میں جا پہنچے اور شیخ الاسلام بہاء الحق کی خانقاہ میں پہنچ گئے - جب حضرت کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو انہوں نے ان میں سے فخر الدین عراق کو پہچان لیا اور کچھ ظاہر نہیں کیا -

دوسرے روز قلندر اور شیخ (عراق) ملتان سے چل دیے - حضرت شیخ نے ان کو بلوایا تاکہ اپنی کشش باطنی سے شیخ مذکور کو اس قید سے آزاد کرائیں اور اس بلا سے رہائی دلوائیں - جب یہ خبر ہوئی کہ وہ چلے گئے ، حضرت شیخ سوچ میں پڑ گئے - ناگہاں تیز ہوا چلی، بڑا غبار اٹھا، یہاں تک کہ اس ظلمت آمیز گرد سے دن میں اندھیرا ہو گیا اور اس راستے میں کہ جہاں قلندروں کی جماعت ساتھ ساتھ جا رہی تھی، ان میں سے ہر ایک متفرق ہو گیا اور شیخ فخر الدین پھر ملتان آ گئے اور بلا قصد حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گئے - حضرت کو نور باطنی سے معلوم ہو گیا کہ شیخ فخر الدین خانقاہ کے دروازے پر ہیں - ان کو اندر بلایا، (حضرت) اٹھے اور ان سے بغل گیر ہوئے - جب شیخ (عراق) کا سینہ قطب الاقطاب اور مرشد کامل (بہاء الدین زکریا) کے سینے سے ملا تو اس قلندر بچہ کا خیال جو ان کی خرابی کا سبب تھا ، بالکل ان کے دل سے جاتا رہا اور اس کی محبت کے بجائے خدائے لایزال کی محبت کامل طور پر ان کے دل میں پیدا ہو گئی - حضرت شیخ الاسلام نے اپنی عنایت اور لباس خاص سے مشرف کیا اور ایک حجرہ تجویز کر دیا کہ اس میں مشغول عبادت رہو - شیخ فخر الدین جب مرید ہو گئے[۱] [۱۰۸] اور ان کی صحبت میں رہنے لگے تو ان کے کمالات میں روز افزوں ترقی ہوئی - حضرت شیخ الاسلام اپنی نظر کرم سے ان کی تربیت فرماتے رہے، یہاں تک کہ اپنی

---

۱ - نفحات الانس ص ۲۹۳ -

دختر نیک اختر کو جو پارسائی اور تقویٰ میں رابعۂ عصر تھیں ، ان کے نکاح میں دے دیا ۔ وہ (شیخ عراقی) واصلان حق سے ہوئے ۔

فخر الدین عراقی قونیہ میں

کتاب لمعات (اس طرح) تصنیف ہوئی کہ حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) کی وفات کے بعد جب انہوں نے ملتان سے بیت اللہ کا ارادہ کیا اور وہاں سے روم پہنچے اور شہر قونیہ میں آئے تو وہاں شیخ محی الدین ابن عربی[1] کے خلیفہ شیخ صدر الدین قونوی[2] تھے ۔ کچھ عرصے تک ان کی صحبت میں رہے اور کتاب لمعات قونیہ میں تصنیف فرمائی اور وہاں سے انہوں (عراقی) نے ایک خط شیخ الاسلام صدر الدین عارف کو لکھا کہ جس میں عارفانہ کلمات و نکات تھے اور اس میں تحریر تھا کہ اب ہم کو ایک ایسے صوفی کی صحبت ملی ہے کہ جس کے یہ کلمات ہیں ۔ معلوم نہیں کہ حضرت (صدر الدین) نے کیا جواب لکھا ۔

جس زمانے میں شیخ فخر الدین عراقی قونیہ میں آئے تو پہلے شیخ نور الدین جندی کی صحبت میں پہنچے ۔ وہ بھی شیخ محی الدین ابن عربی کے بڑے مریدوں میں سے تھے ، ان کے ذریعے سے شیخ صدر الدین قونوی سے ملے اور ان کی صحبت میں رہ کر کتاب فصوص کا مطالعہ کیا ۔ جس طرح کتاب فصوص میں اٹھائیس فص (نگینہ) ہیں اسی طرح انہوں نے بھی لمعات میں اٹھائیس لمعے لکھے اور خاوری نے جو لمعات کا شارح ہے ، اپنی شرح میں لکھا ہے کہ شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں لکھی ہے ۔ چنانچہ خاوری[3] نے اپنی شرح میں یہ شعر لکھا ہے :

شعر

چہ در سنبل چہ در آہوئے تاتار　　　نسیمش نافہ مشک آورد بار

اگرچہ خاوری نے یہ بات لکھی ہے لیکن اہل نظر اور اصحاب بصیرت سے یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ لمعات ، فیض کے اس بادل کا ایک قطرہ ہے کہ جو

---

۱ ـ شیخ محی الدین ابن عربی المتوفی ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ (دیکھیے نفحات الانس ص ۳۵۶ - ۳۶۳) ۔

۲ ـ ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۶۳ - ۳۶۴ ۔

۳ ـ در نسخۂ اول صدر خاوری (ص ۲۴) ۔

حضرت شیخ الاسلام کے دریائے معرفت سے اٹھ کر ان کی روح میں ٹھکا اور انھوں نے اچھے قصیدے اور عمدہ مدح اس قطب وقت (بہاء الدین زکریا) کے اوصاف میں لکھی ہے جو ان کے دیوان میں موجود ہے -

حضرت مولانا جلال الدین رومی کی وفات کے بعد حضرت شیخ صدر الدین قولوی سے رخصت لے کر دمشق آئے اور وہاں انتقال فرمایا - ان کی قبر حضرت محی الدین ابن عربی کے پہلو میں واقع ہے - چنانچہ یہ فقیر (جامی) صالحہ میں جو دمشق کا ایک مشہور محلہ ہے ان دونوں بزرگواروں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا ہے - اس شہر کے بزرگ ان الفاظ سے ان دونوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ (ابن عربی) بحرالعرب ہیں اور وہ (عراق) بحرالعجم ہیں - شیخ اوحد الدین کرمانی کی قبر بھی اسی جگہ ہے -

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں شیخ فخر الدین ، شیخ الاسلام بہاء الدین کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کی دختر ان کے نکاح میں تھی، جب ان (بیوی) کا انتقال ہو گیا [۱۰۹] تو کچھ دنوں کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے سوچا کہ اپنی دوسری لڑکی سے جو اپنی بہن سے چھوٹی تھی ان کا نکاح کر دیں اور شیخ صدر الدین عارف سے فرمایا کہ بابا صدر الدین اس کام میں (تمھاری) کیا رائے ہے ؟ شیخ صدر الدین نے عرض کیا کہ میں نے ایک دن شیخ فخر الدین کو خانقاہ کے فرش پر کھڑے ہوئے دیکھا کہ کرتے کو اٹھا کر ہوا کر رہے تھے اور ہوا سے لطف اندوز ہو رہے تھے - جس شخص کو اس قدر حظ نفس ہو ، آپ کی لڑکی اس (شخص) کے نکاح میں آئے تو افسوس کی بات ہے -

صدر الدین احمد نجم الدین سید حسینی صاحب نزہۃ الارواح

صادق الاقوال کثیر الاعمال اور کامل الاحوال کا ذکر ملاحظہ ہو - برج سعادت کے ستارے سید صدر الدین احمد نجم الدین ہرات کے رہنے والے تھے، ان کا عرف سید حسینی ہے[۱] ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، کچھ نظم میں اور کچھ نثر میں . اور وہ تصنیفات اہل دل کو مرغوب ، مقبول اور محبوب ہیں . نثر میں نزہۃ الارواح و طرب المجالس اور نظم میں زادالمسافرین اور سرنامہ[۲] ہیں- دیوان کنزالرموز بھی ملتان میں

---

۱ - در نسخہ اول "سید حسین" (ص ۲۵) -

۲ - نسخہ اول (ص ۲۵) میں سرنامہ کا ذکر نہیں ہے-

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی صحبت میں تصنیف کیا ۔ حضرت سلطان بہاء الدین نے اس کا مطالعہ فرمایا اور بہت تعریف کی ۔ وہ سوالات جن کے جواب میں شیخ محمود تستری نے گلشن راز کتاب لکھی ہے وہ بھی سید حسینی کے ہیں ۔

وہ بہت عالی مرتبہ تھے، ان کے زمانے میں خراسان کے اطراف میں علم معرفت اور مشیخت میں کوئی ان کے مثل نہ تھا ۔ وہ بہت ریاضت اور عبادت کرتے تھے ۔ پہلی مرتبہ اپنے پدر بزرگوار سید نجم الدین کے ہمراہ بسلسلۂ تجارت ملتان آئے چونکہ ان کے والد تجارت کرتے تھے اور اس سے ان کی گزر اوقات ہوتی تھی اس مرتبہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں آئے لیکن مرید نہیں ہوئے۔ علمی مدارج میں باکمال تھے اور ملنے کی دل میں خواہش تھی۔ والد کے انتقال کے بعد اچانک ترک دنیا کر دی، جو کچھ بھی تھا اقرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور ملتان آ کر حضرت کے مرید ہو گئے ۔ انہوں نے تین سال تک حضرت کی خدمت میں رہ کر ریاضات شاقہ کیں اور حضرت کی صحبت کی برکت سے صاحب کرامت ہوئے ۔

ایسا سنا گیا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق سلطان شمس الدین التتمش کے زمانے میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے محضر کے قضیے میں دہلی پہنچے تو سید حسینی ان کے ہمراہ تھے اور وہ قضیہ حضرت جلال تبریزی کے ذکر میں لکھا گیا ہے ۔ ان (سید حسینی) کا مرقد منور شہر ہری (ہرات) میں ہے ۔ اس شہر کے لوگ پیر کے دن ان کی زیارت کو آتے ہیں اور مشرف ہوتے ہیں ۔ اس شہر کا حاصل ان کا راحت بخش مزار ہے کہ جو روح کو سکون بخشتا ہے [۱۱۰] ۔ جس زمانے میں یہ ضعیف (جمالی) دارالاسلام شہر ہری (ہرات) میں تھا ، مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی اور مولانا عبدالغفور لاری کے ہمراہ سید مذکور کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ میں نے ظہر اور عصر کی نماز وہاں پڑھی اور بہت کچھ فیوض اور راحت حاصل کی ۔ حضرت سید حسینی اپنا شہر دہلی میں آنا طرب المجالس میں لکھتے ہیں[1] ۔

---

۱ ۔ حضرت حسینی کے حالات کے لیے دیکھیے نفحات الانس ص ۳۹۵ و بزم صوفیہ ص ۱۷۱ - ۱۷۹ - صباح الدین عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ نفحات الانس میں ہے کہ حضرت امیر حسینی نے ۱۶ شوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی ۔ تذکرۂ دولت شاہ میں ←

شیخ حسن افغانؒ

حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) کے مریدوں میں شیخ حسن افغان ہیں ۔ حضرت شیخ (زکریا ملتانیؒ) بار بار زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کی جانب سے یہ آواز آئی کہ زکریا ! تو کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں[۱] ۔

یہ حکایت اور دوسرے مناقب حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء سے کتاب فوائد الفواد میں منقول ہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہ (حسن افغان) ایک عام آدمی تھے ، بے پڑھے بلکہ حروف آشنا بھی نہ تھے لیکن لوح محفوظ نے ان کے دل میں عکس ڈالا تھا ۔ کچھ لوگوں نے تین سطریں ایک کاغذ پر لکھیں ، ایک سطر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تھی ، اور دوسری سطر مشائخ کے اقوال کی تھی اور تیسری سطر قرآن مجید کی تھی ۔ (یہ تحریر) ان کے پاس لے گئے اور پوچھا کہ ان سطروں میں حدیث رسول کونسی ہے ، قرآن کونسا ہے اور اقوال مشائخ کونسے ہیں ۔ انہوں نے پہلی نگاہ میں اپنی انگلی قرآن کی سطر پر رکھ دی اور کہا یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے کہ اس کا نور عرش مجید تک ہے جس کو میں دیکھ رہا ہوں ۔ اس کے بعد انہوں نے حدیث کی سطر کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ حدیث مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اس کا نور ساتویں آسمان تک دیکھ رہا ہوں ۔ پھر قول مشائخ پر ہاتھ رکھا کہ یہ سطر مشائخ کے قول کی ہے کہ اس کا نور فلک قمری تک دیکھ رہا ہوں[۲] ۔ وہ (حسن افغان) کوہستان کے رہنے والے تھے کہ اس پہاڑ پر افغان رہتے ہیں اور اس پہاڑ کو کوہ سلیمان کہتے ہیں ۔

دیدار کعبہ

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ جس زمانے میں وہ (حسن افغان)

سال وفات ۷۱۹ھ ہے لیکن اودھ کے کتب خانے کے کیٹالاگر اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زادالمسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے :

در ہفت صد و بست و نہ ز ہجرت   گشت آخر ایں کتاب ختمت

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے (بزم صوفیہ ص ۱۷۳) ۔

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۱۳ ۔ ۱۵ ۔

۲ ۔ فوائد الفواد ص ۱۳ ۔ ۱۵ ۔

دہلی میں آئے تو ایک راستے سے گزر رہے تھے - وہ ایسا مقام تھا کہ جہاں بادشاہ مسجد کی بنیاد رکھوا رہا تھا - بڑے بڑے علماء وہاں حاضر تھے کہ باحتیاط تمام مسجد کی محراب کی بنیاد کعبہ کی سمت کو رکھیں - اس وقت علماء میں اختلاف رائے تھا ، بعض داہنی جانب کے بارے میں رائے ظاہر کر رہے تھے اور بعض بائیں جانب کا حکم فرما رہے تھے - اسی دوران میں حسن افغان وہاں پہنچ گئے تو علماء نے جو محراب کی گفتگو کر رہے تھے ، ان کی طرف رخ کیا - انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑا ، قبلہ کی جانب کھڑے ہوگئے اور انگلی سے بیت اللہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ دیکھو بیت اللہ تمہارے سامنے ہے [۱۱۱] - ان کی برکت سے کعبۃ اللہ سب کو دکھائی دے گیا - یہ دیکھنے کے بعد سب نے ان کے قدم پر سر رکھ دیے وہ وہاں سے چلے گئے[1] -

ایک امام کی پراگندہ خیالی

وہ مغرب کے وقت ایک مسجد میں پہنچے - امام جماعت کی نماز کے ساتھ کھڑا تھا - انہوں نے پہلی رکعت میں اس کی اقتدا کی - سلام پھیرنے کے بعد انہوں نے امام کا ہاتھ پکڑا اور ایک کونے میں لے گئے اور پوچھا کہ اے خواجہ ! ہم اس نماز باجماعت میں شامل تھے اور تمہارے مقتدی تھے - تم عین نماز میں دہلی سے ہندوستان گئے اور وہاں سے ایک غلام خرید کر ملتان لائے اور ملتان سے اس کو غزنین لے گئے ، تاکہ فروخت کرو - ہم تمہارے پیچھے پیچھے بلاوجہ حیران و پریشان گھومتے پھرے ، اس نماز کا کیا نام رکھیں - جس وقت خواجہ حسن مذکور نماز میں شامل ہوئے تھے ، امام کا خیال اسی قسم کا تھا کہ جو بیان کیا گیا[2] -

حضرت سلطان المشائخ شیخ الاسلام بہاءالحق والدین کی بزرگی و کشف و کرامت ایسی نہیں ہیں کہ جو دائرۂ تحریر و تقریر میں سما سکیں - اگر ان کے خلفاء اور مریدوں کے نام مکمل طریقے پر لکھوں تو ایک کتاب علیحدہ ہو جائے -

قباچہ بیگ حاکم ملتان

نقل ہے کہ جس زمانے میں سلطان شمس الدین التتمش دہلی میں بادشاہ ہوا ، سلطان قطب الدین ایبک نے سلطان شمس الدین مذکور کو آزاد کیا اور سلطنت کا

---

۱ - فوائد الفواد ص ۱۵ -
۲ - فوائد الفواد ص ۱۵ -

خلعت عطا فرمایا ، سرخ و سیاہ چتر مع خرگاہ ، جو سلطان معزالدین سام سے اس کو ملا تھا ، بخش دیا ، اس کو اپنا خاص ولی عہد بنایا اور وہ ترک جو شجاعت و مقابلہ میں ممتاز و سرفراز تھے ان کو اس کا تابع کیا ۔

قباچہ بیگ ایک ترک جلاد اور پہلوان تھا ، مزاج سخت رکھتا تھا ۔ اس کو بھی شہر اچہ اور قبۃ الاسلام ملتان ، حدود ٹھٹہ تک دے دیا اور سلطان شمس الدین مذکور کے تابع اور متعلق کر دیا کہ اس کے حکم سے وہ کبھی رو گرداں نہ ہو اور جس وقت کسی مصلحت یا مہم کا حکم دیا جائے تو بخوشی حاضر ہو ۔ قباچہ بیگ مذکور اکثر ملتان میں رہتا تھا ۔ سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین کو پوری قوت حاصل ہو گئی کہ وہ مرد عابد ، مجتہد اور خدا تعالیٰ کے اولیاء میں سے تھا اور بزرگ مشائخ کا منظور نظر بھی تھا ۔

التتمش کے ابتدائی حالات

مولانا سراج منہاج مؤلف طبقات (ناصری) سے منقول[۱] ہے کہ سلطان شمس الدین ایک نہایت نیک ترک تھا ۔ جب وہ قید ہوا تو اس کو خواجہ جمال الدین نے خرید لیا ۔ وہ اس کو غزنیں لایا چونکہ اس کے لائق اس کو وہاں کوئی خریدار نہ ملا لہذا وہ اس کو بخارا لے گیا اور وہاں سے وہ تجارت کی غرض سے بغداد[۲] پہنچے ، سلطان مذکور اس کے ہمراہ تھا ۔ خواجہ جمال الدین بخاری ایک کارواں سرائے میں مقیم ہوئے اور سلطان کو کھانا لینے کے لیے بازار بھیجا ۔

اس زمانے میں سلطان شمس الدین کی عمر پندرہ سال کی تھی [۱۱۲] وہ بہت خوبصورت اور نہایت نیک تھا ۔ ناگہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رح کی خانقاہ کے سامنے سے گزر ہوا ۔ سلطان کی ان پر نظر پڑی ۔ شیخ اوحد الدین کرمانی بھی ان کی خدمت میں حاضر تھے ۔ سلطان خانقاہ میں داخل ہوا جو رقم اس کے پاس تھی اس کو حضرت شیخ الشیوخ کے سامنے رکھ دیا اور دعا کی درخواست کی چنانچہ انھوں نے فاتحہ پڑھ کر یہ لفظ زبان مبارک سے ادا فرمائے کہ میں اس شخص کے چہرے پر سلطنت کے روشن انوار دیکھ رہا ہوں ۔ شیخ اوحد الدین نے بھی کہا کہ آپ کی برکت سے دنیاوی سلطنت میں اس کا دین سلامت رہے گا ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو طبقات ناصری (کابل اڈیشن) ۱ : ۴۳۹ - ۴۴۲ ۔
۲ ۔ متن میں ہند لکھا ہے جو صحیح نہیں ۔

شیخ الاسلام سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التتمش ان دونوں بزرگوں حضرت شیخ الشیوخ (سہروردی) اور شیخ اوحد الدین کرمانی کا منظور و مقبول ہے[1] ۔

قباچہ کی سرکشی

مختصر یہ کہ جب قباچہ نے اس کی سلطنت کی ترقی دیکھی اور سنی تو اس کو حسد پیدا ہوا ، اس نے چاہا کہ سلطان شمس الدین سے بغاوت کرے اور مخالفت و سرکشی پر آمادہ ہو جائے ۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کو جو درویشی کے آفتاب تھے اس بات کا انکشاف ہو گیا ۔ حضرت شیخ نے قباچہ کی فتنہ انگیزی اور مخالفت پر مشتمل خط سلطان شمس الدین کو بھیجا ۔ اس زمانے میں قبۃ الاسلام قاضی شرف الدین[2] ایک باعمل عالم اور دیندار کامل تھے ۔ انھوں نے بھی اسی مضمون کا خط سلطان (التتمش) کو روانہ کیا ۔ اتفاق سے یہ دونوں خط قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے ۔ قباچہ مذکور نے جب یہ خط دیکھے تو اسے سخت اشتعال ہوا اور غیظ و غضب کی آگ کا دھواں اس کے کاسۂ سر میں پہنچا اس نے اپنے دربار میں طلبی کا حکم جاری کیا اور حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) اور قاضی کو طلب کیا ۔ جب وہ پہنچے تو حضرت اس کی سیدھی جانب بیٹھے اور قاضی (شرف الدین) کو اس نے اپنے سامنے بٹھایا ۔ ان (قاضی) کا خط کھولا اور ان کے ہاتھ میں دے دیا ۔ قاضی نے پڑھا اور خاموش ہو گئے ۔ اس وقت اس نے جلاد بے انصاف کو حکم دیا اور اس نے چشم زدن میں ان کی گردن اڑا دی اور ایک پاک مسلمان کے خون سے خدا کی زمین کے فرش کو رنگین کر دیا ۔ اس کے بعد دوسرا خط حضرت شیخ کے دست مبارک میں دیا ۔ جب حضرت نے اپنا خط دیکھا تو فوراً فرمایا کہ ہاں یہ خط میرا ہے ۔ جو کچھ میں نے اس میں لکھا ہے وہ حکم خدا سے لکھا ہے ۔ تو کیا کر سکتا ہے ؟ جب حضرت شیخ نے یہ الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا کیے تو قباچہ مذکور نے اپنا سر جھکا لیا اور نہایت معذرت کے ساتھ

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۳۵۸ ۔

۲ ۔ درنسخۂ اول (ص ۲۸) شرف الدین اصفہانی ، فوائد الفواد (ص ۲۰۶) میں قاضی ملتان کا نام نہیں دیا ہے ۔

حضرت شیخ الاسلام کو رخصت کر دیا ۔

پیش اہل اللہ وجود و عدم دنیا مساوی

نقل ہے کہ (شیخ بہاء الدین زکریا) ایک روز اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے ۔ خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور وہ صندوق لے آؤ کہ جس میں پانچ ہزار سرخ (دینار) ہیں [۱۳] ۱ خادم خزانے کی طرف گیا ۔ خزانے کا سامان ادھر ادھر کیا ، اس صندوق کا کوئی نشان نہیں دیکھا ۔ جب وہ صندوق نہیں ملا تو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا کہ وہ صندوق تو موجود نہیں ہے ۔ حضرت شیخ نے کچھ دیر تأمل کیا ۔ آنکھیں کھولیں اور فرمایا الحمد للہ ۔ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خادم نے حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی ؒ) کو اطلاع دی کہ فلاں صندوق جو اس روز نہیں ملا تھا اب کچھ سامان کے نیچے مل گیا ہے ۔ حضرت شیخ نے اس طرح کچھ دیر غور فرمایا اور زبان مبارک سے الحمدللہ کہا ۔ خادم مذکور کو صندوق لینے کے لیے بھیجا اور حاضرین مجلس سے لطیف انداز میں فرمایا کہ دونوں حالتوں میں الحمد للہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ اہل اللہ کے سامنے دنیا کا وجود و عدم برابر ہے ۔ اس کے جانے کا کوئی غم نہیں اور نہ اس کے آنے کی کوئی خوشی ۔ اس کے بعد وہ پانچ ہزار دینار مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیے اور اس پر اپنی توجہ نہیں کی ۔

کوزہ ہائے پرنقرہ با غلہ بخشیدم

سنا گیا ہے کہ والیٔ ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی ۔ اس زمانے میں غلہ بہت گراں تھا اور بڑی قیمت میں ملتا تھا ۔ اس نے حضرت شیخ سے غلہ کی درخواست کی ۔ حضرت نے ایک انبار اس کو عطا فرما دیا ۔ جب والیٔ مذکور نے غلے کا انبار اٹھوانا شروع کیا تو اس انبار سے چاندی کے تنکوں سے بھرے ہوئے سات کوزے نکلے ۔ والیٔ ملتان نے شیخ الاسلام (زکریا ملتانی ؒ) کو اطلاع دی کہ حضرت شیخ نے ہم کو غلہ مرحمت فرمایا تھا، نہ کہ رقم سے بھرے ہوئے کوزے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھ کو ان چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے کوزوں کا حال معلوم تھا ۔ میں نے یہ بھی تم کو غلہ کے ساتھ دے دیے ۔ سبحان اللہ کیسے عالی

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۲۰۶ ۔ ۲۰۷ ۔

ہمت تھے کہ دنیا کی طرف مطلق نظر نہ تھی - جس کسی کو جو کچھ انعام میں دیتے پورے طور سے دیتے تھے -

مجلس سماع

نقل ہے کہ عبداللہ نامی ایک خوش گلو اور خوش کلام قوال روم کی طرف سے ملتان پہنچا اور حضرت مخدوم المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا کی قدم بوسی سے مشرف ہوا - اس نے عرض کیا کہ میں حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے مشرف ہو چکا ہوں اور حضرت نے میرے خوش گلو ہونے کی وجہ سے سماع میں شرکت فرمائی ہے - اس وقت شیخ الاسلام بہاء الدین نے فرمایا کہ چونکہ حضرت شیخ نے سنا ہے، زکریا بھی سنے گا - اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ عبداللہ کو، اس کے ان دونوں دوستوں کے ہمراہ جو اس کے ساتھ ہیں، فلاں حجرے میں لے جاؤ اور بٹھاؤ - یہ حکم عشاء کی نماز کے بعد دیا تھا - خادم مذکور نے حکم کی تعمیل کی - ایک پہر رات گزرنے کے بعد حضرت شیخ حجرے میں تشریف لے گئے - وہاں بیٹھے قرآن شریف کے دو سیپارے نہایت لطیف مخرج اور انداز سے تلاوت فرمائے - پھر سماع کا حکم دیا - عبداللہ نے جب آواز نکالی تو اس شعر کو بار بار پڑھا

مستان کہ شراب ناب خوردند   از پہلوئے خود کباب خوردند [۱۱۴]

حضرت شیخ نے سر ہلایا ، اٹھے اور اس حجرے میں جو چراغ جل رہا تھا اس کو گل کر دیا - عبداللہ مذکور کا بیان ہے کہ جب حضرت ہمارے نزدیک آئے تھے تو ہم ان کے کرتے کا دامن دیکھتے تھے اور کچھ نہیں جانتے تھے کہ ان کے وجد کی کیا کیفیت تھی اور کس انداز پر تھا - کچھ دیر کے بعد حضرت حجرے سے باہر چلے گئے، ہم اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ اسی حجرے میں رہے - جب صبح ہوئی تو حضرت کا خادم ایک پر تکلف خلعت اور چاندی کے بیس تنکے لایا کہ حضرت شیخ نے انعام دیا ہے -

عبداللہ مذکور ملتان سے قصبہ اجودھن میں آیا اور ملک المشائخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا - کچھ دنوں ان کی خدمت میں رہا اور وہاں سے دہلی آیا - حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ میں نے اس عبداللہ کو دیکھا ہے - وہ دہلی سے پھر اجودھن پہنچا اور اپنا چہرہ حضرت فرید الدین گنج شکر کے پائے مبارک پر ملا - چند روز کے بعد حضرت سے اجازت چاہی کہ پھر ملتان جائے اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے دعا کا خواستگار ہوا کہ ملتان کی طرف

ڈاکوؤں کا بہت خوف ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ میں سلامتی سے وہاں پہنچ جاؤں۔

تقسیم حدود ولایت مابین بابا فرید اور زکریا ملتانی

شیخ نے فرمایا کہ یہاں سے فلاں مقام تک میرا تعلق ہے اور فلاں حوض سے آگے شیخ بہاء الدین زکریا کی حد ہے اور ان سے تعلق ہے۔ غرض جب عبداللہ رومی اس حوض کے نزدیک پہنچا کہ جہاں ملتان کی سرحد تھی تو حوض کی طرف سے ننگی تلواریں لے کر ڈاکو آ گئے۔ جب عبداللہ نے یہ فتنہ بالمشافہ دیکھا تو وہ خوف زدہ ہوا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اسے موت نظر آنے لگی۔ اس وقت اس کو حضرت فرید الدین گنج شکر کی وہ بات یاد آئی جو انہوں نے رخصت کے وقت فرمائی تھی کہ فلاں حوض سے ملتان کی سرحد ہے۔ اس نے دل میں کہا کہ قصبہ اجودھن سے اس جگہ تک کا سارا علاقہ فرید الدین گنج شکر سے متعلق ہے ان کی دعا کی برکت سے ہم یہاں تک سلامت پہنچے۔ یا حضرت سلطان المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی! مدد کیجیے اور اس غول کو مجھ غریب کے سر سے دفع فرمائیے کہ یہ علاقہ آپ کی حمایت میں ہے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چور جو ظاہر ہوئے تھے دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔

چند روز کے بعد جب عبداللہ حضرت (بہاء الدین زکریا) کی قدم بوسی کے لیے گیا تو وہ سرخ لوئی کا کمبل جو شہر ناگور میں بنا جاتا ہے اوڑھے ہوئے تھا۔ جب حضرت شیخ نے اس کو دیکھا تو فوراً فرمایا کہ سرخ کمبل کیوں اوڑھے ہوئے ہے۔ یہ شیطان کا لباس ہے۔ بتقاضائے بشریت، عبداللہ کو یہ بات نا گوار ہوئی [۱۱۵] کچھ بے ادبی کی بات اس کی زبان سے نکلی کہ لوگوں کے قبضے میں بے انتہا خزانے ہیں، ان پر نظر نہیں ڈالتے۔ ایک پرانا کمبل جو نصف تنکے میں خریدا جا سکتا ہے، اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے سمجھا کہ وہ دائرہ تہذیب سے باہر جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ! ہوش میں آ، زبان بند کر اور اس مصیبت کو یاد کر جو چوروں کی وجہ سے اس حوض پر آئی تھی۔ کیا اس چھٹکارے کا سبب زکریا نہ تھا۔ جب عبداللہ نے یہ بات سنی تو اس نے استغفراللہ کہا۔ اپنا چہرہ زمین پر ملا اور اپنا سر حضرت شیخ کے قدموں پر رکھ دیا۔

تفسیر عمدہ

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میں نے

مولانا صدر الدین قونوی[1] سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ میں مولانا نجم الدین سنانی کے پاس تھا۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس کام میں مشغول رہتے ہو۔ میں نے کہا کہ تفسیر کے مطالعہ میں۔ کہا کون سی تفسیر؟ میں نے کہا کشاف[2] ایجاز، عمدہ۔ مولانا نجم الدین نے کہا کشاف و ایجاز[3] دونوں کو جلادو صرف عمدہ[4] رکھو۔ مولانا صدر الدین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ایسا کیوں کہتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ حضرت شیخ بہاء الدین نے ایسا ہی کہا ہے۔ مولانا صدر الدین نے کہا کہ مجھ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ جب رات ہوئی تو میں ان تینوں کتابوں کو چراغ کی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ ایجاز و کشاف دونوں نیچے تھیں اور عمدہ ان دونوں کتابوں کے اوپر۔ اسی دوران میں میں سو گیا۔ ایک شعلہ پیدا ہوا، میں جاگ گیا۔ کشاف و ایجاز دونوں جل گئیں، عمدہ سلامت رہی۔

خواجہ کمال الدین مسعود شروانی

مولانا حسام الدین حاجی سے نقل ہے کہ جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے کہ خواجہ کمال الدین مسعود شروانی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے متوسل اور مخلص تھے [اور بہت مشہور تاجروں میں سے تھے۔ جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ جس زمانے میں وہ جزیرہ جرولی سے عدن کے لیے جہاز پر

۱۔ در نسخہ اول (ص ۳۱) صدر الدین بوئی۔

۲۔ مصنف کا نام جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الخوارزمی الزمخشری ہے (پیدائش ۲۷ رجب ۴۶۷ھ۔ انتقال ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ع) مدرس، مبلغ اور مصنف تھے۔ زمخشری عملاً اور فقہاً تو حنفی تھے مگر عقیدتاً مائل الی الاعتزال تھے۔ بعض متقدمین علماء نے اس تفسیر کو عقائد اسلام کے خلاف قرار دیا ہے مگر علمی اور فنی اعتبار سے کشاف کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ المفسرین ۱ : ۱۰۵ - ۱۰۶ - لباب المعارف العلمیہ ص ۱۶، الفوائد البہیہ ص ۲۰۹۔

۳۔ ایجاز البیان فی معانی القرآن مؤلفہ نجم الدین ابوالقاسم محمود بن ابوالحسن نیشاپوری۔ یہ کتاب دس ہزار سے زیادہ فوائد پر مشتمل ہے
(کشف الظنون ۱ : د ۲۰)

۴۔ حاجی خلیفہ چلپی نے کشف الظنون (۲ : ۱۱۶۹) پر عمدۃ التفاسیر کا نام دیا ہے مگر اس کی کوئی مزید تفصیل بیان نہیں کی۔

سوار ہوئے[۱]، ان کی تھیلی میں کچھ قیمتی جواہرات تھے ۔جب وہ عدن کے نصف راستے پر تھے کہ اچانک سمندر میں مخالف ہوا پیدا ہوئی اور جہاز ٹوٹ گیا ۔ لوگ موت کے تہلکے میں پڑ گئے اور قریب تھا کہ وہ جہاز غرق ہو جائے ۔ اس مقام پر خواجہ کمال الدین مسعود نے نہایت عاجزی سے حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) کی طرف توجہ کی اور مدد کے لیے زبان کھولی کہ اے پیر دستگیر تشریف لائیے ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس عجز و نیاز کے وقت خواجہ مذکور نے حضرت سلطان المشائخ (زکریا ملتانی) کو جہاز میں موجود پایا۔ جہاز کے تمام مسافروں نے ان کی روحانی مدد کو آنکھوں سے دیکھا ۔ سلطان المشائخ نے ان سب کو شاداں و فرحاں کیا اور چشم زدن میں نظروں سے غائب ہوگئے۔ ہوا نے سمندر کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا اور جہاز کو سکون ہو گیا ۔ [۱۱۶] سب صحیح و سلامت عدن پہنچ گئے ۔

تمام بڑے بڑے تاجروں نے اپنا ایک تہائی مال خواجہ کمال الدین شروانی کے پاس شکرانے کے طور پر پیش کیا اور بڑی عاجزی سے یہ عرض کیا کہ اس کو جس طرح تم مناسب سمجھو حضرت شیخ کے آستانے پر پہنچا دو۔ خواجہ مذکور نے وہ مال لیا اور ان جواہرات میں سے جو ان کی تھیلی میں تھے نصف جواہرات شکرانے کی نیت سے علیحدہ کیے ۔ کچھ عرصہ کے بعد خواجہ فخر الدین گیلانی کی معرفت کہ جو خواجہ کمال الدین مسعود شروانی کے جواہر دار[۲] تھے (وہ سارا مال) حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج دیا ۔ ان فخر الدین گیلانی نے حضرت کو سوائے اس جہاز کے جب کہ شیخ شکستہ نواز (بہاء الدین زکریا ملتانی) مثالی صورت میں ظاہر ہوئے تھے ، اور کہیں نہیں دیکھا تھا ۔ جب وہ ان کی خدمت میں پہنچے تو حضرت کو اسی صورت اور لباس سے پہچان لیا ، ان کی عقیدت و محبت ہزار گنی ہو گئی اور وہ نذرانہ جو خواجہ کمال الدین اور تمام تاجروں کی طرف سے لائے تھے ، حضرت شیخ الاسلام کے حضور میں پیش کیا ۔ حضرت نے وہ سارا سال و نقد قبول کیا اور نظر کرم فرمائی ۔

---

۱ ۔ قوسین کی عبارت نسخۂ اول (ص ۳۲) میں نہیں ہے ۔
۲ ۔ در نسخۂ اول (ص ۳۲) خواہر زادہ (بھانجا) ۔

خواجہ فخر الدین کو ہدایت

کہتے ہیں کہ تقریباً سات لاکھ تنکے کا وہ سارا سامان و اسباب تھا ، حضرت شیخ نے دن بھر میں وہ تمام جواہرات اور نقدی مخلوق خدا میں تقسیم کر دی۔ خواجہ فخر الدین نے جب یہ صورت حال دیکھی تو حیران رہ گئے ۔ جو کچھ مال ومتاع ان کے پاس تھا ، انھوں نے وہ بھی حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ تمام مال و اسباب سے جو ملکیت میں تھا چند دن میں دستبردار ہو گئے اور انھوں نے دنیا ترک کر دی ۔ فخر الدین کا سامان اس نذرانے سے دو چند تھا ۔ حضرت شیخ الاسلام نے چند دن میں وہ سارا سامان بھی تقسیم کر دیا ، خواجہ مذکور مرید ہو گئے ، ان کو خرقۂ خلافت ملا اور واصلان حق میں سے ہوئے ۔

تقریباً پانچ سال تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہے [اور اکثر اوقات ملک العارفین حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں رہتے تھے جو حضرت شیخ الاسلام کے فرزند ارجمند تھے][1] اس کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ چلے گئے ۔ جب وہ جدہ پہنچے تو رحمت حق سے جا ملے اس زمانے میں ان (خواجہ فخر الدین گیلانی) کے مقبرے کی زیارت کے لیے کہ جو جدہ میں دریا کے کنارے واقع ہے اکثر لوگ آتے ہیں اور نذرانہ و شکرانہ پیش کرتے ہیں ۔

عبدالقادر موصلی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول[2] ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے واپس ہوئے تو راستے میں ایک مقام پر پہنچے اور ایک مسجد میں قیام کیا ۔ اس مسجد میں کچھ جوالق پوش (گدڑی پوش) قلندر بھی کہ یہ لباس [۱۰۱ء] (جوالق پوشی) حضرت سید جمال مجرد ساؤجی کا ہے، اس مسجد میں آئے جب رات ہوئی تو حضرت شیخ عبادت میں مشغول ہو گئے ۔ کچھ دیر کے بعد جب عبادت سے فارغ ہوئے اور مراقبے سے آنکھ کھولی تو ان کی نظر مبارک قلندروں پر پڑی ، دیکھا کہ ایک قلندر کے جسم سے ایک نور سورج کی طرح آسمان کی طرف روشن

---

۱ ۔ قوسین کی عبارت نسخۂ اول (ص ۳۳) میں نہیں ہے ۔

۲ ۔ خیر المجالس ص ۱۳۱ ۔

اور بلند ہے - حضرت شیخ کو تعجب ہوا کہ اس لباس اور صورت میں ایسا نور ! اس کی کیا اصلیت ہو سکتی ہے - وہ آہستہ سے ان قلندروں کے پاس پہنچے اور (اس قلندر سے) کہا کہ اے مرد خدا ! اس کم بخت قوم میں تو کیا کرتا ہے؟ قلندر نے کہا کہ اے زکریا ! تو جانتا ہے کہ ہر قوم میں عام و خاص ہوتے ہیں کہ اس قوم کے عوام کی ان خواص کی بدولت بخشش ہوتی ہے - اس حقیر (جمالی) کو دوسری جگہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب قلندر نے اس طرح کی گفتگو کی تو حضرت نے کچھ دیر تامل فرمایا اور اپنی باطنی قوت سے اس کو اس لباس اور اس بدعت سے جس میں وہ مبتلا تھا ، آزاد کیا اور اپنے خرقۂ خاص سے مشرف کیا - چند روز تک اپنی صحبت میں رکھا - بہت سی کرامتیں اور اسرار (عارفانہ) اس کو مرحمت فرمائے - وہ سید تھا اور ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ ، سید عبدالقدوس نام ، موصل کا رہنے والا تھا - اس پر جذب و سکر کا غلبہ ہوا - جب موصل سے (نکلا) تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و سلم کی زیارت اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوا - واپسی کے وقت وہ مصر پہنچا اور وہاں سے دمیات کے علاقے میں آیا - اس نے حضرت جمال مجرد کے مقبرے پر بابا احمد اندبوسی سے قلندروں کا لباس پایا -

بابا احمد الدبوسی

اندبوس سرزمین افریقہ میں ایک شہر ہے ، چنانچہ جب راقم الحروف (جمالی) افریقہ پہنچا تو شہر اندبوس میں پانچ مہینے تک رہا - احمد جوالق پوش ، حضرت سید جمال مجرد ساؤجی کے خدام (مریدوں) میں سے ایک خادم (مرید) تھے - دمیات میں جہاں سید جمال کا روضہ ہے ان کا تکیہ تھا - چنانچہ یہ فقیر (جمالی) جس زمانے میں انبیاء علیہم السلام کی زیارت کے لیے دارالسلام مصر پہنچا تو سات مہینے وہاں رہا اور وہاں سے حضرت سید جمال مذکور کی زیارت کے لیے دمیات پہنچا اور پندرہ روز اس متبرک مقام پر رہا -

سید جمال ساؤجی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اپنی کتاب خیرالمجالس میں فرماتے ہیں کہ سید جمال ساؤجی ایک مدت تک مصر میں مفتی رہے - اہل مصر ان کو کتاب خانۂ رواں (چلتا پھرتا کتاب خانہ) کہتے تھے - جو استفتاء مشکل ہوتا تھا وہ اس کا

جواب دیتے تھے اور ہرگز کسی کتاب کو نہیں دیکھتے تھے[1]۔ ناگاہ ان پر ایسا جذبہ اور حال طاری ہوا کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر قبرستان میں چلے گئے اور قبلہ کے مقابل متحیر و دیوانہ وار آنکھیں آسمان سے لگائے ہوئے بیٹھ گئے۔ مصر میں ایک عالم تھے، جب ان کو خبر ہوئی کہ سید جمال الدین ساؤجی کی ایسی حالت ہو گئی ہے کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر اور تارک صلواۃ ہو کر بے ہوش و مبہوت بیٹھے ہیں تو وہ عالم [۱۱۸] جو مصر کے ملک العلماء تھے، علمائے ظاہر کی ایک جماعت کے ہمراہ مصر سے ان کی عیادت کے لیے گئے۔ انہوں نے حضرت جمال کو اس حال میں دیکھا تو حکم دیا کہ رانگ گرم کر کے ان کے حلق میں ڈالو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔

جس زمانے میں یہ احقر الانام (جمالی) اس مقام مقدس پر پہنچا، تو میں نے اسی علاقے کے اکابر و اخیار سے کہ جو معتبر لوگ تھے یہ سنا کہ حضرت سید جمال ایک عرصے تک مصر میں رہے۔ وہ بہت خوبصورت اور نہایت باکمال تھے چنانچہ اہل مصر صاحب جمال ہونے کی وجہ سے ان کو یوسف ثانی کہتے تھے اور جس طرح زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہو گئی تھیں اسی طرح مصر کے امراء میں سے ایک رئیس کی بیوی جو وہاں بہت مشہور تھا حضرت کے حسن پر فریفتہ ہو گئی اور اکثر ان کے حالات (عبادت) میں خلل انداز ہوتی تھی۔ ہر وقت وحشت بڑھتی تھی چنانچہ سید مذکور آدھی رات کے وقت مصر سے فرار ہو کر مقام دمیاط پہنچے کہ جو وہاں سے سات آٹھ روز کی مسافت پر ہو گا۔ اس زمانے میں وہ مقام حضرت یوسف[2] کے وقت سے ویران تھا۔ وہ وہاں گوشہ نشین ہو گئے، کچھ دن کے بعد اس مضطربہ حال عاشق عورت کو اطلاع ملی، ان کے پیچھے وہ بھی چلی چنانچہ یہ خبر حضرت سید کو ملی تو وہ پریشان ہو گئے اور دعا کی کہ اے پروردگار یہ حسن جو میرے لیے فتنہ بن گیا ہے اس کو تبدیل کر دے کہ کسی کی رغبت میری طرف نہ ہو (اس دعا کے بعد) جب انہوں نے اپنے دست مبارک چہرے پر ملے تو ان کی مونچھیں، داڑھی اور بھویں سب گر گئیں۔ آپ نے اس عورت کو جو ان کی عاشق تھی اپنے پاس بلایا۔ جب اس عورت نے یہ خبر سنی تو بے سروپا ان کی طرف دوڑی۔ جب سید مذکور کو اس حال میں دیکھا تو ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سید نے

۱۔ خیر المجالس ص ۱۳۱۔

اس (صورت) سے رہائی پائی ۔ حضرت سید کی رحلت کے بعد جو درویش ان کا قائم مقام ہوا اس نے داڑھی ، مونچھ اور ابرو منڈوا ڈالیں اور وہی صورت اور لباس اختیار کیا ۔

بابا عبدالقدوس کا مرقد

مختصر یہ کہ جب سید عبدالقدوس کو حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق نے اس لباس اور صورت سے نجات دلائی تو فرمایا کہ بابا عبدالقدوس ! سید جمال نے اپنی داڑھی (مونچھ) اور بھویں اپنے اختیار سے صاف نہیں کرائی تھیں بلکہ وہ از خود گر گئی تھیں ، سید عبدالقدوس مذکور بھی حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے مخصوص مریدوں میں سے تھے ، اور سید مذکور جذبہ حال کے مالک تھے ۔ وہ ہمیشہ استغراق و سکر کی حالت میں رہتے تھے ۔ حضرت شیخ الاسلام ان کو اس حالت سے ہوش میں لاتے ۔ یہ اہل تمکین کا درجہ ہے ان کا مقبرہ متبرکہ قصبہ نائن میں ہے ، جو یزد اور اردستان کے درمیان میں واقع ہے ۔ یہ حقیر (جمالی) بھی وہاں پہنچا ہے اور اپنا چہرہ ان کے مرقد پر ملا ہے۔ اس ملک کے رہنے والوں نے ان کے مزار کو زیارت گاہ بنا لیا ہے [۱۱۹] ۔

ختم کلام اللہ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء بداؤنی سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت شیخ الاسلام اپنے خلفاء کے درمیان بیٹھے تھے ، حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے کہ نماز دوگانہ کی پہلی رکعت میں قرآن مجید ختم کرائے ۔ ان میں سے کسی نے اس بات کی طرف توجہ نہ کی ۔ اس وقت حضرت شیخ مشار الیہ آگے بڑھے ، پہلی رکعت میں قرآن ختم کیا ، دوسری رکعت میں چار سپارے اور پڑھے اور سلام پھیر کر نماز ختم کی ۔ حضرت فرماتے تھے کہ اہل حال مشائخ کے اوراد و اعمال میں سے جو کچھ مجھ کو ملا خدا تعالیٰ نے اس کو پورا کرنے کی مجھ کو توفیق عطا فرمائی مگر ایک چیز جو مجھ کو فلاں بزرگوار سے عطا ہوئی تھی ۔ وہ بزرگوار آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک ختم کلام اللہ کر لیا کرتے تھے ۔ میں چاہتا ہوں کہ صبح صادق کے وقت سے نماز کے وقت تک قرآن ختم کر لیا کروں مگر یہ بات مجھ کو حاصل نہیں ہوئی ۔ ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر چار سیپارے باقی رہ جاتے ہیں ۔ اس احقر الانام (جمالی) نے حضرت شیخ پیر دستگیر بہاء الحق والدین سے اسی طرح سنا ہے کہ حضرت کی یہ عادت تھی

کہ نماز تہجد سے فارغ ہونے کے بعد نماز فجر کی سنتوں کے وقت تک کلام اللہ ختم کر لیا کرتے تھے ۔

نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام جس شخص کو مرید کرتے تھے تو بیعت کے وقت اور نصیحتوں سے پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو تو مجھ کو اپنا پیر سمجھنا اور ہر دروازے پر ہر شخص کے پاس نہ جانا۔ ایک دروازہ پکڑنا چاہیے اور مضبوطی سے پکڑنا چاہیے ۔

حدیث نبوی کا مفہوم

کہتے ہیں کہ ایک دن ایک آوارہ مزاج مسافر حضرت شیخ الاسلام بہاءالحق والدین کی ملاقات کے لیے آیا۔ سلام کیا اور بیٹھ گیا، حضرت شیخ نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور کھانے کی قسم سے بھی کچھ اس کے سامنے نہ رکھا ۔ مسافر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ

من زار حیا و لم یذق منہ شیا فکانما زار میتا	جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور وہاں کچھ کھایا پیا نہیں تو گویا وہ کسی مردے سے ملا ۔

حضرت شیخ اس حدیث پر کیوں عمل نہیں فرماتے ۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مخلوق دو قسم کی ہے ، عام اور خاص ۔ مجھے عام لوگوں سے سروکار نہیں ہے لیکن جب خاص لوگ میرے پاس آتے ہیں تو اپنے حالات کے مطابق مجھ سے فیض یاب ہوتے ہیں اور فروغ حاصل کرتے ہیں ۔ حدیث کے یہ معنی ہیں ۔

تعبیر خواب

نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ایک دن خانقاہ میں بیٹھے تھے ۔ ایک سپاہی آیا اور عرض کیا کہ میرے مخدوم ! میں نے ایسا خواب دیکھا ہے ، اس کی کیا تعبیر ہے ؟ حضرت شیخ نے اس سے فرمایا کہ جا توبہ کر ، تیری موت قریب ہے ۔ چند روز کے بعد ایک صوفی نے عرض کیا کہ میں نے بھی اسی سپاہی کی طرح خواب دیکھا ہے ۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے ؟ [۱۲۰] حضرت شیخ نے تامل کیا اور فرمایا وہ ایک لشکری تھا ، مارا گیا ۔ تجھ سے نماز یا وظائف ترک ہو جائیں گے ۔ وہ بھی موت کی مثل ہیں ۔ جیسا حضرت شیخ نے فرمایا تھا ، ویسا ہی ہوا ۔

قلندروں کی گستاخی

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء بدایونی سے نقل ہے کہ ایک دن حضرت

شیخ الاسلام بہاء الحق والدین زکریا اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے ۔ قلندروں کا ایک گروہ جو گدڑیاں پہنے ہوئے تھا ، خانقاہ میں داخل ہوا اور ان سے کچھ طلب کیا ۔ حضرت شیخ کو اس قوم سے سخت نفرت تھی ، کسی چیز کا حکم نہیں دیا ۔ قلندر اٹھے اور انھوں نے نامناسب الفاظ جو ان کی زبان پر آئے ، حضرت کو کہے اور جنگ و فساد کے لیے آمادہ ہو گئے ۔ یہاں تک کہ انھوں نے ہاتھوں میں اینٹ پتھر لے لیے ۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دیں ۔ خادم نے ایسا ہی کیا ۔ جب اس ناپاک قوم نے یہ دیکھا تو خانقاہ کے دواڑوں پر اینٹیں مارنی شروع کر دیں ۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام نے تامل کیا اور فوراً فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ کھول دیں ۔ میں اس جگہ پر حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین کا بٹھایا ہوا ہوں ، میں خود نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے حضرت کے حکم سے دروازہ کھول دیا ۔ چشم زدن میں ہر قلندر نے زمین پر سر رکھ دیا ۔ وہ ترساں و لرزاں اس حرکت سے باز رہے ۔ انھوں نے کیا دیکھا خدا بہتر جانتا ہے ۔

شیخ زندہ سجستانی

نقل ہے کہ حضرت کے مریدوں میں سے ایک شخص لاہور میں رہتے تھے ۔ بہت صاحب کمال اور اہل حال تھے ۔ ان کو شیخ زندہ سجستانی کہتے تھے ۔ انھوں نے عید کے دن نماز کے بعد آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا کہ اے خدا ! عید کا دن ہے ، ہر بندہ اپنے آقا کے سامنے ہاتھ بڑھاتا ہے اور عیدی چاہتا ہے ۔ مجھ کو تو اپنے خزانے سے عیدی عنایت فرما ۔ جب یہ بات ختم ہوئی تو اسی وقت دیکھا کہ ایک ریشمی کپڑا جو خط سبز میں تحریر تھا ، اترا اور ان کے ہاتھ میں آ گیا ۔ اس میں تحریر تھا :

> ''ہم نے دوزخ کی آگ تجھ پر حرام کی اور تجھ کو تکلیف اور گرمی سے نجات دی ۔''

جب حاضرین نے یہ حال دیکھا تو سب نے بطور تبرک ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا ۔ اسی دوران ہیں ان کے مخلصین میں سے ایک شخص جو ان کا معتقد تھا ۔ ان کی جانب متوجہ ہوا اور عرض کیا کہ اے شیخ ! تم نے خدا کی بارگاہ سے عیدی پائی ، اب تم مجھے عیدی دو ۔ جب حضرت شیخ زندہ نے یہ بات سنی تو فوراً وہ ریشمی ٹکڑا اپنی بغل سے نکالا اور اس کو دے دیا اور کہا یہ تیری عیدی ہے ۔ کل میں جانوں اور دوزخ ، سبحان اللہ ! حضرت کے مریدوں کا یہ حال و کمال

تھا۔ اس سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ حضرت کا کیا مرتبہ ہوگا؟

نان ثرید کی فضیلت

حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین بدایونی سے نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین آخر (عمر) میں اول (عمر) کی طرح مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے، باورچی خانے میں مختلف قسم کے کھانے پکواتے اور گونا گوں نعمتیں ان کے دستر خوان پر موجود ہوتیں [۱۲۱] اور ہر مہمان کے ساتھ کھاتے۔ گویا

کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا: پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو

ان کی شان میں ہے۔ جس کسی کو دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی نعمت رغبت کے ساتھ کھاتا ہے تو خوش ہوتے۔ ایک دن کچھ درویش موجود تھے، دستر خوان بچھایا گیا اور حضرت شیخ الاسلام کھانے کے دوران ہر درویش کے ساتھ شریک ہوتے۔ حضرت نے ان میں سے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ شوربے میں روٹی بھگو کر کھا رہا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا سبحان اللہ! ان درویشوں میں بھی مرد کھانا کھانا جانتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نان ثرید (روٹی شوربے میں ٹکڑے کر کے بھگونا) کو دوسرے کھانوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے کہ جس طرح مجھ کو تمام انبیاء پر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

بہاء الدین زکریا کے مزار پر شیخ جمالی کی حاضری

جس زمانے میں اس فقیر (جمالی) نے مکہ معظمہ کا قصد کیا تو ملتان پہنچا اور حضرت بہاء الدین زکریا کی زیارت سے مشرف ہوا اور شیخ المشائخ شیخ صدر الدین[۱] کی دست بوسی کی جو ان کے سجادہ نشین تھے۔ اس حقیر (جمالی) اور حضرت (صدر الدین) کے درمیان شہر دہلی میں کامل اتحاد اور محبت تھی۔ حضرت کو اس حقیر (جمالی) کے دیکھنے سے نہایت فرحت و مسرت حاصل ہوئی اور جناب شیخ صدر الدین نے مجھ کو اس حجرے میں کہ جہاں حضرت (بہاء الدین زکریا) مشغول عبادت رہتے تھے ٹھہرایا۔ ہرچند میں نے عرض کیا کہ میری کیا ہمت ہے کہ ایسے مقدس مقام پر قیام کر سکوں مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور وہ روزانہ اسی

۱۔ صدر الدین شہر اللہ (ف ۹۰۳ھ) دیکھئے تذکرہ صدر الدین عارف ص ۳۲۸

عالی مقام پر میرے لیے کھانا منگواتے اور میرے ہمراہ تناول فرماتے۔

مختصر یہ کہ چالیس روز تک میں اس حجرے میں رہا۔ ایک رات حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت سے دعا کے لیے التماس کر رہا ہوں کہ حق تعالیٰ صحت و سلامتی کے ساتھ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرے اور وہاں سے کعبۃ اللہ پہنچا دے۔ میری اس التماس کے بعد حضرت شیخ نے میرا ہاتھ پکڑا، قبلہ رخ کر دیا، دعا فرمائی اور کہا کہ جاؤ سلامتی سے پہنچو گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر پہنچو تو میرا سلام عرض کرنا۔ میں علی الصبح خوش و خرم اٹھا اور یہ بات حضرت شیخ صدر الدین سے عرض کی اور ان سے اجازت چاہی کہ آج رات حضرت قطب الاقطاب نے اجازت دے دی ہے، آپ بھی اجازت دے دیجیے اور اس حقیر کے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ ابھی ایک مہینے اور یہاں قیام کرو، ابھی میری اجازت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چونکہ حضرت شیخ الاسلام سے اجازت مل گئی ہے، آپ کی خاطر سے ایک مہینے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے روضے پر رہوں گا اور ان کا روضہ حضرت شیخ الاسلام [۱۲۲] بہاء الحق والدین کے روضے سے علیحدہ ہے، کم و بیش ایک تیر کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔

حضرت شیخ صدر الدین جو نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، اس حقیر کے ہمراہ حضرت رکن الحق و الدین کے روضۂ مبارک پر تشریف لائے، وہاں بھی ایک نہایت فرحت بخش مقام میرے لیے متعین کیا اور حضرت صدر الدین شہر اللہ اکثر اس مقام پر تشریف لایا کرتے تھے اور درویش نوازی فرماتے تھے۔

مولانا کمال الدین اوچی

وہاں ایک درویش تھے، ان کو مولانا کمال الدین اوچی[۱] کہتے تھے۔ وہ ایک حجرے میں مشغولِ عبادت رہا کرتے تھے اور نماز کے وقت جماعت کے لیے باہر نکلتے تھے۔ مولانا مذکور چونکہ ذکر خدا میں اس قدر استحکام و دوام فرماتے تھے کہ اکثر اوقات ان کا قلب متحرک ہوتا اور لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دل ذکر میں مشغول ہے۔ یہ مولانا (کمال الدین) ایک سن رسیدہ

۱۔ در نسخۂ اول (ص ۲۹ و ۳۰) اجبنی یا اجنی۔

بزرگ تھے اور اسی خاندان کے مرید تھے - ان کو اس حقیر (جمالی) سے بہت محبت تھی - وہ اکثر کتاب احیاء العلوم کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے - اور عوارف المعارف تو اکثر جگہ سے ان کو زبانی یاد تھی -

میں نے ان (مولانا کمال الدین) سے سنا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ بہاء الدین زکریا کے دادا کا مزار پیران تتری کے مزارات میں ہے جو ملتان میں ہیں اور حضرت شیخ رکن الدین کی والدہ بی‌بی راستی[1] کا حظیرہ بھی ان ہی مزارات میں ہے - وہاں ایک پرانی قبر ہے اور اس قبر پر ایک درخت ہے، اور اس کی ہر شاخ پر لفظ اللہ نمایاں ہے - چنانچہ اس فقیر (جمالی) نے پیر دستگیر (شیخ سماء الدین) سے سنا ہے کہ تتری کے مزاروں میں سے ایک مزار پر بڑ کا درخت ہے اور اس کی ہر شاخ اور تنے پر لفظ اللہ نمایاں ہے - جب یہ حقیر (جمالی) ملتان پہنچا تو وہاں لوگوں سے اس بڑ کے درخت کی بابت دریافت کیا اور دیکھا، حقیقت میں ایسا ہی تھا، جیسا کہ مولانا کمال الدین اوچی نے فرمایا تھا کہ وہ مزار حضرت شیخ الاسلام بہاء الملت و الدین کے دادا کا ہے کہ جس کے سینے پر وہ درخت ہے - واللہ اعلم[2] -

اتباع سنت

حضرت شیخ الاسلام کے اکثر مرید اور وابستگان، صاحب کشف و کرامات اور اہل کمال ہوئے ہیں اور وہ (مرید) شریعت و طریقت میں مستقیم تھے - حضرت کا یہ قاعدہ نہیں تھا کہ ان کے معتقدین اور مریدین زمین پر سر رکھیں یا سجدہ کریں- جب وہ ان کے سامنے آتے تھے سنت نبوی کے مطابق ''السلام علیکم'' کہتے تھے اور وہ بھی ''و علیکم السلام'' فرماتے تھے[3] -

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت کے چند مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، ٹھیک اسی وقت حضرت شیخ الاسلام

---

۱ - کاشف الحقیقت (ص ۷۱) میں ہے کہ بی‌بی راستی کا انتقال ۶۹۵ھ میں ہوا -
۲ - خزینۃ الاصفیا ۱ : ۲۵، مؤلف تذکرہ بہاء الدین کا بیان ہے کہ ملتان میں اب ان مزاروں کا علم نہیں ہے (تذکرہ بہاءالدین ۹۰ - ۹۱ حاشیہ) -
۳ - در نسخۂ اول (ص ۴۰) میں ہے ان کے جد امجد جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہتے تھے -

بہاء الملت و الدین ان درویشوں کے پاس آئے ۔ جیسے ہی درویشوں نے حضرت کی صورت دیکھی تو وہ ان کی طرف دوڑے ۔ اگرچہ اس وقت ان کا وضو ناتمام تھا [۳۳ ا] ، (درویشوں نے) سلام کیا ۔ ان درویشوں میں سے ایک درویش نے اپنا وضو پورا کیا اور اس کے بعد آ کر سلام کیا۔ حضرت شیخ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا

انت افضلهم و ازهدهم   تم ان میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ زاہد ہو ۔

شیخ بہاء الدین زکریا کے ایک مرید کی کرامت

ان ہی حضرت سے منقول ہے کہ شہر لاہور کے نزدیک ایک گاؤں تھا ۔ اس گاؤں میں حضرت کے ایک مرید رہتے تھے اور گاؤں کے قریب دریا کا کنارہ تھا ۔ وہاں ان درویش کی زمین تھی ؛ وہ فصل کے موقع پر غلہ بوتے تھے اور اس غلہ سے اپنی بسر اوقات کرتے تھے ۔ اتفاق سے وہ گاؤں کسی کو مدد معاش میں مل گیا اور اس شخص نے اس گاؤں میں کوتوال مقرر کر دیا ۔ اس کوتوال نے ان (مرید) کی زراعت کی پیمائش کی اور لگان طلب کیا ۔ اور اس درویش سے کہا کہ تو نے اس زمین کو اتنے سال سے غصب کر رکھا ہے اور مفت کا مال کھاتا ہے ، اور غلہ لے جاتا ہے ۔ یا تو کچھ کرامت دکھا ورنہ گزشتہ و موجودہ کل لگان ادا کر ۔ ہرچند وہ درویش کہتا رہا کہ فقیروں سے مت لگو ، کرامت تو اہل کمال درویشوں سے دیکھو لیکن وہ کوتوال اپنی بات پر اڑا رہا ۔ سخت سست کہا ، یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں نے اس درویش کی سفارش بھی کی لیکن وہ کم بخت کوتوال کسی طرح نہ مانا ۔ جب درویش نے یہ صورت دیکھی تو کوتوال سے کہا کہ تو اپنی گفتگو بند نہیں کرے گا ؟ کوتوال نے کہا کہ جب تک کرامت نہیں دکھاؤ گے ، مجھ سے رہائی نہیں پاؤ گے ۔

درویش نے کچھ دیر تامل کیا پھر کوتوال سے کہا کہ مجھ سے کیا کرامت دیکھنی چاہتا ہے؟ کوتوال نے کہا کہ اس پانی پر پیر رکھو اور چلے جاؤ ، تب میں تم کو چھوڑ دوں گا ۔ درویش فوراً اٹھا، حضرت شیخ الاسلام بہاء الملت والدین سے مدد چاہی ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی ، پانی پر پیر رکھا اور سلامت رہا ۔ جس طرح زمین پر چلتے ہیں (اسی طرح چلا) اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا ، تازہ وضو کیا ۔ دوگانہ ادا کیا ، دوگانہ ادا کرنے کے بعد آواز دی کہ کشتی لاؤ تا کہ سوار ہو کر دوسری طرف آؤں ۔ جو لوگ اس طرف تھے انہوں نے کہا کہ جس

طرح گئے تھے ، اسی طرح کیوں نہیں چلے آتے ؟ انھوں نے کہا اس وجہ سے ڈرتا ہوں کہ کبھی میرا نفس موٹا نہ ہو جائے اور غرور پیدا نہ ہو جائے ۔[اس کے بعد یہ (درویش) کشتی میں اس کنارے پر آگئے][1] ۔

مولانا بلال سندھی

اور آج کل ٹھٹہ کے علاقے میں اس خاندان کے اکثر مرید ہیں جو مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہیں اور اس زمین کو زمین ریل[2] کہتے ہیں اور یہ حقیر (جمالی) اس زمین پر بھی پہنچا ہے ۔ وہاں کے درویشوں میں دو درویش صاحب حالت دیکھے ۔ قصبہ سیوہان کے پاس ایک موضع بھری[3] نام کا ہے ، اس گاؤں میں ایک درویش تھے جن کا نام مولانا بلال تھا ۔ وہ بہت ریاضت کرنے والے اور پاک اعتقاد تھے ۔ جب میں اس گاؤں میں پہنچا تو میں نے ان سے ملاقات کی ۔ ان کے سامنے عوارف رکھی تھی [۱۲۳] اس حقیر (جمالی) سے چند مقامات پوچھے ۔ وہ صاحب دل انسان تھے[4] ۔

---

۱ ۔ نسخہ اول (ص ۱۰۴) میں قوسین کی عبارت نہیں ہے ۔

۲ ۔ متن میں اصل سہ جو صحیح نہیں ہے ۔

۳ ۔ اب جہاں مخدوم بلال کا مزار ہے وہ مقام ''مخدوم بلال'' کہلاتا ہے اور ضلع دادو (سندھ) میں واقع ہے ۔

۴ ۔ مخدوم بلال عارف کامل اور عالم شہیر تھے ، فقہ و حدیث پر گہری نظر تھی ۔ علی شیر قانع تتوی نے لکھا ہے کہ ان کو شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی اور مندرجہ ذیل اشعار بطور نمونہ نقل کیے ہیں :

در راہ خدا ز سر قدم باید ساخت سرمایۂ اختیار خود می باید باخت
کفر ست بخود نمائی بردن بجہاں ازخویش برون شدہ سویش می باید تاخت

معصوم بھکری نے لکھا ہے کہ مخدوم بلال کا انتقال ۹۰۹ھ میں ہوا لیکن مؤلف حدیقۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ۳۰ صفر ۹۳۱ھ کو انہوں نے رحلت کی ۔
ملاحظہ ہو (۱) مقالات الشعرا ص ۹۲ - ۹۳ ۔
(۲) تاریخ معصومی ص ۱۹۸ - ۱۹۹ ۔
(۳) حدیقۃ الاولیاء ص ۷۹ - ۸۱ ۔
(۴) تحفۃ الکرام (اردو) ص ۴۴۱ - ۴۴۲ ۔
(۵) تحفۃ الطاہرین ص ۳۰ - ۳۱ ۔

حاجی آرام منتھی

ان سے بھی زیادہ اسی گاؤں میں ایک اور درویش تھے جو نہایت عزیز الوجود اور عبادت الٰہی میں مستغرق رہتے تھے ۔ وہ حاجی الحرمین تھے ، ان کو حاجی آرام کہتے تھے ۔ جب میں ان کے ٹھکانے پر پہنچا تو وہ کھانا لائے اور میرے ہمراہ چند لقمے تناول فرمائے ۔ ان کا بھیڑوں اور گایوں کا بڑا گلہ تھا وہ اکثر اس (دودھ) سے کھیر پکواتے تھے اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے تھے ۔ ان کے گلے کا کوئی چرواہا یا نگہبان نہ تھا جو اس کو چراتا اور (جنگل) سے واپس لاتا ۔ اس نواح میں یہ مشہور ہے کہ ایک زمانہ گزر گیا ہے مگر ان کے گلے کی کوئی گائے یا بھیڑ کسی کے کھیت میں نہ تو چرتی ہے اور نہ منہ ڈالتی ہے ۔ حضرت سلطان المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے خاندان در خاندان کے کشف و کرامات میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہے ۔ یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے ۔

حضرت نظام الدین اولیاء بداھونی سے منقول ہے کہ میں نے ایک درویش سے کہ جو آن (حضرت بہاء الدین) کے بے واسطہ مرید تھے ، سنا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی رح) ایک جگہ مشغول عبادت تھے کہ یکایک فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ جب لوگوں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضرت شیخ سعد الدین حمویہ اسی وقت انتقال فرما گئے[۱] ۔

دو مار بہم در آمدند

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ ایک شریف اور عالم بخارا سے دہلی چلے ۔ جب وہ ملتان پہنچے تو غرور کی وجہ سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی ملاقات کی جانب متوجہ نہیں ہوئے ۔ جب انھوں نے دہلی کی روانگی کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے ضرور ملاقات کرنی چاہیے ۔ آخر کار ان کے اصرار سے حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) کی جانب روانہ ہوئے ، جیسے ہی انھوں نے حضرت شیخ کو دیکھا تو جو غرور اور گھمنڈ ان کے دماغ میں تھا سب جاتا رہا ۔ ان کے سر پر مضبوط پگڑی بندھی تھی جس کا دنبالہ دراز لٹک رہا تھا ، وہ کا کلیں لٹکائے ہوئے آئے ، جب حضرت شیخ

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۲۲۳ ، سعد الدین حموی کا انتقال ۱۰ ذی الحجہ ۶۵۰ھ کو ہوا (نفحات الانس ص ۲۷۸) ۔

الاسلام کی نظر ان پر پڑی تو مسکرا کر فوراً فرمایا کہ دو سانپوں کو یک جا کیا ہے۔ ان بزرگوار نے فوراً سر منڈوا دیا اور دنبالۂ دستار کو لپیٹ لیا۔ بیعت سے مشرف ہوئے اور ان (حضرت زکریا ملتانی) کی خدمت میں رہے[1]۔

مولانا قطب الدین کاشانی

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے[2] کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی ملتان پہنچے تو قباچہ نے کہ جو وہاں کا حاکم تھا ، ان کے لیے ایک مدرسہ بنوا دیا ، ان کو دوسری جگہ نہ جانے دیا اور وہاں ان کو نہایت عزت و احترام [۱۲۵] سے رکھا۔ مولانا قطب الدین کاشانی علامۂ روزگار اور شرع کے پابند تھے نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اس مدرسہ میں نماز ادا کرتے اور درس میں مشغول رہتے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی ہر روز صبح کے وقت وہاں آتے اور فجر کی نماز ان کے پیچھے ادا کرتے۔ مولانا قطب الدین کاشانی نے حضرت سے دریافت کیا کہ تم اپنی قیام گاہ سے اتنی دور روزانہ کیوں آتے ہو اور میرے پیچھے نماز پڑھتے ہو۔ حضرت شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ اس حدیث کے مطابق کاربند ہوں :

من صلی خلف عالم فکانما صلی خلف نبی مرسل	جس نے کسی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے نبی مرسل کے پیچھے نماز ادا کی۔

مولانا مذکور خاموش ہو گئے۔

دوسرے روز صبح کے وقت حضرت شیخ (زکریا ملتانی) وہاں تشریف لائے۔ مولانا قطب الدین نے نماز فجر کی امامت شروع کر دی تھی اور ایک رکعت نماز پڑھ چکے تھے۔ حضرت شیخ دوسری رکعت میں آئے اور جماعت میں شریک ہوگئے۔ جب مولانا قطب الدین تشہد میں بیٹھے ، قبل اس کے کہ وہ سلام پھیریں ، حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز تمام کی۔ مولانا قطب الدین نے حضرت شیخ کی طرف رخ کیا اور کہا کہ سلام پھیرنے سے پہلے نماز سے کیوں اٹھے ؟ شاید امام کو سہو ہوا ہو۔ چاہیے کہ سجدۂ سہو بجا لائے۔ جب

---

۱ - فوائد الفواد ص ۳۷۴ -
۲ - فوائد الفواد ص ۳۹۹ - ۴۰۰ -

مقتدی سلام سے قبل کھڑا ہو جائے تو سجدۂ سہو نہیں ہو سکتا ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ اگر کسی کو نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام کو سہو نہیں ہوا ہے تو جائز ہے کہ کھڑا ہو جائے ۔ مولانا قطب الدین مذکور نے کہا کہ ہر وہ نور جو شرع کے احکام کے موافق نہیں ہے ظلمت ہے ۔ حضرت شیخ نے جب یہ بات سنی پھر وہاں نہ گئے ۔

نجم الدین یوسف کاشغری

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے[۱] کہ ایک عزیز نے اسی وقت مولانا قطب الدین سے کہا کہ اے مخدوم ! آپ درویشوں پر اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس جماعت کا ادب کیوں نہیں کرتے ؟ مولانا مذکور نے جواب دیا کہ میں نے جس درویش کو دیکھا ہے اس کی مثل دوسرا میں نے نہیں پایا ۔ مولانا مذکور نے حکایت بیان کی کہ ایک مرتبہ میں کاشغر میں تھا ، میرے پاس ایک قلم تراش تھا ، اس کا پچھلا حصہ ٹوٹ گیا ، میں اس کو بازار میں لے گیا اور چاقو بنانے والوں کو دکھایا اور ان کے کہا کہ اس قلم تراش کو جیسا تھا ویسا کر دیجیے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ جیسا تھا ویسا ہرگز نہیں ہو سکتا ، کچھ خامی رہ جائے گی ۔ میں نے کہا ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا پہلے تھا ۔ ان میں سے ایک نے مجھے پتہ دیا کہ آگے فلاں دوکان پر جاؤ وہاں ایک بوڑھا چاقو بنانے والا ہے جو صالح ہے اور پاکیزگی میں مشہور ہے ۔ اس کے پاس اپنا قلم تراش لے جاؤ اور دکھاؤ ۔ شاید درست ہو جائے ۔ میں اس دوکان پر پہنچا ، میں نے (وہاں) ایک نہایت نورانی شکل بوڑھے کو دیکھا [۱۲۶] میں نے اپنے چاقو کا قصہ اس پیر دلپذیر سے بیان کیا ۔ پیر مذکور نے میری طرف دیکھا ، چاقو طلب کیا اور کہا کہ کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لو ۔ میں نے اس کے کہنے کے مطابق آنکھیں بند کر لیں اور گوشۂ چشم سے دیکھا کہ وہ دستے اور چاقو کو اپنے لبوں کے نزدیک لے گیا اور آہستہ سے دعا پڑھ کر اس پر دم کر دیا اور (چاقو) میرے ہاتھ میں دے دیا ۔ میں نے دیکھا کہ وہ چاقو پہلے سے بھی بہتر ہو گیا ۔ میں اس کے پیروں پر گر پڑا اور کچھ نقد پیش کیا ، اس نے قبول نہیں کیا ۔ جب میں نے خوشامد کی کہ ضرور قبول کر لیجیے تو جواب دیا کہ تیرا چاقو درست ہو گیا ہے اس سے زیادہ مجھے

---

۱ ۔ فوائدالفواد ص ۲۰۰ ۔ ۲۰۱ ۔

پریشان نہ کرے۔

جب مولانا قطب الدین نے یہ حکایت ختم کی تو جس عزیز نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم درویشوں پر اعتقاد نہیں رکھتے ہو، انھوں نے کہا کہ مولانا! آن بوڑھے چاقو بنانے والے کا نام نجم الدین یوسف[۱] ہے اور وہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید ہیں۔ جب مولانا قطب الدین کاشانی نے یہ بات سنی تو متعجب ہوئے اور اس گفتگو سے جو حضرت شیخ الاسلام سے نماز ادا کرتے وقت ہوئی تھی پشیمان اور شرمندہ ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ وہاں (ملتان) سے چلے آئے۔ دہلی پہنچے اور وہیں وفات پائی[۲]۔

وصال

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی اپنے حجرے میں حق تبارک تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک ایک نورانی شخص ظاہر ہوا اس کے ہاتھ میں ایک سر بمہر خط تھا۔ اس نے وہ خط حضرت شیخ صدر الدین کو جو حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا ملتانی) کے فرزند ارجمند تھے دیا اور ان سے کہا کہ شیخ کو پہنچا دیجیے۔ حضرت صدر الدین نے جب وہ خط اس کے ہاتھ سے لیا اور اس کے عنوان کو دیکھا تو متحیر و متغیر ہوئے اور اسی وقت حضرت بہاء الدین زکریا کے حجرے میں داخل ہوئے۔ وہ خط حضرت شیخ الاسلام کے دست مبارک میں دیا اور خود حجرے سے باہر چلے آئے تو خط لانے والے کو نہ پایا۔ حضرت شیخ الاسلام نے جب وہ خط پڑھا تو اسی وقت چشم زدن میں انتقال فرما گئے[۳] اور حجرے

۱۔ فوائد الفواد میں نجم الدین یوسف نام مذکور نہیں ہے۔

۲۔ تاریخ اوچ (ص ۱۴۴ - ۱۴۵) میں ہے کہ مولانا قطب الدین اوچ محلہ جگ پورہ میں دفن ہوئے اور مؤلف تذکرہ بہاء الدین کا بیان ہے کہ وہ ملتان میں دفن ہوئے (ص ۱۲۸ - ۱۳۲)۔ سیر العارفین کے اس بیان کی روشنی میں یہ دونوں باتیں محل نظر معلوم ہوتی ہیں۔

۳۔ فوائد الفواد ص ۳۷۵، تاریخ وصال بہاءالدین زکریا ملتانی ۷ صفر ۶۶۱ھ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری دسمبر ۱۹۶۲ء میں حضرت زکریا رح کی درگاہ پر حاضر ہوا اور فاتحہ پڑھی۔

کے چاروں کونوں سے آواز آئی کہ دوست اپنے دوست کے پاس پہنچ گیا۔ جب حضرت صدر الدین نے آواز سنی فوراً حجرے میں دوڑے کہ حضرت رحلت فرما چکے ہیں۔

مشائخ اربعہ

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے[۱] [۱۲۷] کہ حضرت شیخ المشائخ سعد الدین حموی، حضرت شیخ المشائخ سیف الدین باخرزی، سلطان المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور سلطان المشائخ بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی ایک زمانے میں تھے۔ اول شیخ سعد الدین حموی نے رحلت فرمائی۔ ان کے تین سال بعد حضرت سلطان المشائخ سیف الدین باخرزی نے رحلت فرمائی۔ ان کے تین سال[۲] بعد خلاصۃ المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے وصال فرمایا اور ان کے تین سال بعد سلطان المشائخ فرید الملت والدین مسعود اجودھنی دار فانی سے رخصت ہوئے۔

۱۔ یہ سطور فوائد الفواد (ص ۳۷۵) سے ماخوذ ہیں۔ اس میں پانچ بزرگوں کا ذکر ہے، پانچویں بزرگ ابوالغیث یمنی ہیں جن کا انتقال ۶۵۱ھ میں ہوا (نفحات الانس ص ۳۷۰ - ۳۷۱) نیز دیکھیے سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۸۱۔

۲۔ فوائد الفواد (ص ۵۷) میں تین تین سال کے وقفے سے رحلت ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ سعد الدین حموی کا انتقال (بروایت نفحات الانس ص ۲۷۸) ۶۵۰ھ میں ہوا۔ شیخ حموی کے علاوہ ہر ایک کی رحلت میں تین تین سال کا فصل ہے۔

حضرت سلطان المشائخ والاولیاء شیخ صدر الدین عارف

آں گوہر معدن حق الیقیں — تازہ ز آب کرمش باغ دیں
دادہ ز پاکی بملائک صلا — غرقہ وحدت بخلاء و ملا
لجۂ امواج دل پاک او — عقل فرو ماندہ ز ادراک او
خاک درش از رہ عز و جلال — سرمۂ چشم دل اہل کمال
نور دلش یقین تافتہ — قرب مع اللہ ز صفا یافتہ
صدر نشیں گشتہ بعرش بریں — گشتہ خطابش ز خدا صدر دیں
یافت جہاں خوشی از یاد او — ذکر جمیلش شدہ اوراد او

وہ انوار جبروت کے آثار کے جامع، اسرار لاہوت کی خبروں کے سننے والے، میدان فتوت کے سوار، بستان مروت کے گلنار، سیر باللہ کے اچھی طرح دیکھنے والے، اللہ کے ماسوا وجود کی نفی کرنے والے، میخانۂ مراد کے مست، ویرانۂ ایجاد کے خزانے اور علم اسرار و معارف کے عالم تھے۔

سلطان المشائخ صدر الدین عارف، مشائخ کبار میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے۔ وہ منظرات میں انوار وحدت کے دم ساز، اصل و فرع سے واقف، زہد و ورع میں مشہور، سیر وحدت میں صاحب معراج اور علم معرفت میں بہتے ہوئے دریا تھے۔

شیخ عارف

ان کو شیخ عارف اس وجہ سے کہتے تھے کہ جب وہ کلام اللہ پڑھتے تھے تو اس پر بہت غور و فکر فرماتے تھے اور جس وقت بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو ان پر دوسرے معانی و مطالب ظاہر ہوتے[1]۔ ان کی عجیب عالی ہمت تھی کہ دنیاوی سامان میں سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔

---

۱ - تاریخ فرشتہ ۲ : ۴۰۸ -

ترک دنیا

اس فقیر (جمالی) نے حضرت شیخ بہاءالدین سے سنا ہے کہ جس وقت آسمان مشیخت کے آفتاب شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو انھوں نے چھ لڑکے اور ساتویں شیخ صدر الدین چھوڑے - ان کا جو اسباب و نقد متروکہ تھا وہ تقسیم ہوا - ان حضرت (شیخ صدر الدین) کو دوسرے اسباب اور سامان کے علاوہ سات لاکھ تنکے ورثہ میں ملے - انھوں نے اسی دن (یہ سامان) درویشوں میں تقسیم کر دیا ، ایک درم یا دینار اپنے پاس نہ رکھا یہاں تک کہ ان درویشوں میں سے ایک درویش نے [۱۲۸] ان سے عرض کیا کہ آپ کے پدر بزرگوار کے خزانے میں اتنا سامان اور نقد تھا وہ آہستہ آہستہ خرچ کیا کرتے تھے - آپ نے کیوں یکبارگی سب ختم کر دیا ، اور ترک و تجرید کو اختیار کیا - حضرت شیخ صدر الدین نے جواب دیا کہ میرے والد ہمیشہ دنیا پر غالب رہتے تھے اور اس کو مغلوب کر کے خرچ کرتے تھے ، میں اگرچہ دنیا پر بیشتر غالب ہی ہوں لیکن کبھی میں اس کو مساوی بھی پاتا ہوں یعنی نہ غالب ہوتا ہوں نہ مغلوب ، ایسا نہ ہو کہ کبھی وہ غالب آ جائے مجبوراً اس مردم آزار شے کو اپنے سے دور کر دیا اور اس کو دور کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیا[۱] -

ان کے بہت سے مرید اہل کشف و کرامات تھے - وہ ایک عالم کو ارشاد و ہدایت فرماتے تھے - ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین ابوالفتح ایسے تھے جو دنیا کو روشن کرنے والے آفتاب تھے -

شیخ جمال اوچی

ان کے خلیفہ شیخ جمال خندان[۲] رو اوچی ایسے تھے جو صاحب حال اور اہل کمال تھے - اگرچہ وہ (جمال خندان رو) حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید تھے لیکن ان کی تربیت حضرت شیخ صدر الدین نے کی تھی - حضرت سلطان المشائخ

---

۱ - تاریخ فرشتہ ۲ : ۴۰۸ -

۲ - شیخ جمال نامور محدث ، متورع عالم ، صاحب نسبت درویش اور شیخ صدر الدین کے خلیفہ تھے - اوچ میں ان کا ایک مدرسہ اور خانقاہ تھی - حدیث کا درس دیتے تھے - خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۲۶ - ۲۸ ، تاریخ اوچ ص ۱۴۹ ، مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۸۵ - ۸۷ - مترجم محمد ایوب قادری نے اکثر ان کے مزار کی زیارت کی ہے -

بہاء الدین زکریا نے ان کے متعلق شیخ صدر الدین عارف کو وصیت کی تھی کہ اوچ شریف میں ایک نہایت قابل اور مستعد درویش ہے۔ اس نے ابھی تک کسی درویش سے تعلق پیدا نہیں کیا ہے ، اس کا پورا پورا حصہ ہمارے خاندان میں ہے۔ اگرچہ وہ ہم تک نہیں پہنچا ، ہمارے انتقال کے بعد تمہاری جانب توجہ کرے گا اور خرقہ کی خواہش کرے گا۔ اس کو اس وقت جذبے نے مغلوب کر لیا ہے ۔ جس وقت وہ تمہارے پاس آئے تو پہلے دن اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دینا ۔ تین روز تک خلوت میں بٹھانا ، اور تلاوت قرآن کا حکم دینا تا کہ جذبے کی شدت سے حالت شعور میں آ جائے ، آداب صحبت بجا لائے اور اس کو سلوک کے طے کرنے میں کوئی نقصان نہ ہو۔ اس کے بعد اس کو اپنے پاس بلانا اور لباس کی قسم میں سے جو کچھ ہمارے پاس سے تم کو پہنچا ہے اس میں سے نصف اس کو دے دینا اور کہنا کہ نصف میرا ہے اور نصف تمہارا ہے مگر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الملت والدین کا جو خرقہ میں نے تم کو دیا ہے وہ مت دینا ۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ بہاء الملت والدین نے شیخ صدر الملت والدین کو یہ نصیحت کی کہ اس سے بغل گیر نہ ہونا ، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے تمام نعمت لے لے۔ نصف ہاتھ دینا اور کہنا کہ نصف میرا ہے اور نصف تمہارا۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے اس لیے کہ یہ بات میزان درویشی میں کوئی وزن نہیں رکھتی کہ مرید اپنے پیر سے نعمت چھین لے اور اس کو خالی کر دے ، بلکہ پیر جس کسی کو نعمت عطا کرتا ہے وہ خدا کے ہمیشہ باقی رہنے والے خزانے سے عطا ہوتی ہے اور وہاں کوئی کمی نہیں ۔

ایک درویش صدر الدین سیستانی تھے جو زیادہ تر کشمیر کے پہاڑوں میں رہتے تھے ۔ چنانچہ بعض لوگ ان کو کشمیری بھی کہتے ہیں۔ انشا اللہ ان کا کمال ان کے حالات کے ذکر میں بیان کیا جائے گا۔

شیخ احمد معشوق

ان کے ایک مرید اور محبوب شیخ احمد بن شیخ محمد معشوق[1] تھے ۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی نے [۱۲۹] کتاب فوائد الفواد میں ذکر کیا ہے کہ ان پر جذبہ غالب تھا اور وہ مشغولیٔ حق میں انتہائی مستغرق رہتے تھے اور آنکھ نہیں

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۳۹۹ ، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۲۱ ۔

کھولتے تھے۔ ایک مرتبہ موسم سرما کی ہوا تھی، پانی نہایت ٹھنڈا تھا۔ وہ صبح کے وقت غسل کے لیے پانی میں داخل ہوئے اور بہت دیر تک اس میں کھڑے رہے اور مناجات پڑھتے رہے کہ

''اے اللہ! تو حقیقت میں بادشاہ ہے اور اپنے بندوں کی اطاعت سے بے نیاز ہے اور انتہائی لطف و عنایت سے اپنے بے بضاعت خالص بندوں کو اپنی اطاعت کی توفیق دیتا ہے۔ جب تک تیری محبت کے بارے میں اپنا مرتبہ نہ معلوم کر لوں گا اس پانی سے ہرگز باہر نہیں آؤں گا۔''

ان کو آواز آئی کہ تیرا یہ مرتبہ ہے کہ بہت سی مخلوق کو تیری شفاعت سے دوزخ سے آزاد کر دوں گا اور جنت کے باغ میں داخل کروں گا۔ شیخ احمد نے کہا

''اے خدا تیری عطا اور نعمت کی کوئی حد نہیں ہے اور تیری عنایتوں کا کوئی شمار نہیں ہے، میں اس پر اکتفا نہیں کرتا ہوں۔''

ارشاد ہوا کہ میرے تمام طالب میرے عاشق ہیں لیکن ہم نے تجھ کو نوازا اور اپنا معشوق بنایا۔ احمد مذکور نے جب یہ بات سنی تو باہر نکل آئے، کپڑے پہنے اور وہاں سے چل دیے۔ (اب وہ) جہاں کہیں پہنچتے آواز سنتے کہ احمد معشوق آتا ہے۔ آخر کار ان کا جذبہ اس حد تک پہنچ گیا کہ نماز بھی ختم ہو گئی چنانچہ اس زمانے کے علماء نے فتویٰ دیا کہ اس بے شعوری اور مستی سے اپنے آپ کو ہوش و حواس اور خدا پرستی کی حالت میں لانا چاہیے، پانچوں وقت کی نماز ادا کرنی چاہیے۔ شیخ احمد معشوق نے کہا کہ میں نماز ادا کر سکتا ہوں مگر بغیر سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) کے پڑھوں گا۔ علماء نے کہا کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز درست نہیں۔ پھر شیخ احمد نے کہا کہ اگر سورۂ فاتحہ پڑھوں گا تو ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' نہیں پڑھوں گا۔ غرض علماء اور فقہاء نے ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور نماز پوری کرنی چاہیے۔ آخر کار ان کی تنبیہ سے انہوں نے خود کو نماز کے لیے آمادہ کیا اور سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کی۔ جب وہ ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' پر پہنچے تو ان کے جسم کے مسامات سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے، چنانچہ ان کا تمام خرقہ خون آلود ہو گیا۔ انہوں نے فقہاء کی جانب رخ کیا اور کہا کہ اے عزیزو! میں حائضہ عورت (کی طرح) ہوں، میرے لیے نماز جائز نہیں ہے[1]۔

---

[1] - فوائد الفواد ص ۳۶ - ۳۷، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۲۱ - ۳۲۲ -

شیخ احمد معشوق کا تائب ہونا

اس حقیر (جمالی) نے مولانا عزیز اللہ ملتانی سے جو شہر کے مدرس تھے، سنا ہے کہ شیخ احمد مذکور ایک تاجر کے لڑکے تھے جس کا نام محمد قندھاری تھا۔ شیخ احمد مذکور تجارت کے لیے قندھار سے ملتان آئے تھے۔ ان کے پاس بہت مال واسباب تھا، وہ شراب پیا کرتے تھے اور ایک لحظہ بھی شراب کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

وہ بازار کے راستے میں ایک دوکان پر بیٹھے تھے کہ حضرت سلطان العارفین صدر الملت والدین حضرت سلطان المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مقبرے کی زیارت کے مقصد سے نکلے۔ انھوں نے گوشۂ چشم سے احمد مذکور کو دیکھا، اپنے خاص خادم کو ان کے پاس بھیجا (اور کہا) کہ "چونکہ تو اس کو جانتا ہے (اس لیے) میرے پاس لا"۔ خادم مذکور، احمد کو شیخ صدر الدین کی خدمت میں لایا۔ شیخ صدر الدین، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مقبرۂ مطہرہ کی طرف متوجہ تھے، زیارت سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے اور احمد مذکور کو اپنے ہمراہ [۱۳۰] لے گئے۔ گرمی کا موسم تھا، حضرت شیخ صدر الدین نے شربت طلب کیا اور تھوڑا سا اس میں سے پیا اور جو پیالے میں باقی رہا وہ احمد کو دے دیا۔ جب اس بچے ہوئے شربت میں سے ایک گھونٹ ان کے حلق سے اترا تو احمد کے دل میں معرفت کے دروازے کھل گئے۔ انھوں نے فوراً توبہ کی اور مرید ہو گئے اور جتنا اسباب اور نقد پاس تھا سب خانقاہ کے درویشوں میں تقسیم کر دیا، تارک الدنیا ہو گئے اور سات سال ایک ہی شلوار میں گزار دیے۔ حضرت شیخ صدر الدین ان کو ہر نفس میں ہزار فیض پہنچاتے تھے، یہاں تک کہ اہل ولایت سے ہوئے اور ان کا درجہ معشوق تک پہنچا[۱]۔

مولانا علاء الدین خجندی

ان کے دوسرے خلفاء میں ہندوستان کے سلک میں خجند کے باشندے مولانا علاء الدین ہیں جو علم و عمل میں ممتاز اور صدق و صفا میں محرم راز ہیں، تقریباً چودہ[۲]

۱۔ شیخ احمد معشوق (ف ۷۲۳ھ/۱۳۲۳ع) کچھ دنوں بدایوں میں رہے۔ ملاحظہ ہو تجلیات اولیائے سہرورد از مولانا ضیاء القادری بدایونی ص ۳۷ (آستانہ زکریا ملتان جنوری ۱۹۵۸ع)۔

۲۔ در نسخۂ اول (ص ۱۰۱) چار سال۔

تک وہ شیخ صدر الدین کی خدمت میں رہے اور مقام قرب پر فائز ہوئے۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف ان کو محبوب اللہ کہتے تھے اور نیک طینت مولانا علاء الدین اکثر سلطان الاوتاد حضرت (صدر الدین) کی صحبت میں رہتے تھے اور ان کو دن رات میں دو قرآن کریم ختم کرنا لازمی تھے۔

زمخشری ، صاحب کشاف کا ذکر

[کتاب[1] فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ صدر الدین نے ابتدائی زمانے میں اپنے پدر بزرگوار سے جو صاحب کمال تھے نسخہ ''مفصل''[2] کی بابت عرض کیا کہ جو تفسیر کشاف کے مصنف زمخشری کی تصنیف ہے کہ علم نحو میں قابلیت حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ آج کی رات صبر کرو اور اس کے مصنف کے احوال معلوم کر لو۔ انہوں نے اسی رات کو واقعہ دیکھا کہ زمخشری کو کہ جو اس کتاب کا مصنف ہے طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے دوزخ کو لیے جا رہے ہیں ۔ اس واقعہ کے دیکھنے کے بعد ''مفصل'' کو ترک کر دیا[3]۔]

شیخ رکن الدین کا قرآن حفظ کرنا

اس احقر الانام (جمالی) نے مولانا امام الدین مبارکہ ملتانی سے کہ جو شیخ ابوبکر ژندہ پوش حاکم کے استاد تھے، سنا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ صدرالدین عارف دریا کے کنارے کہ جو ملتان سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے، وضو کر رہے تھے اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سات سال کے تھے اور اپنے پدر بزرگوار کے پاس قرآن یاد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ صدر الدین جہاں کہیں جاتے شیخ رکن‌الدین کو اپنے سے جدا نہیں کرتے ، وہ ہمشیہ ان کے ساتھ رہتے۔ ناگاہ ایک طرف سے ہرنوں کا ایک گلہ ظاہر ہوا ۔ اس گلے میں ایک ہرنی تھی ، اس کے پیچھے اس کا بچہ تھا ۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کی نظر ہرنی کے اس بچے پر پڑی جو اپنی ماں

---

۱ ۔ قوسین کی عبارت یعنی زمخشری ، صاحب کشاف کا واقعہ نسخہ اول (ص ۱۰۱) میں منقول نہیں ہے ۔

۲ ۔ المفصل فی صناعتہ الاعراب صاحب تفسیر کشاف کی مشہور کتاب ہے ، چار اقسام پر مشتمل ہے ، اسماء ، افعال ، حروف وغیرہ ۔

۳ ۔ فوائد الفواد ص ۱۸۸ ۔

کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا ۔ حضرت شیخ رکن الدین چونکہ بچے تھے اس لیے ہرن کے اس بچے کی طرف مائل ہو گئے ۔ وہ پورا گلہ نظروں سے غائب ہو گیا اور شیخ مذکور کی نظر اسی طرف رہی کہ جس طرف ہرنوں کا وہ گلہ گیا تھا ۔ کچھ دیر بعد جب شیخ صدر الدین وضو سے فارغ ہوئے اور دوگانہ ادا کر چکے [۱۳۱] تو شیخ رکن الدین کو اپنے پاس بلایا ، بٹھایا اور قرآن شریف منگوایا کہ وہ قرآن پڑھیں ۔ شیخ رکن الدین اتنے ذہین تھے کہ روزانہ چوتھائی پارہ یاد کر لیا کرتے تھے ۔ پڑھنے کے بعد اس کو تین مرتبہ میں حفظ کر لیتے تھے ۔ شیخ صدر الدین عارف نے آج دس مرتبہ پڑھایا ، چونکہ ان کا دل متوجہ نہ تھا اس لیے (سبق) یاد نہ ہوا ۔ حضرت شیخ (صدر الدین) نے دریافت حال کیا ۔ بعض حاضرین جو اس قصے سے واقف تھے ، ہرن کے گلے کا ادھر سے گزرنا اور ان کا ہرنی کے بچے کو دیکھنا کہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا ، بیان کیا ۔ جب شیخ صدر الدین کو معلوم ہوا کہ ان کا دل اس سبب سے متوجہ نہیں ہے ۔ کچھ دیر تامل کیا اور فرمایا کہ ہرنوں کا گلہ کس طرف گیا ۔ شیخ رکن الدین نے کہا کہ بابا ہرنی کا عجیب بچہ ماں کے پیچھے تھا ۔ اور جس طرف وہ گیا تھا بتایا ۔ حضرت شیخ صدر الدین نے کچھ دیر اس طرف نظر جما لی ، اسی وقت وہ ہرنی بچے کے ہمراہ دکھائی دی کہ دوڑی ہوئی چلی آ رہی ہے ، یہاں تک کہ شیخ رکن الدین کے قریب آ گئی اور کھڑی ہو گئی ۔ شیخ رکن الدین نے اس ہرنی کے بچے کو گود میں لیا ، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کی ماں کے دودھ اس کے منہ میں دیے ۔ کہتے ہیں کہ اسی دن آدھا پارہ قرآن حفظ کر لیا ، اس ہرنی اور بچے کو لائے ، خانقاہ میں چھوڑ دیا ۔ عرصے تک وہ وہاں رہا ۔

ایک دانشمند کے حافظ قرآن کا واقعہ

مولانا فتح اللہ کاتب سے سنا گیا ہے کہ جو شہر ملتان کے استاد تھے اور وہاں کے علماء کو درس دیا کرتے تھے ، ان کے لڑکے مولانا ابراہیم اور مولانا عزیز اللہ و مولانا امام الدین سب ان کے شاگرد تھے ، وہ اب بھی قبۃ الاسلام ملتان میں درس دیا کرتے تھے ۔ ملک العلماء مولانا فتح اللہ اس درویش (جمالی) سے بہت محبت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے بیس[۱] سال کی عمر تک کوئی علم حاصل

---

۱ ۔ در نسخہ اول (ص ۱۰۲) پچیس سال ۔

نہیں کیا تھا ۔ قرآن بھی پوری طرح یاد نہیں کیا تھا کہ ایک رات حضرت شیخ صدر الدین کو خواب میں دیکھا کہ مسجد میں بیٹھا ہوں ، کھانے سے بھرا ہوا لکڑی کا ایک پیالہ سامنے رکھا گیا ۔ میں بھی مسجد کے گوشے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ان کی قدم بوسی سے مشرف ہوا گویا کہ میں دعا کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اگر علم میسر نہیں ہے تو ان کی برکت سے قرآن ہی پڑھ لوں ۔ یہی میری نیت تھی اور یہی عرض کیا ۔ اس پیالے سے چند لقمے (تھوڑی سی) کھیر نکالی اور میرے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ کھا لو اور سورۂ یوسف یاد کرو ۔ اسی وقت کھیر کا وہ لقمہ منہ میں رکھا اور نگل گیا ۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے دل میں ایک راحت اور روشنی پائی ۔ جب صبح ہوئی تو حضرت کی زیارت سے مشرف ہوا اور فجر کی نماز مولانا وجیہ الدین احمد کی اقتدا میں کہ جو [۱۳۲] اس متبرک مقام (خانقاہ) کے امام تھے پڑھی ۔

مولانا مذکور حافظ تھے اور خوش آواز تھے ۔ ان کی قرآن خوانی کو سن کر لوگوں کے ہوش جاتے رہتے تھے ، پس میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ روزانہ شیخ کی زیارت کے لیے پہنچوں اور نماز فجر ادا کروں ۔ اسی طرح کرتا رہا اور روزانہ ساعت بہ ساعت مجھے تعلیم کا شوق زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک دن میں نے اپنا حال مولانا وجیہ الدین احمد سے بیان کر دیا ۔ کھیر کے لقمے کا واقعہ کہ جو شیخ صدر الدین نے مجھے دیا تھا اور سورہ یوسف کے حفظ کرنے کا حکم ، یہ سب ان سے کہہ دیا ۔ پس مولانا مذکور اٹھے اور مجھ سے بغل گیر ہوئے ، خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ایسا ہی کرنا چاہیے اور بہت کوشش کرنی چاہیے ، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب شیخ صدر الدین نے تمہارے اوپر عنایت فرمائی ہے تو سعادت کے دروازے ضرور کھل جائیں گے۔ دوسرے روز میں وہ قرآن کریم جو میرے پاس تھا مولانا مذکور کے حضور میں لے گیا اور پہلے وہی سورۂ یوسف شروع کی چنانچہ صرف پانچ روز میں حفظ کر لی ۔ مولانا مذکور کو تعجب ہوا ۔ میرے قرآن پڑھانے میں انہوں نے بہت کوشش کی ۔ خدا تعالیٰ کی عنایت اور حضرت شیخ کی برکت سے تقریباً سات مہینے میں میں نے کم و بیش تمام قرآن حفظ کر لیا اور تحصیل علم میں مشغول ہو گیا ۔

میں حضرت سلطان العلماء والصلحاء مولانا ثناء الدین[۱] کی خدمت میں گیا کہ

---

۱ ۔ درنسخۂ اول (ص م ۱۰) ''شیخ سماء الحق والدین'' لکھا ہے جو درست نہیں ۔

جنھوں نے چند سال تک شہر شیراز میں سید شریف سے تحصیل علم کیا تھا جو صاحب برکت تھے اور صلاحیت میں بے نظیر تھے ۔ حضرت شیخ صدر الدین کے دیکھنے اور حفظ قرآن کرنے کا واقعہ سب ان سے عرض کیا ۔ پس حضرت مجھ سے بغل گیر ہوئے ۔ ان کے اظہار مسرت نے میرے دل کو قوی کیا ۔

شیخ صدر الدین کی برکت سے اولاد ہونا

مولانا فتح اللہ نے فرمایا کہ میرے والد مولانا قطب الدین بہرام کے کوئی اولاد نہ تھی ، میں بڑھاپے میں پیدا ہوا ۔ میرے والد بزرگوار حافظ تھے اور ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ۔ ہر جمعہ کو حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضے کی زیارت[1] سے مشرف ہوتے اور ایک قرآن کا ثواب اس نیت سے ان کی روح کو بخشتے کہ میرے یہاں فرزند پیدا ہو ۔

ایک شب جمعہ کو ختم کلام اللہ کے بعد حالت غنودگی میں دیکھا کہ حضرت شیخ صدر الدین نے دو چھوارے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ مولانا قطب الدین جاؤ ایک خرما خود کھانا اور دوسرا خرما اپنی بیوی کو کھلانا ۔ انشاء اللہ تمھارے یہاں نیک بخت فرزند ہو گا ۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد وہ اس مقبرۂ متبر کہ سے باہر آئے ، دیکھا کہ ایک بزرگ [۱۳۳] نورانی صورت نے دو خرمے ان کو دیے ، وہ نہایت خوش و خرم اپنے گھر آئے ۔ ایک خرما خود کھایا اور دوسرا میری ماں کو کھلایا ، ان کی برکت سے میں پیدا ہوا ۔ حضرت مولانا فتح اللہ نے فرمایا کہ میں نے جب ان (اپنے والد) سے یہ خواب سنا تو میں دوڑا اور میں نے اپنا چہرہ ان کے مزار مقدس سے ملا ۔ ان کی محبت سے اپنے دل کو مالا مال کیا ۔ اسی روز سے تحصیل علم میں مشغول ہو گیا چنانچہ تھوڑی سی مدت میں اپنے مقصد کو پہنچ گیا ۔

شیخ بدہ کا واقعہ

اس درویش (جمالی) نے حضرت شیخ سماء الدین سے سنا ہے کہ وہ اپنے والد

بعض کتابوں میں ''سناء الدین'' لکھا ہے ۔

۱ ۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۴)میں بہاء الدین زکریا ؒاور صدر الدین دونوں کا ذکر ہے ۔

بزرگوار شیخ بدہ فتح اللہ[1] کی مقبولیت کی بابت فرماتے تھے کہ ان کے پڑوس میں ایک (ملک) سردار تھا جو بہت صالح تھا ۔ وہ خواجہ بدہ سے بہت محبت رکھتا تھا ۔ اس ملک (سردار) کے چند گاؤں تھے ۔ اس نے خواجہ (بدہ) سے بہت عاجزی اور انکسار سے عرض کیا کہ میرے مواضعات میں چلے جائیے اور ان مواضعات کی اراضیوں کی پیمائش کرائیے اور وہاں کا محصول جمع کر کے میرے پاس بھیجیے ۔ خواجہ مذکور انتہائی خوشامد کی وجہ سے ان مواضعات میں چلے گئے اور پیمائش شروع کر دی ۔ تاآنکہ رات کو خواب میں دیکھا گویا خواجہ مذکور کو منع کیا گیا[2] ہے کہ یہ کام تیرے لائق نہیں ہے ، اس کو جلد چھوڑ دینا چاہیے اور اپنے مکان چلے جاؤ ۔

علی الصبح دیہات کی رعایا خواجہ کے پاس آئی اور کہا کہ خواجہ صبح ہو رہی ہے ۔ جلد سوار ہو کر چلیے تاکہ بعض زمینوں کی پیمائش ہو جائے ۔ خواجہ اسی وقت سوار ہوئے اور اپنے مکان چلنے کا ارادہ کیا ، رعایا کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی سبب جو ہم کو معلوم نہیں ہے، اس سے مولانا کو انقباض ہوا ہو۔ خواجہ نے فرمایا کہ دوستو ! اطمینان رکھو تمہاری وجہ سے مجھے کوئی انقباض نہیں ہے بلکہ میں نے حضرت شیخ صدر الدین کو خواب میں دیکھا ہے، انھوں نے مجھے اس کام سے روکا ہے ۔ مجھ کو اس کام سے پرہیز کرنا چاہیے اور اپنے مکان کو واپس چلا جانا چاہیے ۔

مختصر یہ کہ جب مکان پہنچے اور مواضعات کے مالک نے سنا کہ خواجہ زمینوں کے کام کو چھوڑ کر گھر آ گئے تو اس کو خیال ہوا شاید رعایا نے اطاعت نہیں کی اور کوئی سرکشی کی ہے تاکہ مواضعات کا لگان مجھ تک پورا نہ پہنچے ۔ اس نے دوبارہ پھر خوشامد کی ، خواجہ نے بہت عذر کیا اور خواب کی کیفیت بیان کی مگر ملک (سردار) مذکور نہ مانا اور کہا کہ ایک مرتبہ تو جس طرح بھی ہو ضرور چلے جائیے اور پیمائش کرائیے ، خواجہ نے اس کے اصرار کو جب بہت زیادہ دیکھا تو بکراہت قبول کیا ۔

---

۱ ۔ تعجب ہے کہ زمانہ حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے شیخ سماء الدین کے باپ کا نام فخر الدین لکھ دیا ہے ، دیکھیے المشاہیر ص ۲۸، شمس التواریخ ۲ : ۳ ، سلسلۂ عالیہ ص ۱۱ - ۱۲ ۔

۲ ۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۵) میں ہے کہ خواب میں صدر الدین ؒ نے منع کیا ۔

وہ اسی روز بالا خانے پر تجدید وضو کے لیے گئے تھے کہ حضرت سلطان المشائخ (صدر الدین) ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا کہ بیائش کے حساب کے لیے قلم نہ چلانا اور اس کام میں مشغول نہ ہونا ۔ انھوں نے خواجہ مذکور کا ہاتھ پکڑا اور زمین پر گرا دیا [۱۳۴] وہ بے ہوش ہو گئے ، ان کے لڑکوں اور متعلقین نے جب یہ حال دیکھا تو ان کے منہ پر پانی چھڑکا ۔ جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے حضرت شیخ کا تمام واقعہ بیان کیا اور تحریر کے کام سے استغفار کیا اور وہ خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے ہوئے ۔

غیاث الدین بلبن کے بیٹے کی بیوی کا واقعہ

یہ حکایت تحریر میں ہے اور سب کو معلوم ہے کہ جس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے قدر خان[1] کو چتر و مسند عنایت کی اور اسے قبۃ الاسلام شہر ملتان کی طرف روانہ کیا تو حضرت شیخ صدر الدین وہاں تھے ۔ قدر خان حضرت شیخ (صدر الدین) کی ملاقات کی سعادت سے مشرف ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اس تمام ولایت کا انتظام کر لیا ، وہ نہایت خوش طبع اور لطیف مزاج جوان تھا ۔ خواجہ حسن اور خواجہ خسرو ؒ اس کے پاس تھے اور وقتاً فوقتاً اس سے انعام پاتے رہتے تھے ۔ اس کی طبیعت نہایت موزوں تھی ۔ اگرچہ خود کبھی شعر نہیں کہتا تھا لیکن شاعروں کی صحبت کی طرف اس کی طبیعت مائل تھی ۔ اس کی ایک بیوی تھی ، نہایت حسینہ و جمیلہ ۔ وہ ہمیشہ اس کی صحبت سے خوش رہتا لیکن (شہزادہ) شرابی اور رند مشرب تھا ۔ اس کی بیوی اس کی شراب نوشی کی کثرت سے متنفر تھی ۔ وہ سلطان رکن الدین ابراہیم پسر سلطان شمس الدین التتمش کی بیٹی تھی ۔ قدر خان مذکور کو اس عزیزہ سے اس بنا پر رنج ہو گیا ۔ یہ قدر خان نہایت تنگ مزاج ، زود رنج ، بے پروا اور غیر مستقل مزاج بھی تھا ۔ اس نے اس (بیوی) کو تین طلاقیں دے دیں ۔ دو تین روز کے بعد اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت پریشان ہوا ۔ جب صبر ناقابل برداشت ہو گیا تو اس نے شہر کے عالموں کو اپنے

---

[1] ۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۶) میں شہزادے کا نام خضر خان ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے محمد کو ملتان کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور فرشتہ (ص ۱ : ۴۱ - ۱۱۴) نے یہ واقعہ شہزادہ محمد سے متعلق لکھا ہے ۔

پاس بلوایا اور تمام ماجرا بیان کیا ۔ علما نے جو مسئلہ ہے وہ اس کو بتا دیا کہ (یہ بیوی) دوسرے نکاح اور شب عروسی کے انعقاد کے بغیر تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے ۔

قدر خاں نے جب یہ بات علماء سے سنی تو بہت متفکر ہوا ۔ سرخ چہرہ زرد ہو گیا ۔ مسند سے اٹھا اور اندر چلا گیا ۔ اس نے قاضی اثیر الدین[1] خوارزمی کو جو اس کے ہمدم و ہم راز تھے اندر بلایا اور اپنا تمام درد دل ان سے بیان کیا اور فرمایا کہ اس کام میں تمہاری کیا رائے ہے ۔ اگر میں اس کو اس حالت میں بلا لوں تو اس میں شک و شبہ نہیں کہ قیامت کے دن شرمندہ اٹھوں گا اور اگر اسی طرح علیحدہ چھوڑتا ہوں تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں ہے ۔ قاضی اثیر الدین نے عرض کیا کہ اس جگہ (ملتان میں) پاک ذات اور فرشتہ صفات حضرت سلطان المشائخ شیخ صدر الدین ہیں ، مناسب یہ ہے کہ مصلحۃً ان سے نکاح کرا دیا جائے اور پھر ان سے علحیدہ کر لیں (طلاق دلا لیں) تا کہ (پھر وہ) آپ کے لیے جائز ہو جائے ۔ قدر خاں چار و ناچار رضا مند ہو گیا [۱۳۵] ۔

پس قاضی اثیر الدین نے لوگوں سے چھپا کر یہ کام انجام کو پہنچایا ۔ کچھ دنوں کے بعد قدر خاں نے قاضی اثیر الدین کو خفیہ طور سے حضرت (صدر الدین) کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اب اس کو طلاق دے دینی چاہیے ۔ حضرت شیخ نے تامل کیا اور متفکر ہوئے کیونکہ وہ منکوحہ حضرت شیخ کے پیروں پر گر پڑی اور اس نے عرض کیا کہ مجھ کو اپنی خدمت سے علیحدہ نہ کیجیے ، شیخ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں تجھ کو اپنے پاس رکھوں گا اور اس کو ہرگز نہیں دوں گا ۔ انھوں نے قاضی اثیر الدین سے کہا کہ یہ بات ہرگز نہیں ہو سکتی کہ میں اس کو طلاق دوں اور اپنے مکان سے نکالوں ۔ قاضی مذکور نے حضرت شیخ سے جب یہ بات سنی تو گویا اس کے لیے موت آ گئی ، وہ وہاں سے اٹھے اور قدر خاں کے پاس آئے ۔ قدر خاں کو ان کے تغیر حال اور تحیر سے معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ اس کو طلاق دینے اور اپنے سے علیحدہ کرنے پر رضا مند نہیں ہیں ۔ اس نے قاضی اثیر الدین کی طرف رخ کیا اور پوچھا ۔ قاضی

---

۱ ۔ تاریخ فرشتہ (۲ : ۴۰۱) اور بزم صوفیہ (ص ۱۰۹) میں قاضی کا نام امیر الدین لکھا ہے ۔

نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا ۔

یہ سنتے ہی قدر خاں نے تلوار پر ہاتھ ڈالا کہ اس کو قتل کر دے، اس لیے کہ اس فتنے کی بنیاد اسی نے ڈالی ۔ پھر اس نے کچھ دیر غور کیا اور کہا کہ تجھ جیسے آدمی کا خون بہانا بے فائدہ ہے، کل جس وقت موقع ملا اگر شیخ کے خون سے اپنے گھر کا فرش رنگین نہ کر لیا تو میں اس عورت سے بھی کم ہوں جو اس وقت اس کے گھر میں ہے ۔ اس نے یہ بات زبان سے کہی اور فوجیوں کو بلایا ۔ حکم دیا کہ دس ہزار سوار جرار شمشیر زن تیر انداز اگر صبح کے وقت حاضر نہ ہوئے تو اپنے اپنے سروں سے ہاتھ دھو لیں، اس نے یہ بات نماز ظہر کے وقت کہی۔ غصہ و قہر کے غلبے کی وجہ سے نہ شراب پی نہ کھانا کھایا، چنانچہ تمام ملتان میں ہول قیامت رونما ہوگیا کہ دیکھیے کل کیا ہوتا ہے لیکن حضرت شیخ پر اس گفتگو سے کوئی اثر نہ ہوا۔

خدا تعالیٰ کے حکم سے عصر اور مغرب کے درمیان خبر پہنچی کہ تقریباً بیس ہزار جنگجو اور جگر خوار سوار اوپر کے علاقے سے ملتان کے نواح میں داخل ہو گئے۔ قدر خاں مذکور کو تعجب ہوا۔ وہ جنگ میں اپنے آپ کو رستم زال سمجھتا تھا ۔ حکم دیا کہ تمام شہری اور سپاہی مستعد ہو کر میرے ساتھ آئیں تاکہ پہلے ان کو ختم کروں اور پھر شیخ کو ٹھکانے لگاؤں ۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ چاشت کے وقت تک لشکر آراستہ ہوا اور دوپہر تک دشمن کے لشکر پر جا پڑے ۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی کہ کسی کو ایسی جنگ یاد نہیں تھی ۔ مغلوں کا کافی لشکر بھگا دیا اور منتشر کر دیا ، کچھ قتل ہوئے ۔ نماز ظہر کے وقت (شہزادہ) حوض کے کنارے آیا ۔ پانسو سوار اس کے ہمراہ تھے اور بقیہ لشکر مغلوں کے تعاقب میں تھا ۔ عین نماز کا وقت تھا کہ دشمن کے لشکر کا سردار ناگہاں دو ہزار سوار لے کر حوض پر پہنچا ۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے ۔ تلوار کھینچ کر ان پر حملہ کر دیا اور قدر خاں مذکور کو مع اس کے ہمراہیوں کے شہید کر دیا اور مقتولین کے گھوڑے اور سامان لے کر [۱۳۶] اپنی راہ لی ۔ نماز مغرب کے وقت یہ خبر قبۃ الاسلام شہر ملتان میں خاص و عام میں پھیل گئی ۔ مغلوں نے اپنا راستہ لیا اور اہل ملتان کو کوئی ضرر نہ پہنچا اور وہ عورت (مذکورہ) حضرت شیخ صدر الدین کی صحبت اور برکت سے دین کی درستی میں فاطمۂ زماں اور یقین کی پختگی میں مریم زمانہ ہوئی[1] ۔

---

۱ ۔ شہزادہ محمد نہایت لائق ، مہذب ، ذی علم اور علماء وفضلاء کا قدر دان تھا۔

لقمہ می شود بر لو گہر

شیخ رکن الدین فردوسی سے[1] منقول ہے کہ جو شیخ المشائخ شیخ نجیب الدین کے پیر ہیں ، (شیخ نجیب الدین) شیخ المشائخ شیخ شرف الدین منیری کے پیر ہیں ، حضرت منیری بہار میں مدفون ہیں - جس زمانے میں میں نے خراسان سے دہلی کا ارادہ کیا اور ملتان پہنچا تو حضرت شیخ الاسلام صدر الدین سے ملاقات کی - اس وقت ایام بیض (تیرھویں ، چودھویں اور پندرھویں تاریخ) تھے اور میرا روزہ تھا - حضرت شیخ نے کھانا طلب کیا - ان کے حضور میں لوگ بہت تھے ، کچھ علماء اور کچھ فقراء تھے - جب دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا چنا گیا تو میں نے دیکھا کہ کھانا بہت تھا اور سب پرتکلف تھا جیسا کہ بادشاہوں کے دستر خوان پر ہوتا ہے - میری بہ نسبت اور درویشوں کے حضرت شیخ کے نزدیک تھا - حضرت کے سامنے مزعفر کا ایک بڑا خوان رکھا گیا اور دوسرا صابونی کے حلوے کا خوان تھا - حضرت شیخ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ کیجیے ، درویشوں کی بسم اللہ بہتر ہے - میں اگرچہ روزہ دار تھا مگر بحکم

من اکل من المغفور فھو مغفور — جس نے مغفور کا دیا کھایا وہ مغفور ہے

یہ نہ کر سکا کہ اس سعادت سے اپنے کو محروم رکھتا - بسم اللہ کی اور کھانا شروع کر دیا - میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ نہایت رغبت سے کھانا کھا رہے تھے اور ہر قسم کے کھانے کی جانب راغب تھے - میرے دل میں خیال آیا کہ

امیر حسن سجزی اور امیر خسرو جیسے اکابر شعراء اس کے دربار سے منسلک تھے - ان حضرات نے اس کے درد ناک مرثیے لکھے ہیں - تاریخ فرشتہ (۱: ۲۰۱) اور تاریخ فیروز شاہی (برنی) میں بھی شہزادہ کے اخلاق و کردار کی مقبول و محمود تصویر ملتی ہے - ملا عبد القادر بدایونی اس روایت کا ذکر نہیں کرتا - طبقات اکبری (۱ : ۸۸) میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خواجہ نظام الدین کو اس کی صحت میں شک ہے - لہذا یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے - (بزم صوفیہ ص ۱۱۳) -

۱ - دیکھیے تاریخ فرشتہ ۲ : ۴۱۱ -

اہم یعنی کے روزے نہ رکھنا اگر مہمانوں کی خاطر سے[1] تھا تو کھانے میں تقلیل بہتر تھی - جیسے ہی یہ خیال میرے دل میں گزرا تو فوراً شیخ صدر الدین نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ درویش رکن الدین ! جو حرارت (باطن) سے غذا دور کر سکتا ہے اور (حق تک) لوگوں کو پہنچا سکتا ہے ، اس کے لیے یہ ضروری ہیں کہ وہ تقلیل غذا بھی کرے

چونکہ لقمہ می شود بر تو گہر تن مزن ہر چند بتوانی بخور

شیخ حسام الدین ملتانی بدایونی

حضرت مولانا (حسام الدین) ملتانی سے منقول ہے کہ جو شہر بداؤں میں مدفون ہیں ۔ وہ حضرت شیخ صدر الدین کے ایک با کمال مرید تھے۔ چنانچہ ان کا ذکر شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی نے کتاب فوائد الفواد میں کیا ہے کہ مولانا مذکور (حسام الدین) نے ایک رات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر بیٹھے وضو فرما رہے ہیں - علی الصبح مولانا حسام الدین اس جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ اس جگہ کی زمین تر ہے - انھوں نے کہا کہ میرا مزار اس جگہ بنایا جائے اور اس وقت مولانا مذکور (حسام الدین) کا مزار شہر بداؤں میں اسی جگہ ہے ۔ میں (حسام الدین) ایک دن حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں [۱۳۷] حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضۂ مبارک پر حاضر تھا - شیخ صدر الدین زیارت سے فارغ ہونے کے بعد باہر تشریف لائے - میرے دل میں خیال آیا کہ ان کی پائینتی ایک مزار کی زمین کے لیے درخواست کروں - (شاید) ان کے قریب ہونے کی برکت سے دوزخ سے نجات پا جاؤں - میرے دل میں یہ خیال آتے ہی شیخ (صدر الدین) میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مولانا حسام الدین ! میری طرف سے تمھارے مزار کی زمین کے لیے کوئی عذر نہیں ہے لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے مزار کے لیے زمین شہر بداؤں میں تجویز فرمائی ہے - تمھاری سی یقیناً وہیں کی ہوگی[2] -

---

۱ - فرشتہ (۲ : ۴۱۱) اور بزم صوفیہ (ص ۱۰۸) میں ہے کہ خود شیخ رکن الدین نے سوچا کہ میں نے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا - اب صرف افطار ہی پر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے -

۲ - شیخ حسام الدین معروف بہ جمال ملتانی (ف ۶۸۲ھ/۱۲۸۸ء) کے لیے ملاحظہ

ابراہیم لودی کی تخت نشینی

اس کتاب کا مصنف اہل اللہ کا معتقد احقر العباد فضل اللہ جمالی عرض کرتا ہے کہ جب سلطان سکندر (لودی) نے وفات پائی[۱] اور رحمت حق سے جا ملا تو اس کا بڑا لڑکا سلطان ابراہیم تخت نشین ہوا ۔ سلطان سکندر مذکور اخلاق حمیدہ سے آراستہ اور اوصاف پسندیدہ سے پیراستہ اور بہت نفیس طبیعت انسان تھا ۔ وہ زیادہ تر شعر گوئی کے شغل میں رہتا تھا اور اہل فلاح سے بے حد محبت اور اصحاب صلاح سے بہت اعتقاد رکھتا تھا ۔ دوسروں کے مقابلے میں اس درویش (جمالی) سے خاص طور سے بے انتہا محبت و مؤدت رکھتا تھا ۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دوستوں میں اختلاف ہو گیا اور اس کی تمام جماعت منتشر ہو گئی ۔ کج طبع ، کم فہم اور بد خلق لوگ سلطان ابراہیم کے دربار میں داخل ہوگئے ۔ چند افغان جو سرکشی میں بے نظیر اور فتنہ پردازی میں بے مثل تھے ، سلطان (ابراہیم) کی خلوت و جلوت کے محرم راز بن گئے ۔ سلطان کا ایک استاد تھا جس کا نام فرید تھا ، نہایت ذلیل و ناہنجار ۔ وہ ہمیشہ فتنہ و فساد کی فکر اور تدبیر میں رہتا تھا ۔ وہ صاحب اعتبار ہوگیا اور ایک بے مثل وزیر جو نہایت عقل مند اور اہل کمال تھا اور علماء و فقراء کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا ، اس کا نام بھوہ[۲] تھا اور سلطنت کو اس کی ذات سے استحکام تھا ، بغیر کسی جرم و خطا کے سلطان ابراہیم کی وزارت سے علیحدہ کر دیا گیا ۔

شیخ جمالی کا سلطان سکندر کا مرثیہ لکھنا

میں (جمالی) اس زمانے میں سلطان سکندر کا مرثیہ لکھ رہا تھا اور اس کا ایک شعر مشہور و معروف تھا

اے سلیمان زماں آہ کجائی آخر　　تا کنم پیش تو از فتنہ دیوان فریاد

یو تذکرۃ الواصلین ص ۳۷ - ۴۰ ، اخبار الاخیار ص ۸۴ ، فرشتہ ۲ : ۴۱۴ ، فوائد الفواد ص ۳۵۱ - ۳۵۲ -

۱ - سکندر لودی ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ کو فوت ہوا ۔

۲ - میاں بھوہ ابن خواص خان وزیر خاص اور میر عدل سکندر لودی تھا ۔ اس نے معدن الشفائے سکندر شاہی ایک معرکہ کی کتاب لکھی ۔ میاں بھوہ اور کتاب کے لیے دیکھیے تحقیقی مقالے (ڈاکٹر نذیر احمد) ص ۱۵۱ - ۱۶۰ ، طبقات اکبری ۱ : ۳۳۷ -

اس فرید مذکور نے اس شعر کو بادشاہ (ابراہیم لودی) کے سامنے پیش کر دیا اور سلطان ابراہیم کو دوسرے افغانوں کے ساتھ بتایا کہ شیخ جمالی نے تم کو دیو (شیطان) کہا ہے، چنانچہ بادشاہ اور ان افغانوں کو پورے طور سے مجھ سے بدظن کر دیا۔ اگرچہ کسی شخص کی یہ طاقت نہ تھی کہ مجھے نقصان پہنچا سکے تاہم بمقتضائے بشریت مجھے فکر و اندیشہ ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا [۱۳۸] کہ ایک شخص نورانی صورت سبز کمبل میں میرے پاس تشریف لائے کہ حضرت سلطان المشائخ صدر الدین نے ملتان سے یہ آپ کے لیے بھیجا ہے، اس کو اوڑھ لیجیے۔ میں نے اس کپڑے کو اوڑھ لیا اور نماز شکرانہ ادا کی۔ جب بیدار ہوا تو وہ معمولی سی فکر جو پیدا ہو گئی تھی قطعاً جاتی رہی اور سلطان ابراہیم کی وہ کدورت محبت سے بدل گئی۔

شیخ عبدالغفور لاڈن کا خواب

اسی زمانے میں زبدۃ العلماء و خلاصہ العلماء شیخ عبدالغفور المعروف بہ شیخ لاڈن[۱] نے خواب میں دیکھا اور مجھ سے فرمایا کہ ایک بلند محل ہے اور تم اس محل کے اوپر بیٹھے ہو اور میں راستے سے گزر رہا ہوں۔ جب تم نے مجھ کو دور سے دیکھا تو فوراً محل سے نیچے اترے۔ تم ایک صاف اور روشن زرہ پہنے ہوئے ہو اور اس زرہ کے حلقے پر سونے کے پانی سے حضرت مخدوم پیر دستگیر کا نام شیخ بہاء الدین لکھا ہے۔ میں نے جب تمہارے جسم پر وہ زرہ دیکھی تو دریافت کیا کہ ایسی زرہ کہیں نہیں دیکھی گئی، تم نے کہاں سے حاصل کی۔ تم کہتے ہو کہ سلطان المشائخ صدر الدین عارف الہی نے مجھے عنایت کی ہے۔ اس حالت میں میں بیدار ہو گیا۔

شیخ جمالی کی اکابر صوفیہ سے ملاقات

یہ احقر الانام (شیخ جمالی) کعبۂ معظمہ کے سفر مقدس میں شہر ہری (ہرات) پہنچا اور وہاں کے اکابر سے ملا مثلاً حضرت شیخ[۲] صوفی جو حضرت شیخ زین الدین[۳]

۱۔ شیخ نصیر الدین کے بیٹے اور شیخ بہاء الدین[۳] کے پوتے تھے، نامور عالم اور شیخ طریقت تھے۔

۲۔ نام شیخ علی (ف ۹۰۸ھ) خزینۃ الاصفیاء (۲ : ۳۲۶)۔

۳۔ زین الدین المتوفی ۸۳۸ھ۔

خواف کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت شیخ محمد روجی[۱] کہ جو واصلان حق سے تھے اور حضرت شیخ عبدالعزیز[۲] جامی کہ جو مشیخت میں ممتاز تھے اور مولانا نور الدین عبدالرحمان جامی کہ جو زمانے کے محققین سے تھے اور علم ظاہر و باطن میں بے مثل تھے اور شاعری میں سعدیٔ روزگار[۳] تھے اور خلاصۂ علمائے عظام حضرت شیخ الاسلام[۴] کہ جو شاہ اسماعیل (صفوی) کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور اس کے کھلم کھلا ظلم و زیادتی سے ان کے پاک عقیدے میں فرق نہ آیا اور حضرت مولانا مسعود شروانی[۵] کہ جو ہر علم میں اعلم العلماء تھے اور حضرت مولانا حسین[۶] واعظ کہ جو مشاہیر زمانہ سے تھے اور حضرت مولانا عبدالغفور لاری[۷] کہ جو حضرت باری تعالیٰ کے مقبول بندوں میں تھے اگرچہ یہ تمام بزرگوار[۸] اس حقیر (جمالی) سے نہایت محبت

---

۱ - مولانا جامی کے فیض یافتہ تھے، نام مولانا شمس الدین محمد، ف ۸۲۰ھ - ۹۰۴ھ خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۵۹۰ ، کاشف الحقیقت ص ۳۸ ، رشحات ص ۱۷۷ -

۲ - ڈاکٹر نذیر احمد (علی گڑھ) کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ جامی ہوں کیونکہ عبدالعزیز جامی کا تعین نہیں ہو سکا - اردو ادب (علی گڑھ) جولائی تا ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۲۵ -

۳ - مولانا نور الدین عبدالرحمان جامی پیدائش ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء وفات ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء ان کی مشہور کتاب نفحات الانس ہے دیکھیے رشحات ص ۱۳۳ - ۱۶۳ کاشف الحقیقت ص ۳۸ ، نور الدین عبدالرحمان جامی (فہرس مولفات) نصراللہ مبشر الطرازی و مطبع دارالکتب قاہرہ ۱۹۶۴ء)

۴ - شیخ الاسلام سیف الدین احمد ملا سعد الدین تفتازانی کی نسل سے تھے۔ بڑے بڑے نامور علماء ان کے شاگرد تھے جب شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۱۸ھ میں ہرات پر قبضہ کیا تو وہ شہید ہوئے - تاریخ رشیدی ، واقعات بابری بحوالہ اردو ادب جولائی تا ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۲۵) -

۵ - کمال الدین مسعود ، وفات ۹۰۵ھ (اردو ادب ص ۱۲۵) -

۶ - فخر الدین علی بن الحسین الواعظ کاشفی، ان کی تالیفات میں اخلاق محسنی اور تفسیر حسینی مشہور ہیں۔ وفات ۹۳۹ھ/۱۵۳۲ء (خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۲۶-۳۲۷

۷ - عبدالغفور لاری وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء ، جامی کے شاگرد ، نامور عالم مصنف اور شیخ طریقت تھے دیکھیے رشحات ص ۱۶۳ - ۱۷۳ کاشف الحقیقت ص ۳۸ -

۸ - نسخۂ اول (ص ۱۱۳) میں قاضی معین الدین کا بھی نام دیا ہے -

رکھتے تھے لیکن اس درویش کی قیام گاہ حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمان جامی کا مکان تھی -

لمعات عراقی پر مولانا جامیؒ کی رائے

میں ایک دن ان (جامی) کے حجرۂ خاص میں ان کے پاس بیٹھا تھا اور حضرت شیخ فخر الدین عراقی کی کتاب ''لمعات'' رکھی تھی - اچانک حضرت مولانا عبدالرحمان جامی نے حضرت شیخ صدر الدین قونوی کی تعریف میں مبالغہ کیا - (شیخ صدر الدین قونوی) حضرت محی الدین ابن عربی کے مرید تھے - (شیخ جامی نے) فرمایا کہ یہ ''لمعات'' ان عالی درجات (شیخ صدر الدین قونوی) کی توجہ [۱۳۹] کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے تحریر کر دیا ہے - ان کا یہ فرمانا مجھے کچھ اچھا نہیں لگا - میں نے کہا کہ ہر شخص کا مرتبہ حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جو اس کا عطیہ ہے -

خدا تعالیٰ کے حکم سے اسی شب مولانا مشار الیہ (جامی) نے خواب میں دیکھا کہ ایک پر نور چبوترہ ہے اور اس پر شیخ المشائخ و الاولیاء شیخ صدر الدین عارف، درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور مولانا فخر الدین عراقی حضرت کے جوتے لیے ہوئے با ادب کھڑے ہیں اور اس فقیر (جمالی) کی طرف اشارہ کیا - تم بھی اس مجلس میں موجود ہو - میں (جامی) بھی داخل ہوا اور حضرت (صدر الدین عارف) کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر شرف حاصل کیا - چنانچہ ان کی دہشت نے مجھ پر اثر کیا اور تم (جمالی) مجھ سے کہتے ہو کہ حضرت (فخر الدین عراقی) کا مرتبہ معلوم ہوا - میں (جامی) کہتا ہوں کہ حق تمہاری (جمالی کی) جانب تھا -

جب صبح کے وقت مولانا مشار الیہ (جامی) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے وہ خواب بیان کیا اور ان (بزرگوں) کی روح پاک کے لیے فاتحہ پڑھی -

---

۱ - صدر الدین عارف کے وصال میں اختلاف ہے تاریخ فرشتہ (۲ : ۴۱۱) میں ۷۲۶ھ ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے سفینۃ الاولیاء اور مراۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ (بزم صوفیہ ص ۱۱۹) تذکرہ صدر الدین عارف (نور احمد خاں فریدی) میں سال وصال ۷۰۹ھ لکھا ہے - تاریخ انتقال ۳ ذی الحجہ ہے- دسمبر ۹۶۲ یہ کو خاکسار مترجم حضرت صدر الدین عارف کے مزار پر حاضر ہوا اورفاتحہ پڑھی -

حضرت شیخ المشائخ شیخ
رکن الملت والدین ابوالفتح ؒ

جہان معرفت سلطان معنی — وجودش آیتے در شان معنی
دلش از طلعت اسرار مسرور — ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بیباک — بظاہر در شریعت چست و چالاک
بریدہ گردن شیطان خناس — مریدانش زتیغ پاس انفاس
بملک فقر از کشف و کرامت — زدہ بر عرش کوس استفادت
کمالش پاک از طامات در شطح — یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح
بملک فقر جز نعمت نبودش — جہانی ریزہ چیں خوان وجودش

وہ شہود الہی کے مخزن، بے انتہا بخشش کے منبع، وحدت کی جنت کے ادریس، برج معرفت کے برجیس، صفات لا ریب کی کان کے موتی، دریائے غیب کی لہر کے موتی اور حق الیقین کے فضل کی کنجی تھے۔

شیخ المشائخ قطب المدار ابوالفتح رکن الدین ؒ مشائخ کے گروہ میں منتخب خدا اور صاحبان ولایت میں پسندیدۂ باری تعالیٰ تھے۔ وہ نہایت عظیم القدر شیخ (طریقت) تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں کامل اور کشف و کرامات میں مشہور تھے۔ ان کی وضع اور طور طریقے عجیب و غریب تھے۔

والدۂ ماجدہ

اپنے بزرگوار دادا شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے منظور نظر اور اپنے والد حضرت شیخ المشائخ صدر الدین عارف الٰہی کی آنکھوں کے نور تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام راستی تھا، وہ اپنی راستی و درستی میں رابعۂ عصر تھیں اور قرآن کی حافظہ تھیں۔ روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔ اپنے خسر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کی مرید تھیں۔ ایک دفعہ وہ شب ماہ (چودھویں تاریخ) کو حضرت بہاء الدین زکریا کے سلام کے لیے [۱۴۰] آئیں۔ حضرت شیخ رکن الدین

سات سہینے کے ان کے شکم میں تھے ۔ حضرت شیخ الاسلام نے اور دنوں سے زیادہ آج ان کی تعظیم کی ۔ چنانچہ ان کو تعجب ہوا کہ یہ تعظیم و تکریم معمول کے مطابق نہیں ہے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے بی بی ! یہ تعظیم اس شخص کی ہے جو تیرے شکم میں ہے اور ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے خانوادے کی شمع ہے[1] ۔

لطیفہ

میں نے اپنے پیر شیخ بہاء الدین سے سنا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا پلنگ پر بیٹھے تھے اور ان کی دستار مبارک پلنگ کے پائے پر رکھی تھی اور حضرت شیخ صدر الدین عارف پلنگ کے نیچے دو زانو با ادب بیٹھے تھے ۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح اس زمانے میں چار سال کے تھے اور پلنگ کے چاروں طرف پٹی پکڑے گھوم رہے تھے ۔ جب پلنگ کے اس پائے کے پاس پہنچے کہ جس پر حضرت شیخ الاسلام کی دستار رکھی تھی انہوں نے ایک دم اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی ۔ حضرت شیخ صدر الدین نے آواز دی کہ اے رکن الدین ! بے ادبی مت کرو ۔ حضرت کی دستار سر سے اتار دو ، پلنگ کے اسی پائے پر رکھ دو ۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ صدر الدین اس کو منع مت کرو کہ اس نے استحقاق کی بناء پر (پگڑی) سر پر رکھی ہے ۔ میں نے یہ دستار اس کو دے دی ۔ چنانچہ وہ دستار اسی طرح بندھی ہوئی صندوق میں رکھ دی گئی[2] ۔

قبلۂ حاجات

جب اپنے والد کے بعد شیخ صدر الدین سجادہ نشین ہوئے تو انہوں نے یہی دستار سر پر رکھی اور اپنے والد کا وہ خرقہ پہنا کہ جو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو عطا فرمایا تھا ۔

ان (رکن الدین) کا عجب ایثار تھا ۔ جو گروہ ان کے پاس پہنچتا اور اس کا جو مدعا ہوتا اس کو پورا کرتے چنانچہ مخلوق (خدا) حضرت کو "قبلۂ حاجات" کہا کرتی تھی[3] ۔ ان کی روش حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر کی مانند تھی اور ان کی

---

۱ ۔ فرشتہ ۲ : ۴۱۱ ۔

۲ ۔ فرشتہ ۲ : ۴۱۱ ۔

۳ ۔ رجوع خلق بہت تھا ۔ سند و ہند کے لوگ تعلق رکھتے تھے (ہرف ص ۳۴۸) ۔

مجلس میں جو بات بھی کسی کے دل میں گزرتی تھی ان کو معلوم ہو جاتی تھی۔ سبحان اللہ ! اس سے زیادہ کیا بزرگی ہو سکتی ہے۔

سید جلال بخاری ، المعروف بہ مخدوم جہانیاں جیسے ان کے مرید اور مسترشد تھے۔ اسی طرح شیخ عثمان سیاح جو دہلی میں آرام کرتے ہیں ، ان کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔

دہلی میں آمد اور سلطان علاء الدین کا استقبال کرنا

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے منقول ہے کہ جب شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان سے دہلی آئے تو ان کی ظاہری و باطنی عنایات کی وجہ سے مخلوق (خدا) کے لیے ہر روز ، روز عید تھا [۱۴۱] اور شب ، شب قدر۔ وہ دو مرتبہ سلطان علاء الدین کے زمانے میں دہلی آئے اور تین مرتبہ سلطان قطب الدین کے زمانے میں آئے۔ سلطان علاء الدین باوجودیکہ آشوب چشم میں مبتلا تھا مگر حضرت کے استقبال کے لیے سوار ہو کر گیا اور نہایت اعزاز کے ساتھ ان کو شہر میں لایا اور دو لاکھ تنکے حضرت کے آنے کے وقت شکرانے میں اور پانچ لاکھ تنکے رخصت کے وقت پیش کیے[1]۔ وہ دو لاکھ تنکے جو آنے کے وقت حضرت کے پاس بھیجے تھے ، حضرت نے اسی روز تقسیم کر دیے اور پانچ لاکھ جو رخصت کے روز دیے تھے ، (وہ بھی) اسی روز تقسیم کر دیے۔

حضرت (رکن الدین ابو الفتح) کو شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء سے بہت محبت تھی ، جیسا کہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ میں ملتان سے دارالخلافہ دہلی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے عشق و محبت میں آتا ہوں[2]۔

قران السعدین

نقل ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز کیلو کھری کی مسجد میں نماز پڑھی

---

۱ - پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ لاکھوں تنکوں کے نذرانے کی روایت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا ، یہ سلطان کی روش کے خلاف تھا۔ جمالی نے سہروردیہ سلسلے میں منسلک ہونے کی وجہ سے بغیر تحقیق لکھ دیا ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۷۰ - ۲۷۱)۔

۲ - تعلقات کی نوعیت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی نماز جنازہ حضرت رکن الدین ابو الفتح ملتانی نے پڑھائی (سیر الاولیاء ص ۱۴۱) -

اور دونوں بزرگوار (شیخ رکن الدین ابوالفتح اور شیخ نظام الدین اولیاء) ایک دوسرے سے ملے۔ اس کے بعد حضرت (رکن الدین) شیخ نظام الدین اولیاء کے مکان پر تشریف لائے۔ اس مجلس میں صاحب حال اور اہل کمال درویش موجود تھے۔ مولانا علم الدین علامہ کے دل میں کہ جو ان کے بھائی تھے[1]، خیال آیا کہ چونکہ اس وقت یہاں قران السعدین ہے، اگر ان بزرگوں سے کوئی علمی نکتہ دریافت کیا جائے تو بہت بہتر ہو۔ دونوں بزرگوں نے ان سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے بیان کرو۔ مولانا علم الدین نے کہا کہ اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت شیخ رکن الدین نے جواب دیا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف تھے کہ مکہ معظمہ سے وہاں پہنچیں اور وہ کمالات حاصل ہوں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ بعض ناقص اہل مدینہ اتنی قوت و استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ مدینہ سے مکہ معظمہ آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے فیضیاب ہوں۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو مدینہ منورہ بھیج دیا تاکہ وہ ناقص (اہل مدینہ) کمال حاصل کریں۔ مختصر یہ کہ ان دونوں بزرگوں (شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی و شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی) کی گفتگو سے یہ تواضع ظاہر ہوئی[2]۔

سلطان سے ملاقات اور رعایا کی شکایات

نقل ہے کہ سلطان علاء الدین کے بیٹے سلطان قطب الدین کے زمانے میں بھی (رکن الدین ملتانی) دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ اکثر ان دونوں بزرگوں میں رابطۂ خلوص و محبت قائم ہوتا۔ حضرت [۱۰۲] شیخ رکن الدین ملتانی کی عادت تھی کہ جب سلطان قطب الدین سے ملنے کی خواہش ہوتی اور دربار کو جاتے تو وہ تخت رواں کہ جس پر بیٹھے تھے، اس کو کچھ دیر انتظار میں روکے رکھتے تھے اور ضرورت مند لوگ اپنی اپنی عرضیاں لکھ کر ان کے تخت

۱۔ در نسخۂ اول (ص ۸) نبیسہ، در فرشتہ (۲ : ۴۱۲) عمو زادہ۔ مؤلف بزم صوفیہ (ص ۲۶۳) نے لکھا ہے کہ ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل نے پوچھا۔

۲۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۲۱ - ۲۳۔

رواں پر ڈال دیتے تھے اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ وہ تخت رواں پر سوار ہو کر شاہی محل کو روانہ ہوتے۔ تیسری دہلیز پر سلطان استقبال کے لیے آتا اور اندر لے جاتا۔ دو زانو ہو کر با ادب حضرت کے سامنے بیٹھ جاتا اور حضرت کے آنے کو بہت بڑی بات سمجھتا۔ حضرت سلطان المشائخ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی تمام عرضیاں لائے اور سلطان کے سامنے رکھ دے۔ سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا اور ہر عرضی کا مناسب جواب اس کی پشت پر لکھتا اور مہر لگا دیتا۔ حضرت اس وقت تک وہاں سے واپس نہ ہوتے جب تک کہ مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو جاتے[1]۔

بابا فرید کا عرس اور مجلس سماع

سید خورد مبارک کرمانی سے نقل ہے کہ ایک دن حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عرس تھا، حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح بھی موجود تھے، قوالوں نے سماع شروع کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کو وجد و حال آیا، وہ چاہتے تھے کہ کھڑے ہو جائیں۔ حضرت سلطان المشائخ رکن الدین نے اپنے ہاتھ سے ان کا دامن پکڑ لیا اور ان کو کھڑا نہ ہونے دیا کہ وہ اٹھ کر وجد میں آئیں اور گھومیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) پھر وجد کے ارادے سے اٹھے۔ اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کا دامن نہیں پکڑا بلکہ خود بھی دیگر مشائخ کی طرح کھڑے ہو گئے۔

جب سماع اور دعوت کے بعد اپنے مکان پر واپس آئے تو مولانا علم الدین علامہ نے عرض کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ پہلی مرتبہ وجد کے قیام کے وقت آپ نے حضرت (نظام الدین اولیاء) کا دامن کیوں پکڑ لیا تھا اور ان کو کھڑا کیوں نہیں ہونے دیا اور دوبارہ جب وہ وجد کے ارادے سے اٹھے تو آپ نے ان کے دامن پر ہاتھ نہیں ڈالا اور کھڑے ہونے سے نہیں روکا، اس کا کیا سبب

۱۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح اور سلاطین دہلی کے تعلقات کے سلسلے میں ملاحظہ ہو (۱) بزم صوفیہ ص ۲۶۳۔

(۲) سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات ص ۲۶۹ - ۲۷۱۔

The Suharwardi Silsilah and its influence on medieval Indian Politics by (Khaliq Ahmed Nizami, Delhi—1957) p 18—21.

تھا ۔ حضرت سلطان المشائخ رکن الدین نے جواب دیا کہ میں نے حضرت کو پہلی مرتبہ عالم ملکوت میں پایا ۔ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ گیا اور دوسری مرتبہ میں نے ان کو عالم جبروت میں دیکھا اور اپنا ہاتھ روک لیا[1] ۔

محل کا گرنا اور غیاث الدین تغلق کی موت

مولانا ضیاء الدین برنی سے نقل ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین کے انتقال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین خاص طور سے ان کی زیارت کے لیے شہر ملتان سے دہلی تشریف لائے [۷۲۳] یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا زمانہ تھا ، اس زمانے میں سلطان مذکور بنگالہ سے دارالخلافہ دہلی واپس آ رہا تھا ۔ حضرت شیخ سلطان کے استقبال کے لیے دو تین کوس گئے اور اس سے ملے ۔ شہر دہلی سے تقریباً دو کوس کے فاصلے پر سلطان مذکور کے بیٹے سلطان محمد نے ایک نئی عمارت بنوائی تھی اور سلطان اس عمارت میں ٹھہرا اور حضرت شیخ (رکن الدین) بھی وہاں موجود تھے ۔ کھانا لایا گیا ۔ سلطان نے چاہا کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس جگہ سے تغلق آباد جائے ۔ کھانے کے دوران (شیخ رکن الدین نے) سلطان سے فرمایا کہ بہت جلد اس عمارت سے باہر نکل آؤ ، اس لیے کہ نئی عمارت ہے ۔ سلطان نے کہا کہ کھانا کھانے کے بعد یہاں سے باہر آؤں گا ، پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ جلد باہر نکل آؤ ۔ حضرت شیخ نے یہ کہا اور کھانے سے بغیر ہاتھ دھوئے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ ابھی دوسری دہلیز تک نہیں پہنچے تھے کہ عمارت گر گئی ۔ سلطان اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے (سب) عمارت کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے ۔ حضرت شیخ (رکن الدین) سلامت رہے[2] ۔

شیخ وجیہ الدین عثمان سنامی

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ شیخ المشائخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی[3] کہ اب ان کا مقبرہ دہلی میں واقع ہے ، اس زمانے میں حضرت شیخ رکن الدین کے

---

۱ ۔ فرشتہ ۲ : ۴۱۲ ۔

۲ ۔ تاریخ فیروز شاہی (برنی) (ص ۴۵۲ ۔ ۴۵۳) میں سلطان غیاث الدین تغلق کی موت کے سلسلے میں رکن الدین ابوالفتح کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔

۳ ۔ شیخ وجیہ الدین سنامی (المتوفی ۷۳۸ھ/۱۳۳۸ء) کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۳۱ ، تذکرہ شیخ رکن عالم ص ۷۴ ۔

مرید ہوئے تھے لیکن خرقۂ خلافت سفر سے واپسی کے بعد ملتان میں پایا تھا ۔ وہ مشہور شیخ (طریقت) ہیں ۔

قاضی وجیہ سنامی کے بیٹے ہیں ۔ ابتدائی زمانے میں وہ بہت پریشان تھے جب وہ شہر سنام سے دہلی آئے [تو درباریوں کے پاس مارے مارے پھرتے تھے کہ محرری کی جگہ ان کا تقرر کروا دیں]۲ ایک دن ان کا گزر کیلو کھری کی طرف ہوا ۔ انھوں نے شیخ رکن الدین ملتانی کو دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے نماز پڑھ رہے ہیں ۔ جب ان کی نظر ان کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو دوڑے اور اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا اور حضرت کے مرید ہو گئے ۔ وہ شیخ عثمان کو اپنے ہمراہ ملتان لائے ۔ وہ دو سال تک شیخ رکن الدین کے ساتھ رہے ، انھوں نے اسی زمانے میں قرآن حفظ کیا اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف (شیخ رکن الدین سے) پڑھی اور وہاں سے اجازت لے کر مکہ معظمہ چلے گئے ۔

حضرت شیخ نصیر الدین سے منقول ہے کہ میں نے شیخ عثمان کو دیکھا تھا جس روز وہ مرید ہوئے ، اسی دن ترک دنیا کر دی تھی ۔ ایک لنگی کے سوا کہ جس سے اپنے ستر کو پوشیدہ رکھیں کوئی کپڑا ان کے جسم پر نہ تھا ، یہاں تک کہ سر سے پگڑی بھی اتار دی تھی اور اسی طرح سلطان رکن الدین کی خدمت میں رہتے ۔ ایک دن حضرت شیخ سے اجازت لی اور اسی تہمد کو باندھے ہوئے روانہ ہو گئے ، نہ ان کے پاس لوٹا تھا اور نہ عصا ۔ اسی طرح تنہا سیاحی کی ۔ جب مکہ معظمہ پہنچے [۱۴۴] ، حج کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ آئے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ، اس متبرک مقام (مدینہ) پر رہے ، پھر زمانۂ حج میں بیت اللہ آئے ۔ دوپہر کے وقت طواف کر رہے تھے ، سخت گرمی تھی ، شیخ عثمان نے خواجہ خضر ۳ کی طرف دیکھا کہ انھوں نے اپنی آستین سے ان کے سر پر سایہ کر لیا ہے ۔ انھوں نے فوراً طواف ترک کر دیا اور وہاں سے روانہ چل پڑے اور اکثر انبیاء کی زیارات سے مشرف ہوئے ۔ ساتویں سال کے بعد اسی طرح تنہا ننگے سر ملتان پہنچے اور اپنا گرد آلود چہرہ اسی لباس میں کہ جو پہنے ہوئے تھے اپنے پیر شیخ رکن الدین کے قدموں سے ملا ۔ حضرت شیخ ان سے

---

۱ ۔ نسخۂ اول (۲:۷) میں ہے کہ ”جس زمانے میں عمارت مذکور منہدم ہوئی تھی“۔

۲ ۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (۲ : ۷) میں نہیں ہے ۔

بغل گیر ہوئے، ان کے سر اور آنکھوں کو چوما اور فرمایا کہ اس روز طواف کعبہ میں خواجہ خضرؑ نے اپنی آستین کا سایہ تمہارے سر پر کیا تھا۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ جلد چلے آئے ورنہ مخلوق میں فتنہ پیدا ہو جاتا۔ (حضرت نے) اسی وقت اپنا لباس مبارک پہنایا اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر ان کے سر پر رکھ دی۔

شیخ عثمان کا دہلی پہنچنا

چند روز کے بعد دہلی جانے کی اجازت دی اور کہا کہ جاؤ حضرت شیخ نظام الدین وہاں ہیں، تم بھی دہلی میں رہو۔ زیادہ تر حضرت کی خدمت میں رہنا۔ جب وہاں پہنچو تو حضرت (شیخ نظام الدین) سے ملاقات کرنا اور میرا سلام پہنچانا اور وہ جس جگہ حکم فرمائیں وہاں رہنا۔ حضرت شیخ عثمان سیاح نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ دہلی پہنچے تو اول حضرت شیخ نظام الدین سے ملے اور حضرت شیخ رکن الدین کا سلام پہنچایا۔ چنانچہ حضرت (نظام الدین) اٹھے اور (جواب میں) وعلیکم السلام فرمایا اور شیخ عثمان سیاح سے اس قدر اظہار محبت فرماتے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ شیخ عثمان اکثر سماع میں وجد و حال کی کیفیت میں آ جاتے اور از خود رفتہ ہو جاتے۔

یہ بات اس محضر سے پہلے کی ہے کہ جو سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی وجہ سے جاری کیا تھا۔

مجلس سماع

(غیاث الدین تغلق نے) ایسا حکم دیا تھا کہ اگر کوئی مطرب یا قوال گانا گائے اور ایک آواز بھی منہ سے نکالے تو گدی سے اس کی زبان کھینچ لی جائے۔ چنانچہ کسی قوال کی یہ ہمت نہ تھی کہ اس زمانے میں گانا گا سکے۔ ایسا سنا گیا ہے کہ عثمان سیاح اپنے جماعت خانے میں بیٹھے تھے، امیر ساخت[۱] کا بیٹا حسن قوال کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین نے اس پر کرم و نوازش فرمائی تھی اور انھوں نے اس کو تمام قوالوں کا سردار بنا دیا تھا، شیخ عثمان سیاح [۱۳۵] کے جماعت خانے کے دروازے پر سے ہو کر گزرا۔ دو تین اور (قوال) اس کے ہمراہ تھے۔ اس نے حضرت شیخ (عثمان سیاح) کو بیٹھے دیکھا چونکہ وہ جانتا تھا کہ حضرت شیخ نظام الدین کے راز دار اور دوست ہیں، وہ فوراً (جماعت خانے) میں داخل ہوا

---

۱ - در نسخۂ اول امیر شاہ (ص ۲ : ۸)۔

اور شیخ (عثمان سیاح) سے ملاقات کر کے بیٹھ گیا ۔ حضرت شیخ اس کے گانے پر فریفتہ تھے ۔ انھوں نے جب اس کو دیکھا تو اپنے قریب بلایا فرمایا کہ اے حسن ! کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ نقش و عمل (اقسام سرود) سے کوئی چیز آہستہ آہستہ میرے کان میں کہے ۔ اس نے جواب دیا کہ اے شیخ ! آپ خوب جانتے ہیں کہ سلطان کا کس قدر تاکیدی حکم ہے کہ کوئی شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن نہیں پڑھ سکتا چہ جائیکہ گانا ، پھر شیخ نے فرمایا کہ یہاں کوئی غیر نہیں ہے ، دروازے کی زنجیر ڈالے دیتا ہوں ، آہستہ آہستہ سن لوں گا ۔ جب حسن مذکور نے شیخ کا اس قدر اصرار دیکھا تو وہ بھی مجبور ہو گیا ۔ اس نے ایک شعر پردۂ عشاق (اسلوب سرود) میں شروع کیا ۔

زاہد زدین برآمد و صوفی ز اعتقاد　　　ترسا بھدی شد و عاشق ہماں کہ ہست

اس کے سنتے ہی حضرت شیخ از خود رفتہ ہو گئے اور وجد کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ کے واسطے بلند آواز سے کہو ۔ حسن بھی حضرت شیخ (عثمان) کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہو گیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ جیسا کہ (گانا) چاہیے تھا شروع کر دیا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دیں ۔ اس کے سنتے ہی تقریباً دو سو قوال داخل ہو گئے اور جہاں جہاں صوفی تھے وہ بھی سب سماع میں آ گئے ۔ چنانچہ ایک عجیب شور و غل برپا ہو گیا ، کیا اہل حال اور کیا تفریح کرنے والے ہزاروں آدمی جمع ہو گئے ۔ دہلی سے تغلق آباد تک کہ ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے ، حضرت شیخ نے اس مجمع کے ساتھ تغلق آباد کا راستہ لیا ۔ تمام مخلوق ، ادنیٰ و اعلیٰ سب متحیر تھے کہ دیکھیے کیا فتنہ انھتا ہے کہ گانے کے متعلق سلطان کا حکم اس قدر تاکید کے ساتھ ہے ۔

مختصر یہ کہ جب تغلق آباد کے قریب پہنچے ، سلطان بالا خانے پر بیٹھا تھا ۔ اس نے اپنے درباریوں سے دریافت کیا کہ کیسا مجمع ہے جو دہلی کی طرف سے آ رہا ہے ۔ ملک شادی جو اس کے خاص آدمیوں میں سے تھا ، اس کو دوڑایا کہ جاؤ اور کیفیت معلوم کرو ۔ ملک مذکور دوڑا ہوا آیا ۔ اس نے دیکھا کہ حضرت شیخ عثمان سیاح ہیں اور ان کے ساتھ بے شمار صوفی اور قوال ہیں اور وجد میں گاتے ہوئے چلے آ رہے ہیں ۔ اس نے فوراً تمام حال سلطان سے عرض کیا ۔ سلطان نے کہا کہ

---

۱ ۔ نسخۂ اول (۲ : ۹) ''بانہیں'' ۔

نذ کرو خسرو خاں لائیں تا کہ میں دیکھوں کہ اس شیخ نے کتنے لاکھ تنکے شکرانے میں لیے تھے۔ اگر کچھ لیا ہوگا تو سخت سزا دوں گا۔ اور یہ بات سب پر ظاہر تھی کہ حضرت شیخ (عثمان سیاح) نے خسرو خان کے مال سے ایک درہم یا دینار بھی قبول نہیں کیا تھا۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت شیخ نے اس کے نذرانے کو رد کر دیا تھا۔ جب سلطان کو یہ بات معلوم ہوئی تو فوراً ملک شادی سے کہا کہ حضرت شیخ کو ایک خاص محل میں لے جاؤ، خاص (شاہی) مطبخ سے ان کو کھانا اور شیرینی پہنچاؤ [۱۳۶] اور ہمارا سلام کہو، اور قوالوں کو انعام دلواؤ۔ ملک مذکور نے ایسا ہی کیا بلکہ کچھ زیادہ ہی کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کو اس جماعت کے ہمراہ تین روز تک مہمان رکھا اور معقول شکرانہ پیش کیا۔ حضرت شیخ اس کے شکرانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور تغلق آباد سے غیاث پور چلے آئے، جہاں شیخ نظام الدین تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء سے ملے اور وہ محضر کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد یہ واقعہ ہوا تھا۔ حضرت شیخ عثمان سیاح کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر سلطان المشائخ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے بہت سے مرید ہیں۔ اگر سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔

وصال

مولانا اسماعیل احمد زال[۲] سے سنا ہے کہ رحلت فرمانے سے تین مہینے پہلے (شیخ رکن الدین ابوالفتح نے) مخلوق کی طرف سے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور کسی وقت اپنے خاص حجرے سے باہر نہیں آتے تھے مگر فرض نماز کے وقت مقررہ امام (حجرے کے) اندر چلا جاتا تھا اور فرض ادا کرنے کے بعد باہر چلا آتا تھا[۳]۔ ۱۶ ماہ رجب پنجشنبہ کے دن نماز عصر کے بعد مولانا ظہیر الدین محمد کو کہ جو حضرت کے خاص خادم تھے، اندر بلایا اور حکم دیا کہ جاؤ اور ہماری تجہیز و

۱۔ مؤلف مزارات اولیائے دہلی (ص ۵۵) نے لکھا ہے کہ شیخ عثمان سیاح کا انتقال ۷۳۸ھ میں ہوا۔

۲۔ در نسخۂ اول (۲ : ۱۰) و فرشتہ (۲ : ۴۱۲) "ذاکر"۔

۳۔ در نسخۂ اول (۲ : ۱۱) ادائے فرض کی غرض سے باہر آتے اور پھر حجرہ میں چلے جاتے۔

تکفین کا سامان کرو ۔ چنانچہ مولانا ظہیر الدین مذکور باہر آئے اور انہوں نے اس بات کو ان درویشوں سے جو محرم راز تھے اور معرفت میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے بیان کیا ۔ سب نے سمجھ لیا کہ آج کی رات ضرور حضرت کی رحلت ہے ۔ مغرب کی نماز کے وقت مقررہ امام کو اندر بلایا اور فرض نماز ادا کی ۔ نماز اوابین کے بعد سجدے میں سر رکھا اور انتقال فرما گئے[1] ۔

حضرت کے کوئی صلبی فرزند نہ تھا کہ جس کو سجادہ اور خرقہ سپرد کرتے ۔ اس زمانے تک ان کے بھائی کی اولاد سے جن کا نام شیخ اسماعیل تھا ، وہی صاحب سجادہ ہوئے ، وہی رہنمائے عالم (شیخ رکن الدین ابوالفتح) کے سجادے پر بیٹھتے ہیں اور خدا کے بندوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں ۔

---

۱ ۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کا وصال ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء میں ہوا ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری دسمبر ۱۹۶۲ء کو حضرت رکن الدین کی درگاہ پر حاضر ہوا اور فاتحہ پڑھی ۔

شیخ محمد حمید الدین ناگوری

آن مخزن گنج سر عرفاں | واں مطلع نور ذات سبحاں
آں قفل کشائے باب تحقیق | واں رہبر طریق تصدیق
باریدہ بکشت جانش از غیب | باراں سحاب فضل لاریب
در علم و عمل دلش یگانہ | در یافتہ نور جاودانہ
در جذبہ دیں کشیدہ حق | در نور یقیں گزیدۂ حق
خورشید سپہر عز و تمکین | یعنی کہ حمید و دولت دیں
ہموارہ محبتش ملائم | در جام جالی است دائم

وہ علم و وقار کے کوہ قاف ، علم و اسرار کی صاف لہر ، اللہ کے طالبین کو فیض پہنچانے والے اور درگاہ (خداوندی) کے سفر کرنے والوں کے پیشوا اور سفیان ثوری کی مثل تھے - شیخ محمد حمید الدین ناگوری، اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور ہمیشہ [۱۳۷] شبت کے کھیت میں معرفت کا بیج بویا کرتے تھے -

دہلی میں آمد

وہ بخارا کے رہنے والے تھے - اپنے والد عطاء اللہ محمود کے ہمراہ بخارا سے سلطان معز الدین سام کے زمانے میں دارالخلافہ دہلی آئے - علم ظاہری میں وہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے لیکن اس زمانے میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی - ان کے والد نے دہلی میں انتقال کیا [۱] - ان کو ناگور کا قاضی کر دیا گیا - وہ تین سال تک ناگور کے قاضی رہے ، لیکن ایمانداری اور پرہیزگاری میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے - ایک رات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو خواب میں دیکھا کہ گویا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم ان کو اپنے پاس بلا رہے ہیں -

شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت

انہوں نے علی الصباح دنیا کو ترک کر دیا - کسی کو خبر نہ کی اور وہاں

---

۱ - خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۳۰۹ -

سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب بغداد پہنچے تو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے ملے، ان کے مرید ہوگئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ایک سال تک حضرت کی خدمت میں رہے، وہیں ان کی باطن کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے بے انتہا فیوض حاصل کیے۔ حضرت شیخ المشائخ قطب الدین وہاں موجود تھے، ان سے ملاقات کی۔ وہ (حمید الدین ناگوری) ان سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے اجازت لی اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہ ایک سال دو ماہ اور آٹھ دن[1] حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مجاور رہے۔ وہاں سے مکۂ معظمہ آئے۔ تین سال تک وہاں بھی مجاور رہے، بہت سے بڑے بڑے اولیاء سے ملاقاتیں کیں اور فیوض حاصل کیے۔

ظاہری طاعت سہل

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے نقل ہے کہ جب شیخ حمید الدین ناگوری بیت اللہ کے طواف میں مشغول تھے تو انھوں نے ایک بزرگ کو بیت اللہ کے طواف میں دیکھا اور ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ جہاں وہ بزرگوار قدم رکھتے تھے، شیخ حمید الدین بھی بہ نظر برکت ان کے قدم کی جگہ اپنا قدم رکھ دیتے تھے۔ ان صاحب کمال بزرگوار نے اس حالت کی اطلاع پائی اور شیخ مذکور کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ اے حمید! ظاہری اطاعت کر لینا سہل ہے، مجھ کو جو چیز طواف میں حاصل ہے اس کی متابعت کر۔ شیخ حمید الدین نے عرض کیا کہ مخدوم! آپ کو طواف میں کیا چیز حاصل ہے جس کو میں نہیں کر سکتا۔ ان بزرگوار نے فرمایا کہ مجھ کو ہر قدم پر ختم کلام اللہ حاصل ہے۔ شیخ حمید الدین حیران ہوئے، دل میں یہ خیال آیا کہ شاید قرآن کے معانی ان کے دل میں گزرتے ہوں گے۔ جیسے ہی یہ خیال ان کے دل میں گزرا تو ان بزرگوار نے فرمایا

اقرا لـمـلـفـوظـا لا مـوهـومـا   میں زبان سے پڑھتا ہوں، وہم و خیال سے نہیں (پڑھتا ہوں)۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کے لوگوں سے ملاقات ہوئی اور وہاں سے واپس ہوئے اور

---

۱ - در نسخۂ اول (ص ۱۲) ''سات دن''۔

سیر کرتے ہوئے دارالخلافہ دہلی پہنچے۔ حضرت شیخ المشائخ والاولیاء قطب الدین بختیار اوشی وہاں تھے، ان سے ملاقات کی۔ زندگی و موت میں ان سے جدا نہیں ہوئے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگواروں کے مزار ایک ہی جگہ واقع ہیں اور وہ حضرت شیخ قطب الدین سے خلوت و جلوت میں علیحدہ نہیں ہوتے۔

صغیر بہ از کبیر

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی [۱۴۸] سے منقول ہے کہ حضرت شیخ محمد حمید الدین نہایت لطیف طبع تھے۔ اکثر ان کی گفتگو لطافت و ظرافت سے عبارت ہوتی۔ ایک دن شیخ کبیر خوارزمی جو علمائے کبار میں سے تھے اور مولانا برہان الدین بلخی عراقی گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ شیخ حمید الدین ایک خچر پر سوار پیچھے سے پہنچ گئے۔ جب ان لوگوں نے ان کو دیکھا تو اپنے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور ان کے لیے درمیان میں جگہ دی اور چل دیے۔ شیخ کبیر نے شیخ (حمید الدین) کی طرف رخ کیا، مسکرائے اور کہا کہ تمھارا گھوڑا بہت چھوٹا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ

اگرچہ صغیر است فاما در روش بہ از کبیر است	اگرچہ چھوٹا ہے لیکن چال میں کبیر (بڑے) سے بہتر ہے[1]

سماع

شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ اگرچہ شیخ حمید الدین ناگوری، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے لیکن سماع میں ان کو غلو تھا اگرچہ بعض سہروردی حضرات سماع کبھی اتفاق سے سنتے ہیں لیکن خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی صحبت کی وجہ سے اس کام میں بہت انہماک اور غلو تھا بلکہ دارالخلافہ دہلی میں باوجودیکہ سماع کے منکر اور دشمن تھے لیکن انھوں نے سماع کا سکہ جما دیا تھا۔

مولانا رکن الدین سمرقندی

کہتے ہیں کہ سلطان شمس الدین کے کوشک سفید کے نزدیک انھوں نے ایک درویش کے مکان میں دعوت کی، چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار اوشی وہاں تشریف لائے۔ حضرت شیخ محمد حمید الدین بھی ہمراہ تھے اور دوسرے اہل حال

---

۱ - دیکھیے فوائد الفواد ص ۴۰۸ - ۴۰۹، اخبار الاخیار ص ۴۳۔

اور صاحب کمال درویش بھی آئے۔ ناگاہ مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر کر دی گئی کہ فلاں مقام پر سماع کا مجمع ہے۔ مولانا مذکور اس کے سخت خلاف تھے۔ وہ اپنے گھر سے خدمت گاروں اور طالب علموں کی جماعت لے کر چل پڑے تا کہ اہل سماع کو زور اور سختی سے روک دیں۔ اتفاق سے ایک درویش تھا جس کو علی شوریدہ کہتے تھے۔ وہ باہر سے اندر آیا اور اس نے شیخ قطب الدین اوشی سے مولانا رکن الدین سمرقندی کا ان کی جمعیت کے ساتھ پہنچنے کا حال بیان کیا۔ حضرت شیخ قطب الدین نے اپنا رخ شیخ حمید الدین کی جانب کیا۔ شیخ نے صاحب خانہ کو بلایا اور کہا کہ تو کسی کونے میں چھپ جا، تجھ کو کتنا ہی بلائیں حاضر نہ ہونا۔ اگر صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر کہ تو صاحب خانہ ہے، مولانا رکن الدین گھر میں داخل ہوئے تو پہلے ہم ان سے مواخذہ کریں گے۔ یہ کہا اور سماع میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ مولانا سمرقندی دروازے پر آ گئے۔ انہوں نے صاحب خانہ کو بلایا۔ ہر ایک نے یہ کہہ دیا کہ وہ موجود نہیں ہے بلکہ کسی کام سے گیا ہے۔ مولانا (سمرقندی) نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہو جاؤں تو مجھ سے مواخذہ کیا جائے گا۔ کچھ دیر کھڑے رہے، پھر چلے گئے اور اندر داخل نہ ہو سکے[1]۔ [۱۰۹]

شرف الدین بحری

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ وہ علماء بھی کہ جن کو بحریاں کہتے تھے، شیخ حمید الدین سے مخالفت رکھتے تھے اور مستقل طور پر وہ ان کے منکر تھے، یہاں تک کہ مولانا شرف الدین بحری بیمار ہو گئے۔ حضرت شیخ حمید الدین نے جب ان کی علالت کی اطلاع پائی تو اس صفاء و صدق کی وجہ سے کہ جو درویشوں میں ہونا چاہیے، وہ مولانا مذکور کے دروازے پر عیادت کی غرض سے گئے۔ مولانا مذکور کو ان کے پہنچنے کی اطلاع کی گئی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ شخص جو سماع سنتا ہے اور خدا تعالیٰ کو معشوق سمجھتا ہے، میں ہرگز اس کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، نہ اپنا منہ اس کو دکھانا چاہتا ہوں۔ ایسے شخص کو میرے گھر میں نہ آنے دینا۔ غرض یہ کہ (شیخ حمید الدین کو) اندر نہ آنے دیا[2]۔ آخر کار

---

۱ - فوائد الفواد ص ۷-۲۰۶ - ۲۰۸ -
۲ - فوائد الفواد ص ۲۰۸ -

جب شیخ حمید الدین کے سماع کا ذکر بہت ہوا تو اس زمانے کے بہت سے علماء نے ان پر فتویٰ دے دیا اور اس (سماع) پر تحریریں لکھیں۔ حضرت شیخ نے کوئی توجہ نہیں کی اور اپنے کام میں مستقل مزاج رہے۔

اس زمانے میں ایک فقیہ تھے کہ جن کو مولانا داؤد تبریزی کہتے تھے، وہ شیخ کے پاس آئے، انھوں نے بھی کسی فتوے پر یہ عبارت لکھ دی تھی:

مرقوم داشتہ درست است

انھوں نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا اور جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد شیخ حمید الدین نے فرمایا کہ وہ لوگ کہ جنھوں نے استفتاء پوچھا ہے اور تحریریں لکھی ہیں، وہ ابھی تک ماؤں کے پیٹ سے باہر نہیں آئے ہیں، تم ماں کے پیٹ سے ابھی باہر آئے ہو اور اس بچے کے مثل ہو جو انتہائی کمزوری کی وجہ سے دودھ بھی نہیں پی سکتا[1]۔

تصانیف

سلوک و اسرار کے موضوع پر حضرت حمید الدین کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً لوائح[2] اور طوالع شموس، کہ جس کا نام شرح نودنہ ہے، دو جلدوں میں پوری ہوتی ہے اور اس کتاب کو اہل کمال اور صاحب حال کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں سمجھ سکتا۔

منقول ہے کہ جب قطب الدین کاشانی شہر دہلی میں پہنچے تو وہ کہتے تھے کہ میں شیخ حمید الدین ناگوری کی محبت کی وجہ سے اس شہر میں آیا ہوں۔ انھوں نے ایک دن ان (حمید الدین ناگوری) کا مجموعۂ رسائل طلب کر کے دیکھنا شروع کیا اور علماء سے جو ان کے ہمراہ تھے فرمایا کہ اے دوستو! سمجھو اور واقف ہو جاؤ کہ ہم نے اور تم نے جو کچھ پڑھا ہے، وہ سب ان رسائل میں ہے اور جو کچھ

۱۔ فوائد الفواد ص ۳۰۹۔

۲۔ لوائح کا حوالہ فوائد الفواد میں دو جگہ (ص ۲۲۰ و ص ۲۷۳) آیا ہے۔ راحت القلوب (ص ۲۹، ۳۰، ۲۰۵) میں ایک کتاب راحت الارواح کا بھی ذکر ملتا ہے (بزم صوفیہ ص ۸۸) نیز دیکھیے اخبار الاخیار (ص ۴۳) و تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۶۹ - ۱۷۰، ثمرات القدس ورق ۱۶۸ ب، گلزار ابرار ص ۳۷ - ۳۸۔

ہم نے اور تم نے نہیں پڑھا ہے اور نہ سمجھا ہے ، وہ بھی ان رسائل میں ہے ۔

شیخ احمد نہر والی بدایونی

سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ شیخ حمید الدین ناگوری ایسے صاحب حال اور صاحب کمال تھے کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتے تھے اور ہر ایک کو مرید نہیں کرتے تھے ۔ انھوں نے تمام عمر صرف تین مرید کیے اور وہ تینوں مرید صاحب کشف ہوئے اور کشف و کرامات میں مشہور ہوئے ۔ ان میں سے ایک شیخ احمد نہروالی تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین (اوشی) کو ان سے بہت محبت و مؤدت تھی ۔ حضرت اور [۱۵۰] شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ، شیخ احمد نہروالی کے برابر نہ کسی کو پسند کرتے تھے اور نہ کسی کی تعریف کرتے تھے ۔ وہ ان کی شان میں فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ احمد کا استغراق اور ان کی مشغولی دس صوفیوں کے برابر ہے[1] ۔ وہ کپڑا بننے کا کام کرتے تھے[2] ۔

ایک رات ایک چور ، چوری کی غرض سے ان کے گھر میں داخل ہوا ۔ گھر کے چاروں کونوں میں گھوما مگر کچھ نہ پایا ۔ اس نے چاہا کہ باہر جائے ، حضرت احمد (نہروالی) مشغول (عبادت) تھے ، وہ چور کے حال سے واقف ہو گئے ۔ انھوں نے آہستہ سے آواز دی کہ تھوڑی دیر ٹھہر جا ، خالی ہاتھ نہ جا ۔ چنانچہ اس سوت سے جو کپڑا بننے کو چڑھایا تھا اور دس بارہ گز کپڑا بن چکے تھے ، (کپڑا) کاٹ کر چور کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ اس کو اٹھا اور سلامتی سے چلا جا[3] ۔

جب صبح ہوئی تو چور اپنے متعلقین کے ہمراہ ان کے پاس آیا ، اس نے چوری سے توبہ کی اور ان کی خدمت میں رہا ، یہاں تک کہ وہ (چور) خدا رسیدہ ہوا ۔ اور ان (نہروالی) کے بہت سے مرید ہوئے ۔ جب وہ جامع مسجد کو جاتے تو مریدوں کا ایک گروہ آتا چنانچہ جب علی شوریدہ نے ان کی جماعت کو دیکھا تو شرمائے ۔

ایک دن وہ (شیخ احمد نہروالی) مریدوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ ایک ترک اس پر ظلم کر رہا ہے اور بلا وجہ زدو کوب

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۲۸۹ ۔
۲ ۔ خیر المجالس ص ۲۷۶ ۔
۳ ۔ فوائد الفواد ص ۳۳۱ ۔ ۳۳۲ ۔

کر رہا ہے - شیخ نے اپنے تمام مریدوں کو حکم دیا کہ اس مظلوم کے چاروں طرف حلقہ بنا لیں اور اس ترک کو اس حرکت سے باز رکھیں۔ اسی دوران میں علی شوریدہ بھی آ گئے - جب شیخ احمد نے علی مذکور کو دیکھا تو مسکرائے اور کہا کہ اے علی ! ہم جو جماعت اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ اسی لیے ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچائیں۔ -

عین الدین قصاب

(شیخ حمید الدین ناگوری کے) دوسرے مرید شیخ عین الدین قصاب تھے[2] کہ جو شہر دہلی کے نوبتہ بازار میں قتارہ (لکڑی یا لوہا) کھڑا کرتے اور (اس پر) گوشت فروخت کیا کرتے تھے۔ نہایت اہل کشف اور صاحب کرامت تھے، جس کے حق میں جو بات کہتے وہی ہو جاتی۔ شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ میں نے ان قصاب کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ مخلوق ان سے فیوض و برکات حاصل کرتی تھی - قاضی فخر الدین ناتلہ ابتدائی زمانے میں ان کے پاس بہت جایا کرتے تھے - ایک مرتبہ شیخ عین الدین قصاب نے کہا کہ فخر الدین تمہارا کیا مطلب ہے ؟ انھوں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں - ان کو جواب دیا کہ جاؤ تم شہر کے قاضی ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا -

ایک دوسرا آدمی ان کے پاس آیا۔ اس سے بھی کہا کہ تیرا کیا مقصد ہے - اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ امیر داد ہو جاؤں۔ انھوں نے فرمایا کہ جا امیر داد ہو جائے گا۔ وہ بھی ایسا ہی ہو گیا -

مولانا وجیہ الدین ابتدائے حال میں ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان سے پوچھا کہ میرے پاس رہنے سے تمہارا کیا منشاء ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ عالم ربانی ہو جاؤں - وہ بھی ان کے کہنے کے مطابق عالم اور اہل تقویٰ ہو گئے -

---

۱ - فوائد الفواد ص ۲۸۹ - ۲۹۰ - دور آخر کے تذکروں میں شیخ احمد نہروالی کا سنہ وصال ۱۱۶۶ھ لکھا ہے۔ دیکھئے تذکرۃ الواصلین ص ۵۷ - ۶۰، مجموعۂ کرامات ہفت احمد ص ۲۱ - ۲۶، مراۃ احمدی (حالات احمد نہروالی) از منشی قدرت اللہ بدایونی ، امیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۲۷ھ -

۲ - دیکھیے مزارات اولیائے دہلی ص ۶۳ - ۶۴ -

ایک اور آدمی جس کا نام مولانا احمد تھا اور ان کی خدمت میں بہت رہتا تھا، اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے - اس نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی محبت چاہیے - [۱۵۱] وہ بھی خدا رسیدہ ہوا[۱] -

شیخ شاہی رسن تاب بدایونی

(حمید الدین ناگوری کے) تیسرے مرید شیخ شاہی رسن تاب تھے جو بداؤں میں رہتے تھے اور رسیاں بٹا کرتے تھے - وہ بڑے صاحب کشف اور بل حال تھے - لوگ ان کو شیخ شاہی روشن ضمیر کہتے تھے - ایک روز حضرت حمید الدین ناگوری نے ان کو خرقہ دیا اور حضرت شیخ محمود موینہ دوز سے کہلا بھیجا کہ میں نے آج اس جوان کو خرقہ پہنا دیا ہے - یہ جوان صاحب حال اور عبادت گزار ہے - آپ کیا فرماتے ہیں ؟ شیخ محمود موینہ دوز نے فرمایا کہ آپ نے یہ کام نہایت پسندیدہ اور برگزیدہ کیا ہے - آپ کا جو کام بھی ہوتا ہے بہت پسندیدہ اور مستحسن ہوتا ہے[۲] -

اس کے بعد ان (شیخ شاہی) کو شہر بدایوں کی طرف بھیج دیا تاکہ وہاں رہیں - جب بداؤں پہنچے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے تو ہمیشہ اپنے کام (ریاضت) میں مشغول رہتے اور بندگان خدا کو ہدایت فرماتے - ان کا عجیب طریقہ تھا -

شرط الصاف و محبت

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ شاہی اپنے دوستوں اور مریدوں کے ہمراہ ایک باغ میں بیٹھے تھے - انھوں نے فرمایا کہ کھیر پکاؤ - دو تین مریدوں سے کھیر پکانے کی فرمایش کی - جب ان کے اور تمام درویشوں کے سامنے کھیر رکھی گئی تو پہلے ہی لقمے میں سمجھ گئے کہ اس میں سے کچھ خیانت اور نقصان کیا گیا ہے - جن مریدوں نے کھیر تیار کی تھی ان کو حاضر کیا گیا - فرمایا کہ دوستو ! کیا معاملہ ہے - تم میں سے کسی نے دوستوں (کے کھانے) سے پہلے اس کھانے میں ہاتھ ڈالا ہے - انھوں نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے ہاتھ نہیں ڈالا ہے لیکن جب دودھ جوش میں آیا اور وہ ابھرنے لگا اور زمین پر گرنا شروع ہوا تو ہم نے اس کو ضائع نہیں ہونے دیا،

---

۱ - فوائد الفواد ص ۲۱۱ - ۲۱۲ مگر اس میں عین الدین نام مذکور نہیں ہے -
۲ - فوائد الفواد ص ۲۸۸ - ۲۸۹ ، اخبار الاخیار ص ۵۵ -

اس کو ضرور کام میں لیا اور اس میں سے تھوڑا سا پی لیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ زمین پر بہہ جانے دیتے یا دوسرے پیالے میں لے لیتے اور اس کو امانت رکھتے کہ حاضرین کا حصہ ہوتا ۔ انہوں نے کہا کہ اب تو ہم سے یہ غلطی ہو گئی ، ہم کوڑے ہیں ، جو کچھ اس کا تدارک ہو حکم فرمائیے ۔ شیخ شاہی نے حکم دیا کہ ان کو دھوپ میں کھڑا کیا جائے ، یہاں تک کہ دوستوں سے پہلے انہوں نے جتنا دودھ پی لیا ہے اتنا ان کا پسینہ نکل جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ جب ان کا خوب پسینہ نکل گیا تو اس کے بعد ان کو سایے میں بلایا ۔ اور حجام کو طلب کیا اور اس سے فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا پسینہ بہا ہے وہ اتنا ہی خون میرے جسم سے نکالے اور زمین پر بہا دے تا کہ انصاف و ادب کے مطابق ہو جائے ۔ انصاف و محبت کی یہی شرط ہے ۔ اس کے بعد اپنے جسم مبارک سے خون نکلوایا اور زمین پر گرا دیا[۱] ۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤید بداؤں میں

شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ جب شیخ نظام الدین ابوالمؤید کہ جو شیخ جمال[۲] کے دادا ہیں اور شیخ جمال شہر کول (علی گڑھ) میں مدفون ہیں [۱۵۲] دارالخلافہ دہلی سے شہر بداؤں میں آئے تو بیمار ہو گئے ۔ ان کی یہ حالت ہو گئی کہ نماز کے لیے بھی اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا ، یہاں تک کہ کروٹ بدل کر بھی نہیں سو سکتے تھے ۔ ایک دن شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے (شیخ شاہی سے) کہا کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ میں اس بیماری سے نجات پاؤں ۔ شیخ شاہی نے کہا کہ مخدوم کامل ہیں اور میں ایک ناقص بازاری آدمی ہوں ۔ میری کیا حیثیت ہے کہ آپ جیسی ہستی کے لیے دعا کروں لیکن حضرت شیخ (نظام الدین ابوالمؤید) نے نہیں مانا اور کہا کہ ضرور دعا کیجیے اور توجہ فرمائیے ۔ اس کے بعد شیخ شاہی مذکور نے کہا کہ چونکہ آپ مجھ سے اس کام کے لیے کہتے ہیں ، میرا ایک دوست ہے ، شرف الدین نام ہے ، اس کی دوکان میری دوکان کے نزدیک ہے اور وہ درزی کا کام کرتا ہے ، اس کو بلانا چاہیے ۔ آخر کار شیخ نے ایسا

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۱۵۸ - ۱۵۹ ، خیرالمجالس ص ۲۱۰ - ۲۱۱ ۔
۲ ۔ شیخ جمال کے احوال کے لیے دیکھیے اخبارالجمال معروف بہ اشجار الجمال (مصنفہ راجی محمد ، قلمی) ۔

ہی کیا ، اس کو بلایا گیا ۔ شیخ شاہی نے شرف الدین خیاط سے کہا کہ حضرت شیخ کو سخت بیماری لاحق ہے ۔ ناف سے لے کر اوپر کا حصہ میرے ذمے ہے اور ناف سے پیر تک تمھارے ذمے ہے ۔ دونوں نے مراقبہ کیا اور اٹھے ۔ شیخ شاہی نے اپنا ہاتھ سر سے ناف تک پھیرا اور شرف الدین خیاط نے ناف سے قدم تک ہاتھ پھیرا ۔ اسی وقت شیخ نظام الدین ابوالمؤید اٹھ بیٹھے ۔ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور پوری طرح صحت یاب ہو گئے[1] ۔

شیخ شاہی رسن تاب بدایونی کا وصال

شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ جب شیخ شاہی سے کرامت اور مکاشفے ظاہر ہوئے تو بے انتہا مخلوق نے ان کی جانب رخ کیا اور ایک جماعت فراہم ہو گئی ۔ بداؤں میں ایک درویش تھے جن کو محمد نخاسی[2] کہتے تھے ۔ ایک مرتبہ مسجد میں شیخ شاہی سے ان کی ملاقات ہو گئی ۔ شیخ شاہی کا رنگ کالا تھا ۔ درویش محمد نخاسی نے جب ان کو دیکھا تو فوراً (ان کی) زبان سے نکلا کہ اے کالے ! تو نے بہت ہنگامہ گرم کر رکھا ہے ۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تو جل نہ مرے ۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے اسی زمانے میں شیخ شاہی کے مکان میں آگ لگ گئی ۔ وہ چاہتے[3] تھے کہ باہر نکل آئیں مگر نہ نکل سکے ، اسی جگہ[4] جل گئے ۔ مختصر یہ کہ

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۱۵۹ ، اخبار لاخیار ص ۵۵ ۔

۲ ۔ فوائد الفواد (ص ۲۹۱) سے یہ واقعہ مقتبس ہے ، اس میں مسعود نخاسی تحریر ہے ۔ مسعود نخاسی کے لیے دیکھیے تذکرۃ الواصلین ص ۴۲ - ۴۳ ۔

۳ ۔ بدایوں کے دور آخر کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے شیخ شاہی رسن تاب کا ۲۴ رمضان ۶۳۲ھ میں انتقال ہوا ۔ تذکرۃ الواصلین ص ۴۰ ، حیات شیخ شاہی ص ۳۶ ، نزہتہ الخواطر (۱ : ۱۴۱) عہد تغلق اور عہد اکبری میں درگاہ کی تعمیر اور مرمت ہوئی ۔ اسی زمانے میں درگاہ کے لیے کئی مواضعات معاف ہوئے ۔ دیکھیے حیات شیخ شاہی ص ۴۱ - ۴۴ ۔

۴ ۔ شیخ شاہی رسن تاب کے دوسرے بھائی ابوبکر موئے تاب تھے جو حضرت شیخ شاہی رسن تاب کے جانشین ہوئے ۔ ۶۵۱ھ سے قبل ان کا وصال ہوا ۔ شیخ شاہی رسن تاب کے یہ واقعات فوائد الفواد (ص ۱۵۸ - ۱۵۹ نیز ص ۲۸۸ - ۲۹۱) اور خیرالمجالس (ص ۲۱۰ - ۲۱۱) سے مقتبس ہیں ۔ فوائد الفواد میں شیخ شاہی رسن تاب کو ہر جگہ شاہی موئے تاب لکھا گیا ہے ۔ اسی طرح خیرالمجالس میں←

اس زمانے میں یہ اہل کسب[1] درویش تھے کہ جنہوں نے حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سے فیض حاصل کیا تھا [اور اب بھی طالبان حق ان کی تصانیف سے فیض حاصل کرتے ہیں][2] ۔

حمید الدین ناگوری کی تحریر

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے[3] کہ ایک دن میں شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر تھا ۔ حضرت شیخ نے مولانا بدر الدین اسحاق کو حکم دیا کہ جاؤ وہ تھیلی لے آؤ کہ جس میں درویشوں کے وہ خطوط ہیں کہ جو انہوں نے مجھے بھیجے ہیں اور وہ خط جو شیخ حمید الدین ناگوری نے مجھے بھیجا ہے ، نکالو اور پڑھو ۔ مولانا (بدر الدین اسحاق) خطوں کی تھیلی لائے ، جب اس تھیلی میں ہاتھ ڈالا تو وہی خط جو حضرت شیخ چاہتے تھے ان کے ہاتھ میں آ گیا ۔ انہوں نے اس کو نکالا ۔ حضرت (فرید الدین گنج شکر) نے فرمایا [۱۵۳] کہ کھڑے ہو کر پڑھو ۔ بدر الدین اسحاق کھڑے ہوئے اور پڑھنا شروع کیا ۔ اس کی عبارت یہ تھی :

''فقیر حقیر ضعیف نحیف بندہ درویشاں و از سر و دیدۂ خاک پائے ایشاں محمد عطاء المعروف بہ حمید الدین ناگوری'' ۔

اور اس خط میں یہ رباعی بھی لکھی تھی :

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد　　واں روح کجا کہ در جمال[4] تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال　　آں دیدہ کجا کہ بر[5] جمال تو رسد

اگرچہ دونوں بھائیوں کی صراحت ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں ''دو برادر بودند در بداؤں ، یکے شاہی موئے تاب ، دوم شیخ ابوبکر موئے تاب ، شیخ ابوبکر را دیدہ ام اما شیخ شاہی موئے تاب را نہ دیدہ ام'' (خیر المجالس ص ۲۱۰) لیکن دونوں کو موئے تاب لکھا ہے ۔ بدر الدین موئے تاب کا ذکر ضیاء الدین نخشبی نے بھی کیا ہے ۔ دیکھیے سلک السلوک ص ۷۴ و نزہۃ الخواطر ۱ : ۱۲۷ ۔ خاکسار مترجم نے بارہا ان بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی ہے

۱ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۱۹) ایسے کاملین تھے ۔
۲ ۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (۲ : ۱۹) میں موجود نہیں ہے ۔
۳ ۔ فوائد الفواد ص ۲۵۴ - ۲۵۵ ۔
۴ ۔ در فوائد الفواد (ص ۲۵۵) و اخبار الاخیار (ص ۴۳) ''جلال'' ۔
۵ ۔ در فوائد الفواد (ص ۲۵۵) و اخبار الاخیار (ص ۴۳) ''در'' ۔

کہتے ہیں کہ اس روز تمام دن چاشت کے وقت سے شام کی نماز تک حضرت شیخ (فرید الدین گنج شکر) پر اس رباعی کی وجہ سے وجد طاری رہا۔

مجلس سماع اور نزول بارش

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے[1] کہ سلطان شمس الدین التتمش کے زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی وفات کے بعد دہلی میں خشک سالی ہوئی اور غلہ نہایت گراں ہو گیا۔ خلق خدا بہت پریشان ہوئی۔ بہت سے لوگ فاقوں سے مر گئے۔ سلطان شمس الدین نے ایک معتمد سے کہا کہ تم جاؤ اور جو درویش اور اللہ والے اس شہر میں ہیں ان کو میرا سلام نیاز پہنچاؤ اور یہ عرض کرو کہ جنگ و جدل اور ظالموں اور کافروں کا دفع کرنا اور دوسرے فتنوں کا دور کرنا بادشاہوں کا کام ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے لیکن حق تعالیٰ کی جانب توجہ باطنی کرنا اور اہل اسلام اور خلائق خاص و عام کے لیے دعائے خیر کرنا آپ سے متعلق ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرمائیں اور بارش کے لیے دعا کریں تا کہ خدا تعالیٰ آپ کی توجہ اور اخلاص دعا کی برکت سے کرم فرمائے اور مصیبت زدوں پر باران رحمت نازل فرمائے۔

جب یہ پیغام حضرت محمد عطاء یعنی قاضی حمید الدین ناگوری کے پاس پہنچا تو انھوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کو ہمارا سلام پہنچانا اور کہنا کہ درویشوں کے شکرانے کے لیے دعوت کریں کہ سماع کیا جائے اور بارش کے لیے دعا کی جائے۔ جب یہ پیغام بر سلطان کے پاس پہنچا تو اس نے جو کچھ حضرت قاضی سے سنا تھا عرض کیا۔ سلطان خوش ہوا اور کہا کہ چونکہ وہ سماع چاہتے ہیں لہذا بارش ضرور ہوگی۔ ایک فرحت افزا مقام منتخب کیا گیا (حکم ہوا) کہ صاف کیا جائے اور فرش بچھایا جائے۔ بہترین قسم کے کھانے تیار کیے جائیں، خوش لہجہ قوال کہ جو اپنی آواز کی وجہ سے اس شہر میں مشہور ہیں بلائے جائیں اور اہل اللہ سے عرض کیا جائے کہ کل تشریف لائیں۔ جب دوسرا روز ہوا تو جو درویش شہر میں تھے حاضر ہوئے۔ سلطان شمس الدین اور وہ درویش جو اس مجلس میں تھے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت شیخ علی سجزی، حضرت شیخ قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت

---

[1] - خیر المجالس ص ۲۰۴۔

شیخ احمد نہر والی ، کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری اکثر ان کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شیخ احمد کی مشغولی (عبادت) دس صوفیوں کے برابر ہے ، حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی کہ جو حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ اور شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر تھے [۱۵۴] ، سید قطب الدین غزنوی جو شیخ نور الدین مبارک کے بھتیجے تھے ، شیخ نظام الدین ابوالمؤید غزنوی ، حضرت شیخ محمود موینہ دوز اور دوسرے درویش بھی جمع تھے -

سماع کا آغاز ہوا اور سماع کے دوران ہی ہوندا باندی شروع ہو گئی اور اتنی بارش ہوئی کہ درویش بڑی مشکل سے مکانوں پر پہنچے -

وصال

منقول ہے کہ حضرت شیخ حمید الدین کا انتقال ۹ ماہ رمضان ۶۰۵ھ[۱] کو ہوا - ایسا کہا جاتا ہے کہ ان کو کوئی تکلیف نہیں تھی ، نماز و تراویح میں خود قرآن ختم کیا - نماز وتر کے بعد سر مبارک سجدے میں رکھا اور جان بحق ہوگئے - کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے ہیں -

---

۱ - نسخۂ اول (۲ : ۲۱) میں سنہ نہیں دیا ہے - تذکرہ علمائے ہند (اردو ص ۱۷۰) و اخبار الاخیار (ص ۴۴) میں ۶۰۵ھ لکھا ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا - لطائف اشرفی (ص ۳۶۸) میں ۱۱ رمضان ۶۴۱ھ اور نزہۃ الخواطر (۱ : ۲۱۸) میں رمضان ۶۴۳ھ سال وفات دیا ہے -

سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں (جہاں گشت)

آں گوہر معدن سیادت | سلطان سرادق سعادت
آں حامی دین سلالہ پاک | فرزند نبی خاص لولاک
بانی شریعت و طریقت | استاذ مشائخ و حقیقت
اندر پئے مصطفے در اسلام | از فقر نہادہ گام بر گام
سیاح جہاں براہ دینی | برداشتہ توشہ یقینی
ہم سایر بیت حج اکبر | ہم زاہر روضۂ پیمبر
آمد ز خدا بفتح بابش | مخدوم جہانیاں خطابش
او صدر مشائخ معالی ست | در خدمت او دل جہالی ست

وہ برج سیادت کے ستارے ، درج سعادت کے موتی ، نبی کے پاک (خاندان) کے خلاصے ، اولاد مصطفوی میں منتخب اور حضرت باری تعالیٰ کے قرب میں ممتاز تھے - سید جلال الملت و الدین مخدوم جہاں بخاری خلاصۃ الابرار میں سے تھے اور معرفت میں وہ زبدۃ الاخیار تھے - ظاہری و باطنی علم میں مشائخ کبار میں مسلم تھے اور انوار اور اسرار میں وہ بڑے سمندر کی طرح تھے -

سید جلال سرخ

صحیح روایت ہے کہ جس زمانے میں ان کے دادا سید جلال الدین سرخ[1] شہر بخارا سے قبۃ الاسلام ملتان پہنچے[2] اور حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا

---

۱ - یہ بزرگ مختلف القاب اور اسماء ، میر سرخ ، شریف اللہ ، ابو برکات ، ابواحمد میر بزرگ ، مخدوم اعظم ، جلال اکبر اور عظیم اللہ سے مشہور ہیں (خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۵) -

۲ - اخبار الاخیار میں ہے ، بخارا سے بھکر آئے (ص ۶۱) نیز دیکھیے تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) ص ۳۶۷ -

ملتان کے مرید اور خلیفہ ہوئے اور حضرت کی اجازت سے اوچ شریف[1] میں سکونت اور عیال داری اختیار کی[2]۔ ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے، ایک سید احمد کبیر، دوسرے سید بہاء الدین، تیسرے سید محمد[3]، اور سید احمد کبیر[4] کے دو بے مثل بیٹے ہوئے، ایک تو یہی آفتاب عالم تاب شیخ المشائخ جلال الملت و الدین المعروف بہ مخدوم جہانیاں[5] دوسرے شیخ المشائخ میاں راجو قتال، وہ بھی ان ہی (مخدوم جہانیاں) کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔

---

۱ - اوچ بہاول پور (پاکستان) میں واقع ہے۔ اسٹیشن ڈیرہ نواب صاحب (احمد پور شرقیہ) سے اوچ کو بس جاتی ہے۔ یہ قصبہ تین حصوں اوچ بخاری، اوچ گیلانی اور اوچ موغلان پر مشتمل ہے۔ دیکھیے تاریخ اوچ ص ۹۵ -

۲ - سید جلال سرخ نے بھکر کے رئیس بدر الدین ابن صدر الدین خطیب کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ٦۱، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۷-۳۸، تحفۃ الکرام ص ۳٦۷ - ۳۸۹ -

۳ - تفصیل کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۸۷، الفرع النامی من الاصل السامی ص ۱۴۰ -

۴ - سید جلال سرخ کا انتقال ۱۹ جمادی الاخریٰ ٦۹۰ھ (۲۰ مئی ۱۲۹۱ء) ہوا - مزید تفصیل کے لیے دیکھیے

(۱) مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۷۷ - ۸۲ -
(۲) تاریخ فرشتہ ۲ : ۷۷۵ -
(۳) الدرالمنظوم ۲ : ٦۷۷ تا ٦۸۷ -
(۴) تاریخ اوچ ص ۹۵ -
(۵) آب کوثر ص ۳۰۹ -
(٦) خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳٦ -
(۷) تذکرہ صدر الدین عارف ص ۱۷۱ -

سید احمد کبیر کے لیے ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء ص ۳۸، تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ۲ : ٦۸۲، الدرالمنظوم ۲ : ۲۳۸، ۵۵۰ - ۵۵۱ نیز مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۸۲ - ۸۵ -

۵ - مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی پیدایش ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ (۱۹ جنوری ۱۳۰۸ء) بروز جمعرات ہوئی۔ ملاحظہ ہو لطایف اشرف ۱ : ۳۹۲، الدر المنظوم ۱ : ۲۳، اخبار الاخیار ص ۱۴۳، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۴، آئین اکبری ۲ : ۲۱۱، تاریخ اوچ ص ۱۰۵ -

شیخ جمال اوچی کی خدمت میں

حضرت سلطان المشائخ والاولیا شیخ بہاء الدین سے منقول ہے کہ جب [۱۵۵] برج سیادت کے ستارے حضرت شیخ (مخدوم جہانیان) سات سال کے ہوئے تو حضرت سید احمد کبیر ان کو شیخ المشائخ شیخ جمال[1] کی خدمت میں لے گئے اور ان کی دست بوسی کرائی ۔ حضرت شیخ جمال نے چھواروں کا ایک طباق سامنے رکھا اور حاضرین میں سے ہر ایک کو چند چھوارے مرحمت فرمائے تو جو چھوارے حضرت سید (مخدوم جہانیان) کو ملے تھے ، حضرت نے ان چھواروں کو کھایا اور چھواروں کی گٹھلیاں بھی نگل گئے ۔ چنانچہ حضرت شیخ المشائخ جمال خنداں رو نے یہ حال دیکھا تو حضرت سے پوچھا کہ ان چھواروں کو گٹھلیوں کے ساتھ کیوں کھا گئے۔ حضرت سید نے کم عمری کے باوجود جواب دیا کہ وہ چھوارے جو آپ جیسے بزرگ سے ملیں، ان کی گٹھلیاں نہیں پھینکنی چاہئیں۔ حضرت شیخ المشائخ جمال خنداں رو نے یہ جواب سنتے ہی فرمایا کہ ہاں بابا ! تم وہ صاحبزادے ہو کہ اپنے خاندان کو بھی روشن کرو گے اور اپنے شیوخ کے خاندان کو بھی[2]۔ اگرچہ حضرت شیخ جمال الدین اپنے والد حضرت سید احمد کبیر کے مرید تھے لیکن ارادت و خلافت سلطان المشائخ شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی سے بھی رکھتے ہیں[3] ۔

---

۱ - مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شیخ جمال محدث سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۶۴۷ھ کے بعد شیخ جمال خنداں رو کا انتقال ہوا ۔ ان کا مزار موجود ہے ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری کئی مرتبہ فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا ہے ۔ ان کے جانشین ان کے فرزند شیخ رضی الدین گنج علم (۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء تا ۷۷۰ھ/ ۱۳۶۸ء ہوئے جو نامی گرامی عالم و فاضل تھے ۔ شیخ رضی الدین نے مدرسہ اور خانقاہ کا خوب انتظام کیا ۔ ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۲۶ - ۲۷ تاریخ اوچ ص ۱۰۹ ، تذکرہ صدر الدین عارف ص ۵۵ ، ذکر کرام ص ۸۵ - ۸۶ الدر المنظوم ص ۴۳ و مابعد۔

۲ - تاریخ فرشتہ (اُردو ترجمہ) ۲ : ۶۸۵ -

۳ - ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۴۲ ، الدر المنظوم ص ۱۸۷ ، آئین اکبری ۲ : ۲۱۱ ، بزم صوفیہ ص ۳۰۰ - ۳۰۱ ، تاریخ فرشتہ ۲ : ۶۸۵ ، خلاصۃ التواریخ ص ۶۲ ، تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص ۳۰۰ - ۳۰۱ -

جہاں گشت

حضرت شیخ صدر الملت والدین کہ جو شیخ راجو قتال (کے لقب) سے مشہور ہیں، منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ جلال الدین مخدوم جہانیاں نے تین سو سے زیادہ اہل کمال سے ملاقات کی، اور ان سے فیض کلی حاصل کیا ۔ دنیا کی ہر سمت میں سفر کیا[۲] اور اس حقیر (جمالی) نے بھی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور بہت سے دوسرے مقامات پر ان (مخدوم جہانیاں) کے متبرک حجرے پائے اور وہاں نماز دوگانہ ادا کی ہے ۔ اس زمانے میں بھی ان حجروں کے مجاور ہیں جو جھاڑو دیتے ہیں اور ان میں چراغ اور قندیل روشن کرتے ہیں ۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت

حضرت کو شیخ عبداللہ یافعی[۳] سے جو مکہ معظمہ میں ایک بڑے عظیم القدر بزرگ تھے نہایت محبت اور صحبت رہی ۔ ایک دن شیخ عبداللہ یافعی نے بیت اللہ میں کہا کہ اگرچہ اس زمانے میں دہلی میں جو درویش تھے ان کا انتقال ہو گیا لیکن ان کا اثر اور ان کی برکتیں حضرت شیخ نصیر الدین میں ہیں اور وہ اس زمانے میں اس شہر (دہلی) کے چراغ ہیں کہ مشائخ کے طریقوں کو اپنے وجود سے روشن رکھے ہوئے ہیں ۔ اسی وقت حضرت سید (جلال الدین) نے نیت کی کہ اگر سفر سے واپس ہوا تو پہلے شہر دہلی میں آؤں گا اور حضرت شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) سے ملوں گا ۔ آخر انھوں نے یہی کیا ۔ جب وہ حضرت (چراغ دہلی) سے ملے تو انھوں نے فوراً فرمایا کہ حضرت شیخ عبد اللہ یافعی کے ارشاد کے ذریعہ سید (مخدوم جہانیاں) کو اس فقیر سے حسن ظن پیدا ہوا [۱۵۶] ۔ حضرت سید نے جواب دیا کہ حضرت شیخ عبد اللہ یافعی پر خدا کی رحمت ہو کہ انھوں نے مجھ کو آپ کی زیارت سے مشرف کرایا اور ان (چراغ دہلی) سے مشائخ چشت کا خرقہ بھی (مخدوم

---

۱ ۔ اخبار الاخیار میں ہے سیاحت بسیار کرد و بسیارے از اولیاء نعمت و برکت یافت (ص ۱۴۲) نیز دیکھیے الدر المنظوم ۱ : ۵ ، لطائف اشرف ۱ : ۳۹۰ ، خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۵۸ ۔

۲ ۔ سیر و سیاحت کے سلسلے میں ملاحظہ ہو مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۱۰۹ ۔ ۱۲۶ ۔

۳ ۔ عفیف الدین عبداللہ بن اسعد یافعی اپنے زمانے کے ممتاز عالم اور شیخ ←

سے) بابا اور (چراغ دہلی نے) حضرت قطب الاقطاب سید جلال کے مناقب بیان کیے ۔ حضرت قطب الاقطاب (مخدوم جہانیاں) کے اتنے مناقب ہیں کہ اس چھوٹی سی کتاب (سیرالعارفین) میں نہیں سما سکتے لیکن گویا ہزار میں سے ایک اور بہت سوں میں سے تھوڑے (مناقب) یہاں لکھے جاتے ہیں ۔

غریب کی سفارش

حضرت شیخ المشائخ سماء الدین سے منقول ہے کہ خان جہاں تلنگی سلطان فیروز شاہ کا وزیر تھا وہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کا بالکل معتقد نہیں تھا بلکہ ان کو برا بھلا کہتا تھا اگرچہ سلطان (فیروز شاہ) ان کے کمترین معتقدین میں سے تھا ۔ ایک مرتبہ خان جہاں مذکور نے ایک محرر کے لڑکے کو جیل بھیج دیا اور وہ اس پر سختی کرتا تھا جب اس محرر نے اپنے لڑکے کی آزادی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو حضرت سیادت پناہ (مخدوم جہانیاں) کی خدمت میں آیا اور حضرت کو اپنے لڑکے کی سفارش کے لیے خان جہاں کے مکان کے دروازے پر لے گیا ۔ یہ خبر خان مذکور تک پہنچی ۔ اس نے اندر سے اپنے ملازم کی معرفت کہلا بھیجا کہ سید (مخدوم جہانیاں) سے کہو کہ میں تمہاری سفارش ہرگز نہیں مانوں گا اور تمہارا منہ بھی نہیں دیکھوں گا ۔ دوبارہ میرے یہاں سفارش کے لیے مت آنا ۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً انیس مرتبہ حضرت سید (مخدوم جہانیاں) خان جہاں کے دروازے پر سفارش کے لیے گئے ۔ وہ ہر مرتبہ یہی جواب دیتا تھا ، یہاں تک کہ بیسویں مرتبہ پھر سفارش کے لیے گئے ۔ اس نے اندر سے کہلا بھیجا کہ سید تم کو غیرت نہیں ہے کہ اتنی مرتبہ تم کو جواب دے دیا ہے لیکن پھر تم سفارش کے لیے میرے یہاں چلے آتے ہو ۔ حضرت سید (مخدوم جہانیاں) نے کہا کہ اے عزیز ! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں مجھے ثواب ملتا ہے مگر مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوتا ۔ چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہارے ہاتھ سے رہائی دلواؤں اور تم کو

تھے ۔ ان کی تصانیف میں مرأۃ الجنان ، عبرۃ الیقظان اور روضۃ الریاحین فی حکایات الصالحین مشہور و معروف ہیں ، ۷۶۸ھ/۱۰۶۶ء میں انتقال ہوا ۔ ملاحظہ ہو نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۷۲۲ - ۷۲۳ ۔

۱ ۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۱۰۵ - ۱۰۷ ، کلیات جدولیہ ۲ : ۷۵ ، الدر المنظوم ۱ : ۱۶۰ - ۱۶۱ و ۳۷۹ و مابعد ۔

ثواب پہنچاؤں۔ خان جہاں مذکور نے جب یہ بات سنی تو اپنا سر ننگا کیا، گلے میں ایک رسی باندھی اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور مرید ہو گیا اور اس مظلوم کو خلعت اور گھوڑا دیا اور رہا کر دیا اور اس نے کافی نذرانہ حضرت سید (مخدوم جہانیاں) کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے وہ تمام نذرانہ اس مظلوم کو دے دیا اور اپنے گھر چلے آئے[1]۔

مخدوم جہانیاں

حضرت کو مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ شب عید میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مقبرے میں مشغول (عبادت) تھے اور ان سے عیدی مانگ رہے تھے - انھوں نے آواز سنی کہ تجھ کو خدا تعالیٰ نے ''مخدوم جہانیاں'' کہہ کر مخاطب کیا ہے ، یہی میری عیدی ہے ۔ وہاں سے حضرت شیخ صدرالدین عارف کے مقبرے پر گئے اور وہاں بھی یہی درخواست کی۔ ان سے بھی وہی آواز سنی کہ تمھاری عیدی یہی ہے کہ جو میرے حضرت بابا نے فرمایا ہے ۔ وہاں سے اپنے مرشد [۱۵۷] شیخ رکن الدین ابوالفتح کے یہاں پہنچے اور چاہا کہ عیدی طلب کریں - انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ تمھاری عیدی وہی ہے کہ حضرت بابا (صدر الدین ؒ) اور میرے دادا (زکریا ملتانی ؒ) نے فرمایا ہے ۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو (مخدوم کو) جو شخص دیکھتا تھا وہ کہتا تھا کہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں آ رہے ہیں[2] -

درجۂ ولایت و معرفت

میں نے اپنے پیر دستگیر حضرت بہاء الدین سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے آستانے کی دہلیز سے باہر آ رہے تھے ، چونکہ آستانے کا زینہ کسی قدر پست تھا ، حضرت مخدوم جہانیاں فوراً لیٹ گئے اور زینے کی بجائے اپنا

---

۱ - جمالی نے خود لکھا ہے کہ فیروز شاہ حضرت مخدوم کا نہایت معتقد تھا ، پھر خان جہاں وزیر کی اس درجہ دشمنی اور عداوت سمجھ میں نہیں آتی بلکہ حضرت مخدوم کے ملفوظات میں جو واقعات درج ہیں ان سے خان جہاں وزیر کی عقیدت و ارادت اور مخلصانہ تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو الدر المنظوم ۱ : ۳ ، ۳۹۱ ، ۲ : ۷۵۹ -

۲ - تاریخ فرشتہ (اردو) ص ٦٨٦ -

سینہ رکھ دیا کہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کے سینے پر حضرت شیخ (رکن الدین ابوالفتح) اپنا پیر رکھ دیں اور آستانے سے گزر جائیں۔ جب حضرت شیخ رکن الدین نے یہ حالت دیکھی تو انگشت شہادت دانتوں میں دبا لی اور کہا کہ حضرت سید جلال الدین ! نبوت کا دروازہ بالکل بند ہے اور وہ (نبوت) کسی کو نہیں ملتی اور تم نے ولایت و معرفت میں اپنے کو اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے زیادہ انسان کے بس میں نہیں ہے ۔ اس کے بعد حضرت مخدوم کی ہاتھ کی چادر کو پکڑا ، چوما اور سینۂ مبارک ان کے سینے سے لگایا ۔

حضرت مخدوم (جہانیاں) کے علوم جاننے کے لیے کتاب مستطاب ''خزانۂ جلالی'' کافی ہے[1] ، تمام اہل حال اور صاحب کمال کو اس سے فیض پہنچتا ہے اور حضرت مخدوم کے مکاشفات و کرامات ''مناقب قطبی''[2] میں تحریر ہیں جو حضرت کے مریدوں میں سے ایک نے لکھی ہے۔ وہ (کرامات) آفتاب سے زیادہ روشن ہیں ۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں (ان کو) تحریر کروں ۔ حضرت (مخدوم جہانیاں) کے مرید اور خلفاء کشف و کرامات میں مشہور ہیں[3] ۔

---

۱ ۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کا یہ مجموعہ نہایت مشہور و معروف ہے جس کو مخدوم کے مرید احمد المدعو بہ بہا بن حسن بن محمود بن سلیمان تلنبی نے مرتب کیا ہے ۔ یہ کتاب سترہ ابواب پر مشتمل ہے ۔ برصغیر کے مختلف کتب خانوں میں اس کتاب کے خطی نسخے ملتے ہیں ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۴۹ - ۲۵۳ ۔

۲ ۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ''مناقب مخدوم جہانیاں'' ہے جس کا ایک ناقص نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) میں محفوظ ہے ۔ ممکن ہے اسی کتاب سے ''مناقب قطبی'' مراد ہو ۔ ملاحظہ ہو مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۵۸ - ۲۵۹ ۔

۳ ۔ ان دو کتابوں کے علاوہ حضرت مخدوم کے اور بھی کئی ملفوظات ہیں۔ ان میں سے ایک جامع العلوم ہے جس کا اردو ترجمہ الدرالمنظوم کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکا ہے ۔ اسی طرح سراج الہدایہ ، جواہر جلالی ، مظہر جلالی اور مقرر نامہ (مجموعۂ خطوط) بھی برصغیر کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۳۷ - ۲۶۱ ۔

شیخ راجو قتال

حضرت مخدوم کے برادر صوری و معنوی اور مرید و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ شیخ صدر الدین کہ جن کا عرف شیخ راجو قتال ہے، بالخصوص مشہور ہیں۔ ان کے کمالات کا آفتاب بے زوال ہے۔ علوم ظاہر و باطن میں بہت صاحب کمال و حال تھے۔ کوئی شخص اس آفتاب کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ جو کچھ ان کی زبان مبارک سے ادا ہوتا تھا وہی (وقوع پذیر) ہوتا تھا[۱]۔

ایک دن حضرت کے لڑکے نے ایک شخص کی داڑھی منڈوانے کا حکم دے دیا۔ وہ شخص بے قصور تھا، وہ بیچارہ حضرت کی خدمت میں گیا اور حال بیان کیا۔ حضرت کی زبان مبارک سے نکلا کہ وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے مونڈے گا۔ اسی وقت حضرت کے لڑکے پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ فوراً حجام کو بلایا، اپنے سامنے بٹھایا اور اس سے کہا کہ جلد میری داڑھی مونڈ دے۔ حجام ڈرا اور وہ آئینہ اور استرہ سامنے رکھ کر ہاتھ دھونے کے بہانے سے کسی جگہ جا کر پوشیدہ ہو گیا۔ جب اس لڑکے نے یہ دیکھا، آئینہ اپنے سامنے رکھا، استرہ اٹھایا اور اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے صاف کر دی۔

مشہور ہے کہ حضرت مخدوم شیخ جلال الدین مخدوم جہانیاں کے پاس ایک جن آیا اور مسلمان ہو گیا [۱۵۸] اور مرید ہوا۔ حضرت مخدوم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں بڑی شہرت ہو گئی اور تمام دنیا میں چرچا ہونے لگا۔ ایک دن وہ عبداللہ حضرت شیخ (راجو قتال) کے سامنے پہنچا۔ حضرت شیخ نے اس کی

۱۔ صدر الدین راجو قتال کے لیے دیکھیے:
(۱) مناقب الولایت از حامد گنج بخش (قلمی)۔
(۲) سبع سنابل ص ۷۳۔
(۳) مراۃ العالم (قلمی) ورق ۳۶۱۔
(۴) ثمرات القدس (قلمی) ۲: ورق ۴۰۔
(۵) جمعات شاہی (قلمی) ورق ۱۵۰ ب۔
(۶) ذکر سادات بخاری و سادات بھکر و سادات رسولدار (قلمی) ورق ۳۸۔
(۷) تاریخ اوچ ص ۱۱۹۔

طرف تیز نگاہ سے دیکھا، اسی وقت وہ گر پڑا اور چیخنے لگا۔ وہ کہتا تھا کہ میں جلا، میں جلا۔ ہر چند اس پر پانی کی مشکیں چھوڑی گئیں، کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اسی حالت میں دنیا سے چلا گیا۔

ہندو داروغہ کا قضیہ

حضرت سلطان المشائخ سماء الدین سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں بیمار ہوئے تو سلطان فیروز کا مقرر کیا ہوا اوچ میں ایک ہندو داروغہ تھا جس کا نام نوآہون تھا اور وہ فارسی نویس تھا۔ وہ حضرت مخدوم جہانیاں کی عیادت کے لیے آیا۔ جیسے ہی وہ آ کر بیٹھا تو اس نے کہا خدا تعالیٰ مخدوم کو صحت دے۔ مخدوم کی ذات ختم اولیاء ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم ختم انبیاء ہیں۔ حضرت مخدوم (جہانیاں) سمجھے کہ یہ ہندو ان الفاظ کے ادا کرنے سے بحکم شرع محمدی مسلمان ہو گیا۔ اپنے بھائی شیخ صدر الدین میاں راجو کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم نے سنا کہ نوآہون نے کیا تقریر کی۔ شیخ (راجو قتال) نے عرض کیا کہ ہاں میں نے سنا، اور دو ایک اور دیانت دار مسلمانوں نے بھی سنا اور وہ گواہ ہیں۔ نوآہون مذکور اسی وقت اٹھا اور شہر اوچ سے بھاگا اور دارالحکومت دہلی چلا گیا۔ جب وہ سلطان فیروز شاہ کے پاس پہنچا، تمام حال بیان کیا۔ سلطان مذکور اس کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تو نے یہ الفاظ کہے ہیں تو تو مسلمان ہوگا یا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں گا، خواہ کچھ بھی ہو۔

اسی زمانے میں حضرت قطب الاسلام شیخ عظام جلال الدین مخدوم جہانیاں کا انتقال ہو گیا[1]۔ سویم کی فاتحہ کے بعد حضرت سلطان المشائخ صدر الدین شیخ راجو گواہوں کو اپنے ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر کے قریب پہنچے، سلطان فیروز نے ان کے آنے کی خبر سنی۔ وہ سمجھ گیا کہ نوآہون کے معاملے میں آ رہے ہیں۔ اس نے شہر (دہلی) کے دو تین ممتاز علماء کو بلوایا۔ ان سے مشورہ کیا اور نوآہون کی رہائی کی صورت ان سے دریافت کی۔ قاضی عبدالمقتدر تھانیسری[2] کے

۱۔ گویا واقعہ ۷۸۵ھ/۱۳۸۰ع کا ہے۔
۲۔ قاضی عبدالمقتدر متوفی ۲۶ محرم ۷۹۱ھ/۱۳۸۸ع۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ۳۲۴ - ۳۲۵۔

لڑکے جن کا نام شیخ محمد تھا ، ذہین عالم تھے ، انہوں نے سلطان سے عرض کیا کہ جب بادشاہ سلامت شیخ کے استقبال کے لیے جائیں تو دیکھتے ہی ان سے دریافت کریں کہ کیا حضرت شیخ اس کافر کے معاملے میں تشریف لائے ہیں ۔ جب حضرت شیخ یہ کہہ دیں کہ ہاں اس کافر کے معاملے میں آیا ہوں تو پھر انہوں نے اس کے کفر کا اقرار کر لیا ۔ اس کے بعد ہم بحث کریں گے ۔ جب سلطان نے یہ بات سنی تو وہ اس عالم کو ہمراہ لے کر حضرت شیخ کے استقبال کے لیے روانہ ہوا ، ملاقات کے وقت دریافت کیا کہ حضرت [۱۵۹] مخدوم اس کافر کے معاملے میں آئے ہیں حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہاں! اس مسلمان کے معاملے میں آیا ہوں ۔ شیخ محمد پسر قاضی عبدالمقتدر نے کہا کہ ابھی تک اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت گواہوں کے مطابق نہیں ہوا ہے، آپ کس طرح اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگاتے ہیں ۔ حضرت شیخ نے ان کو تیز نگاہ سے دیکھا اور زبان مبارک سے کہا کہ مخدوم زادہ ! تمہاری گفتگو سے ایمانداری کی بو نہیں آتی ہے، جاؤ اور اپنے کفن کا انتظام کرو۔ اسی وقت ان کے پیٹ میں درد ہوا۔ اسی حالت میں ان دو گھر لے گئے۔ قاضی عبدالمقتدر دوڑے جب حضرت شیخ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے مخدوم ! میرے صرف یہی ایک لڑکا ہے۔ اس کو مجھے بخش دیجیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ ختم ہوگیا۔ اس کے ایک لڑکا ہوگا جو متقی ہوگا۔ شیخ محمد مذکور نے اسی حالت میں وفات پائی ۔ اس (شیخ محمد) کی زوجہ حاملہ تھی ۔ شیخ محمد کے انتقال کے بعد لڑکا پیدا ہوا ۔ اس کا نام شیخ ابوالفتح[۱] رکھا گیا ، وہ دانشمند درویش اور معزز ہوا ۔ اس کا مقبرہ جونپور

---

۱ - شیخ ابوالفتح اپنے زمانے کے نامور عالم اور شیخ طریقت تھے ۔ اخبار الاخیار، نزہۃالخواطر (جلد سوم) وغیرہ میں متفقہ طور سے ان کی پیدائش ۱۴ محرم ۸۲۲ھ تحریر ہے اور وہ اپنے دادا عبدالمقتدر سے مستفید و مستفیض ہوئے تھے ۔ ان کے والد کا نام عبدالحی تحریر ہے ، گویا شیخ ابوالفتح اس واقعہ سے تیرہ سال قبل پیدا ہو چکے تھے ۔ ملاحظہ ہو :

(۱) اخبار الاخیار ص ۱۸۱ ۔
(۲) نزہۃالخواطر جلد سوم نمبر ۳ ۔
(۳) تاریخ شیراز ہند جونپور ص ۶۰۳ - ۶۰۵ ۔
(۴) تذکرہ علمائے جونپور (خیر الدین محمد جونپوری) مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری ص ۱۷-۱۸ (ماہنامہ سرحد(کراچی) اپریل ۱۹۷۳ء)

میں ہے اور وہ نواہون مذکور باوجود شہادت کے مسلمان نہیں ہوا ۔ اس کی گردن مار دی گئی۱۔ حضرت شیخ (راجو قتال) دہلی سے اپنے مکان اوچ مبارک تشریف لائے۔

شیخ کبیر الدین اسماعیل کا راجو قتال سے عوارف پڑھنا

حضرت (مخدوم جہانیاں) کے بہت سے خلفاء تھے جو پابند شرع اور حقیقت پرست تھے۔ ان خلفاء میں سلطان المشائخ کبیر الدین اسماعیل۲ منتخب تھے جو اس حقیر (جمالی) کے پیر حضرت شیخ سماء الدین کے مرشد تھے ۔ وہ علم ظاہری میں دریائے بےکنار اور باطن میں غیب سے وابستہ تھے ۔

میں نے سنا ہے کہ ابتدائی زمانے میں وہ صاحب کمال حضرت شیخ المشائخ صدرالدین راجو قتال سے عوارف پڑھتے تھے ۔ عیسیٰ نامی ایک مجذوب تھا جو نہایت صاحب کشف و کرامت تھا ، وہ بھی کبھی کبھی صدرالدین (راجو قتال) کے پاس آیا کرتا تھا ۔ ایک رات وہ مجذوب حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں کے گنبد میں زیارت کے لیے آیا تھا ۔ اس جگہ کے مجاوروں کی عادت تھی کہ رات کے وقت قفل لگا دیتے تھے ۔ وہ مجذوب بھی وہاں تھا ۔ حضرت شیخ المشائخ شیخ کبیرالدین کی یہ عادت تھی کہ آدھی رات کے وقت حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور انگلی کے اشارے سے گنبد کے دروازے کا قفل کھول دیتے ، نماز تہجد تک روزانہ کلام اللہ ختم کر لیتے تھے اور نماز تہجد ادا کرنے کے بعد اس متبرک مقام سے باہر آتے ۔ تالے کی طرف اشارہ کرتے اور وہ اسی طرح بند ہو جاتا ۔ جس رات کو عیسیٰ مجذوب وہاں تھا ۔ اس نے ان کی یہ تمام کیفیت اپنی نظر سے دیکھی ۔ جب دن ہوا وہ شیخ صدرالدین (راجو قتال) کے پاس آیا ۔ رات کو جو ماجرا گزرا تھا وہ بیان کیا ۔ حضرت شیخ کبیر الدین نے نور باطن سے معلوم کر لیا تھا ۔ اس دن [۱۶۰] حضرت شیخ صدر الدین (راجو قتال) کے پاس شرمندگی کی وجہ سے (عوارف کا) سبق پڑھنے نہیں آئے ۔ حضرت شیخ (راجو قتال) خود شیخ کبیر الدین کے یہاں تشریف لے گئے ، سبق دیا اور ان کو اپنے گھر لے گئے ۔

---

۱ ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اس واقعہ پر اظہار رائے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''نواہون کا قتل غلط مذہبیت اور تنگ نظری کی بدترین مثال ہے'' (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۴۷) ۔

۲ ۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے ہیں ، ۸۲۵ھ میں انتقال ہوا ۔

فرزندان شیخ کبیر الدین اسماعیل

اس ضعیف الانام (شیخ جمالی) نے حضرت شیخ کبیر الدین کے لڑکوں دو دیکھا ہے ۔ وہ دونوں صاحب جمال ، اہل کمال ، حافظ قرآن اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ تھے ۔ ایک کا نام شیخ عبدالشکور تھا اور دوسرے کو شیخ عبدالغفور کہتے تھے۔ دونوں حضرت سماء الدین کے پاس جو اس حقیر (جمالی) کے پیر تھے معرفت کا درس لیا کرتے تھے ۔ جو کوئی ان (دونوں) کو دیکھتا تو ان کی صورت اور سیرت کا عاشق ہو جاتا ، گویا حضرت جبرائیل اور میکائیل ان کی صورتوں میں متمثل ہو گئے ہیں ۔ مختصر یہ کہ دونوں بزرگوار شہادت سے مشرف ہوئے ۔ شہادت کے بعد عادت کے مطابق ان کے ہونٹ قرآن کی تلاوت میں متحرک تھے ۔

حضرت شیخ سماء الدین سے میں نے سنا ہے کہ سلطان المشائخ شیخ کبیر الدین حضرت شیخ عبدالغفور کو بہت دوست رکھتے تھے چنانچہ انتقال کے وقت دونوں (بیٹوں) کو اپنے پاس بلایا ۔ اپنے کپڑے پہنائے اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے تو میری قبر پر آ کر بیان کرنا، تم کو جواب ملے گا ۔ ایسا ہی ہوا ۔ سبحان اللہ! جاننا چاہیے کہ آسمان سیادت کے آفتاب شیخ جلال الدین مخدوم جہانیاں کا کیا مرتبہ تھا ، جبکہ ان کے مرید اور فرزندوں کے یہ مرتبے ظاہر ہوئے ۔

اللھم اعرض علینا من انوارھم و اسرارھم — اے اللہ ہم پر بھی ان کے انوار و اسرار کو پیش فرما دے

ایک بچے کا انتقال

سید شمس الدین سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت جلال الدین والملت نماز چاشت میں مشغول تھے ۔ ان کا ایک چھوٹا تقریباً چہار سالہ لڑکا ان کے مصلے کے نزدیک گھوم رہا تھا ۔ میں ان کے پیچھے بیٹھا تھا ۔ سلام پھیرنے کے بعد انھوں نے میری طرف رخ کیا اور کہا کہ اے فلاں ! شاید یہ بچہ دنیا میں نہیں رہے گا ۔ میں نے عرض کیا کہ اے مخدوم ! ایسا کیوں فرما رہے ہیں ۔ فرمایا کہ عین نماز میں میری طبیعت اس کی طرف متوجہ ہو گئی ، مشکل ہی سے زندہ رہے گا ۔ چنانچہ ظہر کے وقت تپ محرقہ میں مبتلا ہوا اور رات کو انتقال کر گیا ۔

کار دنیا را بر کار دین مقدم نباید داشت

مولانا وجیہ الدین محمد سے منقول ہے کہ میں کسی کام کے لیے مولانا نصیر الدین ابوالمعانی کے گھر گیا تھا، وہیں میں نے قیلولہ کیا، خواب میں دیکھا کہ لوگوں کا بڑا مجمع ہے اور ایک بزرگ وعظ فرما رہے ہیں یعنی جو کوئی دنیا کے کام کو دین کے کام پر ترجیح دیتا ہے تو اس کا کام خاک میں مل جاتا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ یہ بزرگوار کون ہیں جو وعظ فرما رہے ہیں ۔ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت سید جلال بخاری ہیں۔ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا [۱۶۱] میرے قصبے اور اوچ مبارک کے درمیان جہاں حضرت مخدوم (جہانیاں) رہتے تھے کسی قدر فاصلہ تھا ۔ جب میں بیدار ہوا دوسرے روز ان کی زیارت کا قصد کیا اور اس گلدستہ ٔ گلزار سیادت (حضرت مخدوم) کی قدم بوسی سے مشرف ہوا ، وہی صورت دیکھی جو خواب میں دیکھی تھی ۔ وہی دو کلمے زبان سے فرما رہے تھے یعنی دنیا کے کام کو دین و عقبیٰ کے کام پر ترجیح نہیں دینی چاہیے ۔ ان کے سنتے ہی میں نے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا اور ان کا مرید ہو گیا ۔

یادداشت

قاضی شمس الدین ملتانی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ (مخدوم جہانیاں) کے والد حضرت کبیر الدین نے دریافت کیا کہ تم کو اپنی ولادت کے متعلق بھی کچھ یاد ہے تو حضرت تواضع و انکسار کی وجہ سے اپنے والد کے سامنے خاموش رہے اور جب ان کے سامنے سے باہر آئے اور میری طرف رخ کیا تو فرمایا کہ میں اس عورت کو کہ جس نے چھٹے روز مجھے نہلایا اور کپڑے پہنائے ، پہچانتا ہوں کہ وہ کون تھی ۔

سومرہ حاکم اوچ

مولانا شہاب الدین برہان سے منقول ہے کہ رمضان کے مبارک مہینے میں حضرت مخدوم جہانیاں اوچ کی جامع مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے تھے اور چند درویش کہ جو

هم قوم لا یفقهون تسبیحهم — یہ وہ قوم ہے جو اپنی تسبیح سے بے خبر ہے ۔

کی صفت سے متصف تھے ، حضرت کے پاس ہوتے تھے ۔ اور بعض نیک طالب علم

بھی درویشوں کی طرح معتکف تھے - اچانک اوچ کا حاکم جس کا نام سومرہ تھا ، حضرت مخدوم سے ملاقات کرنے مسجد میں آیا - جب اس نے حضرت کے چاروں طرف درویشوں کی کثرت دیکھی تو اسے یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوئی - اس نے ان میں سے بعض کو باہر نکال دیا - حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اے سومرہ! شاید تو پاگل ہوگیا ہے کہ درویشوں سے الجھتا ہے - یہ سنتے ہی اس نے اسی وقت وہ کپڑے جو پہنے ہوئے تھا پھاڑ دیے اور دیوانہ ہوگیا - تمام شہر میں شور مچ گیا کہ شہر کے حاکم کا یہ حال ہے - چنانچہ اس کو زنجیر میں باندھ دیا -

چند روز کے بعد اس کی بوڑھی ماں روتی پیٹتی حضرت مخدوم کی خدمت میں آئی اور نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اے حضرت مخدوم جہانیاں ! آپ کا کرم تمام مخلوق پر عام ہے - یہ جوان مجھ بوڑھی کو بخش دیجیے - اس بڑھیا کے عرض کرنے کے بعد انھوں نے دعا دی اور فرمایا کہ اس کو غسل دیں ، لباس پہنائیں اور حضرت شیخ جمال خنداں رو کی زیارت پر لے جائیں - اس کے بعد میرے پاس لائیں - فوراً ایسا ہی کیا گیا - شیخ جمال (خنداں رو) کے بعد جب اس کو حضرت مخدوم کے پاس لائے تو اس نے زمین پر سر رکھ دیا اور ان کے پیروں کی خاک کو بوسہ دیا - ان کے درویشوں کے پیروں پر گر پڑا - (پھر) اپنی اصلی حالت پر آ گیا ، مرید ہوا اور مقبولان خدا سے ہوا - سبحان اللہ کیا طور طریقے تھے کہ دن رات میں پانسو رکعت نماز ضرور ادا کرتے ، وظائف ، تلاوت قرآن اور درویشوں کی تربیت اس کے علاوہ تھی -

آخری حج

مولانا شمس الدین اوچی سے منقول ہے کہ جو آخری حج میں حضرت مخدوم کے ساتھ [۱٦۲] تھے کہ جب وہ سمندر کے کنارے پہنچے، ایک جہاز پر سوار ہوئے - چند روز بعد ان کے درویشوں نے بھنی ہوئی مچھلی کی خواہش کی ، حضرت مخدوم نور باطن سے سمجھ گئے، مسکرائے اور فرمایا حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے - دوستوں کی جو آرزو ہے حق تعالیٰ جلد ہی پوری کر دے گا - اسی وقت دو من کی مچھلی پانی سے اچھل کر جہاز میں آ گئی - فوراً اس کو پکڑ لیا ، بھونا اور کام میں لائے -

تابوت بدرالدین یمنی

چند روز بعد جب کنارے پر پہنچے تو جدہ کی جانب چلے اور ام الخلائق حضرت حوا کی زیارت سے مشرف ہوئے ، ان کا مدفن سرزمین جدہ میں ہے - اتفاق

سے اسی روز ایک تابوت ان کے مزار کے پائنتی لایا گیا اور لوگوں نے دفن کرنا چاہا ۔ حضرت مخدوم نے لوگوں سے پوچھا کہ کس کا تابوت ہے جس کو دفن کرتے ہو۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ تابوت ایک بزرگوار کا ہے ، ان کو شیخ بدر الدین یمنی کہتے تھے ۔ وہ تیس سال تک حرمین شریفین کے مجاور رہے ہیں ۔ کل مکہ معظمہ سے ظہر کی نماز کے وقت جدہ پہنچے اور عصر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور انتقال فرما گئے ۔

یہ بات سن کر حضرت مخدوم نے سر جھکا لیا ۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ ان بزرگوار کو دفن نہ کریں ، شاید ان کو سکتہ ہو گیا ہو ۔ فرمایا کہ ان کو اٹھائیں اور شہر میں لے چلیں ۔ خود بھی تابوت کے ہمراہ شہر میں گئے اور تابوت ایک مسجد میں جو دریا کے کنارے واقع ہے اتروا دیا۔ تابوت کے بند کھول دیے ۔ شیخ بدر الدین کو باہر نکالا اور مسجد کی چٹائی پر رکھ دیا ۔ مسجد کا دروازہ بند کر دیا تا کہ کوئی اندر نہ آنے پائے ۔ خود دوگانہ ادا کیا اور قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو گئے ۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے شیخ بدر الدین یمنی نے حرکت کی اور اچانک اٹھ بیٹھے ۔ حضرت مخدوم کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور حضرت مخدوم نے اپنا خاص لباس ان کو پہنایا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ مسجد کا دروازہ کھول دیں اور اذان کہیں ۔ عصر کا وقت تھا ، شیخ بدر الدین (یمنی) نے امامت کی اور (مخدوم نے) درویشوں کی جماعت کے ساتھ پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی ۔

ایک عجیب شور و غوغا برپا ہو گیا ، (مخدوم) دوسرے روز وہاں سے کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوئے ، کعبۃ اللہ کے طواف کے بعد جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ شیخ بدر الدین یمنی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب (مخدوم) حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضے پر پہنچے تو انہوں نے پہلے کہا السلام علیک یا جدی ۔ روضۂ اطہر سے جواب ملا علیک السلام یا ولدی ۔

وصال

مناقب قطبی میں تحریر ہے کہ اس سعادت ابدی کے حاصل کرنے کے بعد وہ شہر اوچ مبارک میں آئے کہ جو ان کا وطن مالوف تھا ۔ ان کی عمر ۷۷ سال ہوگئی

تھی ۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے عیدالاضحیٰ کے روز دوگانہ ادا کرنے کے بعد انتقال فرمایا ۔ ان کا مدفن بھی [۱۶۳] شہر اوچ مبارک میں ہے[1]۔

---

۱ ۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا انتقال ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ ھ (۳ فروری ۱۳۸۴ع) بروز چہار شنبہ ہوا ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے حالات میں ایک کتاب ''مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' لکھی ہے جو ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی سے ۱۹۶۳ع میں شائع ہو چکی ہے ۔

سلطان المشائخ شیخ جلال الدین تبریزی

از جہان معرفت دریائے راز — شمع ساں در آتش وحدت گداز
گنج اسرار حق و کان کرم — در گروہ پاک زان محترم
آتش عشق خدا افروختہ — جان و دل در شعلۂ آں سوختہ
در محیط عشق از پا تا بہ فرق — از کمال معرفت پیوستہ غرق
در شریعت ہائے صدق او درست — در حقیقت دائما چالاک و چست
آں ملک سیرت جلال الدین پاک — در رہ دیں کردہ شیطاں را ہلاک
چوں دلم ز سر عشقش آگہ است — ہمت او با جمالی ہمرہ است

وہ آزادی کے مسافروں میں سے تھے ، دنیا کے عاشقوں کے سردار اور صفۂ صفا کے صوفی تھے ، مہر و وفا کی نہر کے موتی ، عفت کے کوہ قاف کے سیمرغ، ہمت کے جنگل کے شیر اور صبح خیزی کی نسیم کے سمندر تھے ۔

کمالات ظاہری و باطنی

ابوالقاسم شیخ جلال الدین تبریزی عظیم القدر شیخ (طریقت) اور مشیخت و معرفت کے آسمان تھے۔ ان کے والد حضرت شیخ المشائخ بدرالدین ابو سعید تبریزی کے مرید تھے۔ وہ جلال الدین ظاہری و باطنی علوم میں لہریں مارتے ہوئے دریا تھے۔ کمالات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور تمام بڑے بڑے عالی مرتبہ شیوخ ، مشیخت و معرفت میں ان کے قائل تھے۔ کشف و کرامات میں ان کو بے مثل سمجھا جاتا تھا۔ ترک و تجرید میں ان کی کوئی حد نہیں تھی اور توحید و تفرید میں کوئی انتہا نہ تھی ۔ جذب خواطر میں وہ مستثنیٰ اور ممتاز تھے۔ حضرت سلطان المشائخ بدر الدین ابو سعید تبریزی کے انتقال کے بعد کہ جو ان کے پیر تھے، وہ تبریز سے بغداد پہنچے۔ سات سال تک حضرت شیخ الشیوخ (شیخ شہاب الدین سہروردی) کی صحبت میں رہے ۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضری

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بغداد پہنچے تو پھر وہ ہر سال شیخ شہاب الدین سہروردی

کے ہمراہ کعبہ جاتے ، حج کرتے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے ۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سن رسیدہ ہو گئے تھے۔ حضرت (شیخ سہروردی) کو کعبۃاللہ کے سفر میں سرد و خشک کھانا مثل کلچہ کاچ (ایک قسم کی روٹی) پسند نہ تھا جو مسافر اپنے ساتھ رکھتے ہیں ۔ حضرت شیخ جلال الدین نے ایک چولھا بنوا لیا تھا جس میں پائے لگے ہوئے تھے اور توا اٹکا ہوا تھا ۔ اس میں آگ رہتی تھی مگر اس طرح کہ سر کو آگ کی گرمی نہ پہنچے۔ اس پر ایک دیگچی رہتی اور وہ (شیخ جلال الدین تبریزی) ان (شیخ شہاب الدین سہروردی) کی ڈولی کے ہمراہ (چولھا) لے کر پیدل چلتے ۔ ضرورت کے وقت شیخ شہاب الدین کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا ۔ مختصر یہ کہ شیخ (جلال الدین) نے خدمت کے آداب اس طرح پورے کیے کہ اس زمانے کے تمام شیوخ ان کی صورت کے عاشق تھے۔ جو شخص حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت اس طرح کرے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ اپنے پیر کی خدمت کس طرح کرتا ہوگا[1] ۔

حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین بدایونی) سے منقول ہے کہ (شیخ شہاب الدین) بیت اللہ سے بغداد واپس آئے ، اپنی خانقاہ میں قیام کیا ۔ مرید اور [۱۶۴] معتقدین تحفے لائے اور ہر ایک نے ان کے سامنے رکھ دیے۔ اسی دوران میں ایک نیک عورت آ گئی ، وہ ایک درم لائی اور ان ہی تحفوں میں رکھ دیا ۔ حضرت شیخ الشیوخ نے حاضر درویشوں کو حکم دیا کہ جو جس کا دل چاہے ان تحفوں میں سے لے لے۔ ہر ایک نے جو جس کا دل چاہا اٹھا لیا۔ حضرت شیخ جلال الدین نے وہی درم جو وہ بوڑھی عورت لائی تھی ، اٹھا لیا ۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ جو برکت تھی وہ تم نے اٹھا لی اور دوسروں کے لیے کچھ نہ چھوڑا[2] ۔

غرباء پر شفقت

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی سے منقول ہے کہ کعبۃ اللہ کے سفر میں میں شیخ جلال الدین کے ہمراہ تھا ۔ ہم بنی امام[3] پر پہنچے ۔ عجیب سخت اور دشوار راستہ تھا، بہت سے آدمی اور اونٹ مر گئے۔ جو فقیر اور غریب لوگ قافلے میں تھے، ان کے

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۳۰۳، اخبار الاخیار ص ۵۰ ۔
۲ ۔ فوائد الفواد ص ۳۰۲ ۔
۳ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۳۰) ''بنی لام'' ۔

پیروں میں آبلے پڑ گئے یہاں تک کہ قافلے والے سواری نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہوگئے۔ بازار بنی امام میں اونٹوں کا ایک گلہ فروخت ہونے کے لیے آیا۔ ہر اونٹ کی قیمت بیس اشرفی تھی۔ اہل قافلہ میں سے جس میں قوت تھی اس نے اونٹ خرید لیا۔ جو غریب تھے اور قیمت نہیں رکھتے تھے راضی بہ قضاء رہے اور اپنی اپنی جانوں سے مایوس ہو گئے۔ اسی دوران حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے اونٹوں کے مالک کو بلایا اور فرمایا کہ شمار کرو کہ کتنے اونٹ فروخت نہیں ہوئے ہیں۔ شمار کرنے سے معلوم ہوا کہ پانسو اونٹ فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ حضرت جلال الدین نے تین مرتبہ یا لطیف فرمایا، ریت میں ہاتھ ڈالا، اشرفیوں سے بھر کر باہر نکالا اور اونٹ خرید ے اور (وہ اونٹ) حقداروں اور عاجزوں کو دے دیے۔ یہاں تک کہ پانسو اونٹ خرید کر تقسیم کر دیے اور خود بیت اللہ کو پیدل گئے۔

دہلی میں آمد اور سلطان التتمش کا استقبال کرنا

حضرت شیخ فخر الدین زرادی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی بغداد سے دارالخلافہ دہلی آئے تو سلطان شمس الدین التتمش کا زمانہ تھا۔ سلطان مذکور شیخ جلال الدین کے کمالات سے بخوبی واقف تھا۔ وہ حضرت کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا۔ اس زمانے میں وہاں (دہلی) کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ تھے، وہ بھی سلطان کے ہمراہ دوسرے شیوخ کے ساتھ آئے جب سلطان نے شیخ جلال الدین کو دیکھا تو وہ گھوڑے سے اتر آیا، ان کی طرف دوڑا اور ملاقات کی اور حضرت شیخ کو اپنے ہمراہ لے کر چل دیا۔ اس اثناء میں سلطان نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے کہا کہ حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) کو کس جگہ ٹھیرایا جائے۔ کوئی ایسی جگہ تجویز کرنی چاہیے جو میرے نزدیک ہو تاکہ وقتاً فوقتاً ان سے نیاز حاصل کر سکوں۔ شیخ نجم الدین کو حسد پیدا ہوا۔ سلطان کے محل کے برابر ایک اچھا مکان تھا جس پر جن قبضہ کیے ہوئے تھے۔ کسی شخص کی یہ طاقت نہ تھی کہ اس مکان کے قریب بھی جا سکے اور اس گھر کو بیت الحرام کہتے تھے [۱۶۵] وہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ انہوں (نجم الدین صغریٰ) نے سوچا کہ شیخ (جلال الدین تبریزی) کو بیت الجن میں اتارنا چاہیے۔ سلطان نے کہا کہ ایسے عزیز مہمان کو خوف و وحشت کے مکان میں کیوں اتارتے ہو۔ شیخ نجم الدین نے کہا کہ (یہ معاملہ) دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ یہ مرد کامل ہے یا ناقص، اگر کامل ہے تو مکان کو جنوں سے خالی کرا لے گا۔ اگر ناقص

ہے تو اس کی سزا بھی ہونی چاہیے کہ جن اس کو نہ چھوڑیں -

منقول ہے کہ وہ یہ گفتگو آہستہ کر رہے تھے ، حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) نور باطن سے سمجھ گئے اور فرمایا کہ نجم الدین ! اس مکان کی کنجی ملنی چاہیے تا کہ اپنے پہنچنے سے پہلے ایک درویش کو بھیج دوں کہ وہ صفائی کرے - جب کنجی لائی گئی تو حضرت نے ایک خادم کو کہ جس کا نام ترابی تھا وہ کنجی اس کے ہاتھ میں دی اور فرمایا کہ جاؤ دروازے کا تالا کھولو اور اندر داخل ہو اور بلند آواز سے کہنا کہ اے جنو! شیخ جلال تبریزی آتا ہے، جلد باہر نکل جاؤ- ایک مدت تک تم اس میں رہے، اب شیخ یہاں قیام کرے گا [اور یہ میرا قرآن شریف مکان میں لٹکا دینا][1] - کہتے ہیں کہ جس وقت وہ خادم مکان میں پہنچا اور یہ آواز دی تو جنوں میں ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ سب (جن) ایک دم باہر نکل گئے اور حضرت (شیخ جلال الدین تبریزی) نے اس مکان میں قیام کیا -

شیخ جلال تبریزی اور خواجہ بختیار کاکی کی ملاقات

حضرت شیخ نظام الدین بداہونی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی (دہلی) پہنچے تو دوسرے روز حضرت سلطان المشائخ قطب الدین بختیار اوشی اپنے مکان سے نکلے اور عام راستہ چھوڑ کر تنگ گلیوں میں ہو کر آنے لگے- اس زمانے میں شیخ قطب الدین اوشی کیلوکھری کے نزدیک رہتے تھے - حضرت (قطب الدین اوشی) کو کشف سے معلوم ہو گیا کہ شیخ جلال الدین میری ملاقات کے لیے آ رہے ہیں - حضرت اپنے مکان سے ان کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے اور ان تنگ گلیوں میں پہنچے - درمیان راہ میں دونوں بزرگوں کی ملاقات ہو گئی[2]- اس دن بھی حضرت شیخ قطب الدین کے یہاں (درویشوں) کی ایک جماعت تھی - درویش سماع کے سننے میں مشغول تھے اور درویشوں کا وجد اس شعر پر تھا :

شعر

در میکدۂ وحدت ہشیار نمی گنجد　　در عالم بے رنگی[3] اغیار نمی گنجد

---

۱ - قوسین کا جملہ نسخۂ اول (۲ : ۳۲) میں نہیں ہے -
۲ - فوائد الفواد ص ۲۵۵، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۸ -
۳ - در نسخۂ اول (۲ : ۳۲) یکرنگی -

وہ جمعہ کی رات تھی ، چنانچہ جمعہ کی نماز دونوں بزرگوں نے مسجد منارہ میں یکجا ادا کی اور ہر ایک اپنے اپنے مکان کو چلے گئے ۔

شیخ نجم الدین صغریٰ کو ندامت

حضرت شیخ ابوالقاسم جلال الدین تبریزی آزاد پیر تھے ۔ وہ اکثر فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کرتے تھے ۔ صبح فجر کی نماز ادا کرتے ، پھر فجر سے نماز چاشت تک پلنگ پر آرام فرماتے ۔ اس زمانے میں (شیخ نے) ایک ہزار پانسو[1] دینار میں ایک خوبصورت ترک غلام خرید کیا تھا ، وہ غلام حسن و زیبائی میں بے مثل تھا اور وہ نہایت عمدگی سے ساز بجاتا تھا ۔ حضرت شیخ اس کو بہت دوست رکھتے تھے ۔

بہار کا موسم تھا ۔ سلطان [۱۶۶] شمس الدین التتمش جس بالا خانے پر رہتا تھا وہاں سے حضرت (تبریزی) کا صحن خانہ نظر آتا تھا ۔ ایک دن سلطان شمس الدین نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو کسی مصلحت سے صبح سے قبل ہی اپنے پاس بلایا۔ انھوں نے فجر کی نماز کی امامت کی ۔ شیخ جلال الدین تبریزی حسب عادت فجر کی نماز ادا کرکے صحن خانہ میں ایک پلنگ پر آرام کر رہے تھے اور وہ ترک غلام آپ کے پیر دبا رہا تھا۔ جب سلطان نے فجر کی نماز ادا کی تو شیخ نجم الدین صغریٰ کی نظر حضرت شیخ جلال الدین تبریزی پر پڑی ، دیکھا کہ منہ پر رضائی ڈالے سو رہے ہیں اور غلام مذکور ان کے پیر دبا رہا ہے (نجم الدین صغریٰ) نے فوراً سلطان کا ہاتھ پکڑا ، بالا خانے کے کنارے پر لائے اور کہا کہ آپ ایسے درویشوں پر اعتقاد رکھتے ہیں ، یہ کونسا وقت سونے کا ہے اور اس حسین غلام کو اپنے پاس رکھنا کیا معنی رکھتا ہے ۔ سلطان نے جواب دیا شاید فجر کی نماز کے بعد کچھ آرام کر رہے ہوں اور یہ بھی کوئی بات نہیں کہ ایک پاک ہستی کے پاس حسین اور چلبلا غلام ہو ۔

اسی وقت یہ بات حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو نور باطن سے معلوم ہو گئی ۔ انھوں نے اپنے چہرے سے رضائی ہٹائی اور بلند آواز سے کہا کہ اے نجم الدین! اگر تم اس سے پہلے دیکھتے تو تم اس غلام کو بغل میں پاتے ۔ یہ کہا اور رضائی پھر چہرے پر ڈال لی اور شغل باطن میں مشغول ہوگئے ۔ سلطان شمس الدین نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے کہا کہ اے شیخ ! تم نے میری اور اپنی دونوں کی فضیحت

---

۱ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۳۲) پانسو دینار ۔

کرائی ۔ تم کو تو لوگ یہ کہیں گے کہ کیسا شخص شیخ الاسلام ہے کہ جس کو اس قدر بھی صفائی باطن نہیں ہے کہ وہ حقیقت حال کو جان سکے اور مجھ کو کہیں گے کہ اس کو اتنی بڑی فہم و فراست نہیں ہے کہ کسی با صفا اور با اخلاق شخص کو درویشوں اور مومنین پر شیخ الاسلام بناتا ۔

شیخ الاسلام کی تہمت تراشی

سید خورد مبارک کرمانی سے منقول ہے کہ جب سلطان شمس الدین کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو شیخ نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہوئے اور شیخ جلال سے ان کا حسد سو گنا ہو گیا ۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ حضرت (جلال تبریزی) کی شان میں کوئی تہمت اور بہتان لگائیں ۔ شہر دہلی میں ایک گانے والی تھی ، نہایت حسین اور بہت خوب گانے والی ۔ شہر کے اکثر رؤساء اس سے رغبت کرتے اور کبھی کبھی وہ حضرت (جلال تبریزی) کی خدمت میں بھی آتی اور شیخ نجم الدین کے پاس بھی جاتی ۔ اس عورت کا نام گوہر تھا ۔ شیخ نجم الدین نے اس کو سکھایا کہ اگر تو حضرت جلال الدین کے فعل بد کا اقرار کرلے اور جس جگہ میں کہلوانا چاہوں وہاں حاضر ہو کر کہہ دے کہ شیخ مذکور نے میرے ساتھ فعل بد کا ارتکاب کیا ہے تو میں تجھ کو پانسو دینار دوں گا جن میں سے دو سو پچاس دینار اسی وقت تجھ کو دے دوں گا اور دو سو پچاس دینار ایسے امین کے پاس امانت رکھتا ہوں کہ جو راز کو فاش نہیں کرے گا اور جس روز تو شیخ مذکور کی موجودگی میں حاضرین کے سامنے یہ تقریر کر دے گی [۱۶۷] تو یہ دو سو پچاس دینار بھی اس امین سے لے لینا ۔ اس گانے والی نے دیکھا کہ رقم کافی ہے اور میں فاحشہ عورت ہوں ، اس بات کے کہنے سے میرا کیا بگڑتا ہے ۔ اس نے نہایت رغبت سے یہ بات قبول کر لی۔ شیخ نجم الدین نے دو سو پچاس دینار اس کو دے دیے اور بقیہ دو سو پچاس دینار ایک بقال کے پاس رکھوا دیے جس کا نام احمد شرف تھا اور اس مطربہ کا سامنا کرا دیا کہ بہتان لگانے کے بعد وہ دینار اس سے لے لے ۔

اس بات کے طے ہو جانے کے بعد اس نا معقول شیخ (نجم الدین صغریٰ) نے اس بزرگ (شیخ جلال تبریزی) کے حق میں اس تہمت کو شہرت دی ، بے دینی کا طریقہ اختیار کیا اور اس فاحشہ کو سلطان کے حضور میں پیش کرایا ۔ سلطان مذکور نے کہا کہ اب یہ عورت اپنے زنا پر خود مقر ہے لہذا سزا کی مستوجب ہے لیکن بغیر شہادت کے حضرت شیخ پر تہمت زنا ثابت نہیں ہوسکتی اور تو

(شیخ الاسلام) خود مدعی ہے لہذا اس وقت کوئی اور حکم ہونا چاہیے تا کہ اس معاملے میں وہ حکم جاری کرے۔ مشائخ کا محضر بنانا چاہیے اور اس معاملے کو ان کے سامنے رکھنا چاہیے - ہندوستان کے مشہور مشائخ کو حکم دیا گیا کہ دارالخلافہ (دہلی) میں حاضر ہوں اور مجھ (سلطان شمس الدین) کو اپنی تشریف آوری سے مشرف کریں - تھوڑے ہی عرصے میں بڑے بڑے شیوخ جو علوم ظاہر وباطن میں کامل تھے حاضر ہو گئے - سنا گیا ہے کہ دو سو سے زیادہ اولیاء مثلاً شیخ المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا جامع مسجد میں حاضر ہوئے - سلطان شمس الدین نے شیخ نجم الدین (صغریٰ) کی طرف رخ کیا اور کہا کہ ان بزرگ شیوخ میں سے اپنے اختیار سے جس کو چاہو حکم مقرر کر دو تا کہ حق اپنے مرکز پر قرار پائے۔

کار پاکاں پر قیاس خود مگیر

شیخ نجم الدین (صغریٰ) نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو (حکم) منتخب کیا - اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ جس زمانے میں حضرت بہاء الدین زکریا ، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے رخصت ہو کر ملتان کی طرف روانہ ہوئے تھے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی ساتھ تھے - جب وہ نیشا پور پہنچے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی شیخ فرید الدین عطار کے پاس گئے اور ان سے ملے - جب وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے شیخ جلال سے پوچھا کہ آج سیر کرنے گئے تھے ، درویشوں میں سے کس سے ملاقات کی - شیخ جلال نے کہا کہ آج حضرت شیخ فرید الدین عطار سے ملاقات کی - انہوں نے فرمایا کہ تم سے کیسی صحبت رہی - حضرت شیخ جلال نے کہا کہ جب شیخ فرید الدین عطار نے مجھے دیکھا تو دریافت کیا کہ درویش کہاں سے آ رہے ہیں - میں نے کہا کہ مقدس شہر بغداد سے ، (پھر) کہا وہاں کون درویش مشغول حق ہیں - میں نے کوئی جواب نہیں دیا - شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ (یہ) کیوں نہیں کہہ دیا کہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملا ہوں - حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے کہا کہ حضرت فرید الدین عطار کے استغراق نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ مجھے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین [۱۶۸] مطلق یاد نہیں رہے - اس بات سے شیخ بہاء الدین زکریا کبیدہ خاطر ہوگئے[1] اور

---

۱ - اخبار الاخیار ص ۵۱ -

اسی مقام سے دونوں علیحدہ علیحدہ ہو گئے ۔ یہ حکایت[1] شیخ نجم الدین صغریٰ تک پہنچ چکی تھی ۔ وہ یہ سمجھے کہ شاید حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان سے ناراض ہیں اور انصاف (کرنے) میں ضرور اس واقعہ (رنج) کو ملحوظ رکھیں گے ۔

وہ محضر جمعہ کے دن ہوا ۔ سلطان بھی موجود تھا ۔ نماز ادا کرنے کے بعد اس مسجد کے صحن میں کہ جس میں مینارہ ہے ، بزرگ لوگ دائرے میں بیٹھ گئے ۔ شیخ نجم الدین (صغریٰ) نے اس گانے والی کو حاضر کیا ۔ شیخ جلال الدین مسجد کے دروازے سے داخل ہوئے ۔ (جیسے ہی) جوتے پیروں سے اتارے ، تمام شیوخ ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور حضرت شیخ المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا دوڑے ۔ انھوں نے ان کے جوتے اٹھا لیے ، اپنی آستین میں رکھ لیے اور مجلس میں بیٹھ گئے ۔ سلطان شمس الدین نے کہا کہ محضر برخاست ہوتا ہے اس لیے کہ جس شخص کو حکم (ثالث) بنایا گیا تھا ، اس نے یہ تعظیم کی ۔ اب گفتگو کی ضرورت ہی نہیں رہی ۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ واجب ہے کہ میں ان کی جوتیوں کی خاک کا سرمہ اپنی آنکھوں میں لگاؤں ، اس وجہ سے کہ وہ (جلال تبریزی) سات سال تک سفر و حضر میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین کے ساتھ رہے ہیں ، (مجھ پر) ان کی تعظیم واجب ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ شیخ نجم الدین صغریٰ سمجھے اور کہے کہ ان (جلال تبریزی) کا عیب اس تعظیم سے پوشیدہ کر دیا ۔ اگرچہ تمام خدا رسیدہ لوگ جانتے ہیں کہ اس ذات پاک (شیخ جلال تبریزی) سے یہ بات ہرگز متصور نہیں ہو سکتی لیکن (پھر بھی) اس مطربہ کو بلایا جائے تا کہ اصلیت ظاہر ہو ۔

آخرکار شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا نے اس مطربہ کو سامنے بلایا اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جو سچی بات ہو وہ کہہ دے ورنہ برباد ہو جائے گی ۔ مطربہ مذکور نے بہ آواز بلند کہا خدا حاضر و ناظر ہے کہ یہ بات بالکل جھوٹ اور بہتان ہے ور حضرت شیخ جلال الدین (تبریزی) آب حیات سے زیادہ پاک ہیں ۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے مجھ کو پانسو سرخ دینار دینے کا وعدہ کیا ہے ۔ ان میں سے دو سو پچاس دینار مجھ کو دے دیے ہیں اوردو سو پچاس دینار احمد شرف بقال کے پاس امانت ہیں جو اس تہمت کے بیان کرنے کے بعد دے دیے جائیں گے ۔ احمد شرف کو بلایا گیا ، اس نے بھی اس بات کو تسلیم کیا اور وہ دو سو پچاس دینار

---

۱ ۔ فوائد الفواد ص ۲۲۷ ۔ ۲۲۸ ۔

حاضرین (کے سامنے) پیش کر دیے -

شیخ نجم الدین صغریٰ انتہائی شرمندگی کی وجہ سے بیہوش ہو گئے - سلطان شمس الدین نے اسی وقت ان کو شیخ الاسلامی سے معزول کر دیا اور نظر سے گرا دیا - شیخ الاسلامی کا عہدہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو دے دیا - اس وقت سے اب تک یہ عہدۂ شیخ الاسلامی اس بزرگ خاندان میں چلا آ رہا ہے -

بدایوں میں قیام

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ جب مشائخ عظام محضر کے قضیے کے بعد اپنی اپنی قیام گاہ کو چلے گئے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی [۱۶۹] دہلی میں نہیں رہے اور وہاں سے شہر بداؤں چلے آئے - (شیخ جلال تبریزی) ایک دن دریا کے کنارے جو شہر کے نزدیک ہے ، درویشوں کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اٹھے ، تازہ وضو کیا اور کہا درویشو ! آؤ نجم الدین صغریٰ کی نماز جنازہ پڑھیں کہ وہ اس وقت دہلی میں انتقال کر گئے ، اگرچہ ہم ان کی تہمت کی وجہ سے شہر دہلی سے چلے آئے ور وہ ہمارے پیر کی برکت سے زمانے سے چلے گئے- چند روز کے بعد خبر آئی کہ وہ اسی ساعت میں کہ جب حضرت شیخ (تبریزی) نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ، انتقال کر گئے تھے[1] -

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول[2] ہے کہ ایک دن حضرت شیخ جلال الدین تبریزی شہر بداؤں میں اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے تھے کہ ایک ہندو کھٹیر کے گھنے جنگل سے کہ جو بداؤں کے نزدیک ہے دہی سے بھری ہوئی ایک مٹکی فروخت کرنے کے لیے لایا اور وہ (مٹکی) سر پر رکھے ہوئے گھوم رہا تھا - جب شیخ جلال الدین کے نزدیک پہنچا اور اس کی نظر حضرت پر پڑی تو دہی کی مٹکی جو سر پر رکھے ہوئے تھا زمین پر رکھ دی ، حضرت شیخ (تبریزی) کے قدموں پر گر پڑا اور فوراً مسلمان ہوگیا - حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) نے اس کا نام علی رکھا اور دوسرے روز وہ اپنے مکان گیا اور جو کچھ اس کی ملکیت میں تھا وہ سب حضرت شیخ کے سامنے لا کر رکھ دیا - حضرت شیخ (تبریزی) نے اس سے فرمایا کہ نقد (رقم) کو سنبھال کر رکھو اور جس موقع پر میں حکم دوں خرچ کرو - حضرت شیخ کی عادت تھی کہ جس کسی کو انعام دیتے تو دس درہم سے کم

---

۱ - اخبار الاخیار ص ۵۰ ، فوائد الفواد ص ۲۴۵ -

۲ - فوائد الفواد ص ۲۲۷ - ۲۲۸ ، خیر المجالس ص ۱۹۱ - ۱۹۲ -

نہیں دیتے تھے مختصر یہ کہ وہ تمام نقد روپیہ خرچ ہو گیا، صرف ایک درم علی کے پاس رہ گیا ۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ حضرت کے نزدیک کم سے کم انعام دس درہم ہے اور میرے پاس ایک درہم سے زیادہ نہیں ہے، جب کسی کے متعلق حکم دیں گے تو نو درہم کی اور ضرورت ہوگی جو دیے جائیں گے ۔ اسی درمیان میں ایک سائل آ گیا ۔ حضرت شیخ نے علی کو حکم دیا کہ وہ ایک درہم جو تمھارے پاس ہے اس سائل کو دے دو[1]۔

قاضی کمال الدین جعفری بدایونی

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ قاضی کمال الدین جعفری اور حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) میں بہت محبت و مؤدت تھی ۔ ایک دن حضرت شیخ (تبریزی) قاضی مذکور (جعفری) کے مکان پر گئے ، قاضی (کمال الدین جعفری) کے خدمت گاروں نے کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھیے کہ اس وقت قاضی (جعفری) نماز میں مشغول ہیں ، جب فارغ ہو جائیں گے تو ہم اطلاع کر دیں گے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کیا قاضی بھی نماز پڑھنی جانتے ہیں؟ یہ کہا اور اپنے مکان کو چلے آئے ۔

دوسرے روز قاضی (جعفری) نے حضرت شیخ (تبریزی) سے خواب[2] میں ملاقات کی اور قاضی نے کہا کہ آپ نے یہ بات کہی تھی کیا قاضی نماز پڑھنی جانتا ہے؟ حضرت شیخ نے کہا کہ ہاں! قاضی نے کہا کہ اے مخدوم! کیا آپ نماز میں قرآن کے علاوہ کچھ اور پڑھتے ہیں یا رکوع و سجدہ کسی اور طریقے سے کرتے ہیں؟ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ یہی قرآن پڑھتے ہیں اور رکوع و سجدہ بھی اسی طرح کرتے ہیں لیکن [۱۷۰] آپ کی نماز علمائے ظاہر کے نزدیک اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ تکبیر کے وقت قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے ہیں ، ایک رکن کے بعد دوسرا رکن ادا کرتے ہیں اور اگر کسی رکن کے ادا کرنے میں شبہ ہو جاتا ہے تو تجدید کر لیتے ہیں ۔ لیکن فقراء کی نماز یہ ہے کہ جب تک رب کعبہ کو نہیں دیکھ لیتے ہیں اس وقت تک اللہ اکبر نہیں کہتے ہیں اور ان کی نماز کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ عرش پر نماز پڑھتے ہیں[3]۔

---

۱ ۔ فوائد الفود ص ۲۲۸ ، خیرالمجالس ص ۱۹۲ ۔
۲ ۔ نسخۂ اول (ص ۳۸) ''خواب'' ندارد ۔
۳ ۔ در نسخۂ اول (ص ۲ : ۳۸) خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین تبریزی عرش معلیٰ پر نماز ادا فرماتے ہیں ۔

علی الصبح قاضی کمال الدین جعفری حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے - ابھی خواب کا ذکر نہیں کیا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ قاضی کمال الدین جعفری! فقراء کی نماز کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو تم کو گزشتہ رات خواب میں معلوم ہوا - قاضی مذکور نے حضرت شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، معذرت چاہی اور اپنے بڑے لڑکے کو جس کا نام سیف الدین محمد تھا[1] حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا مرید کرایا[2]۔

پھر شیخ جلال الدین تبریزی بداؤں سے بنگالہ کی طرف روانہ ہوگئے[3] اور شیخ علی، دہی فروش جو مسلمان ہوئے تھے ان کے ساتھ رہے - تقریباً دو فرسنگ (تقریباً چھ میل) گئے ہوں گے کہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے درویش علی! واپس ہو جاؤ - انھوں نے عرض کیا کہ اے مخدوم! آپ میرے پیر اور خواجہ ہیں - میں آپ کے بغیر کیا کروں گا - حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے یہ جگہ تمھارے حوالے کی - آخر یہی ہوا - باوجود (بداؤں میں) بہت سے بزرگ شیوخ موجود ہونے کے لوگ ان کی جانب بھی متوجہ ہوتے تھے[4]۔

منقول ہے کہ شیخ وجیہ الدین ترمذی نے حضرت شیخ جلال الدین سے پوچھا کہ ایک شخص روزہ نہیں رکھتا، کھانا کھاتا ہے - حضرت نے جواب دیا کہو، صبح کو بھی کھائے، شام کو بھی کھائے اور دوپہر کو بھی کھائے اور جو قوت اس سے حاصل ہو خدا کی عبادت میں صرف کرے اور گناہ نہ کرے[5]۔

قیام بنگالہ

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بنگالہ گئے تو مخلوق (خدا) ان کی طرف

---

۱ - در فوائد الفواد (ص ۳۰۳) و تذکرۃ الواصلین (ص ۱۰۵) برہان الدین -

۲ - فوائد الفواد ص ۳۰۲ - ۳۰۳، خیر المجالس ص ۲۱۱ - خاکسار مترجم محمد ایوب قادری دوران قیام بدایوں نماز جمعہ ہمیشہ جامع مسجد شمسی میں ادا کرتا تھا اور نماز کے بعد قاضی کمال الدین جعفری کے مزار پر فاتحہ پڑھتا تھا -

۳ - فوائد الفواد ص ۲۲۸، خیر المجالس ص ۱۹۲ -

۴ - ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۸۲ و تذکرہ الواصلین ص ۴۳-۵۷، فوائد الفواد ص ۳۰۸۱ - ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بزرگ "علی" "گدی" تھے - اور ممکن ہے کہ ان ہی بزرگ کی تبلیغ و تحریک سے بدایوں کے دیہات کے "گدی" مسلمان ہوئے ہوں -

۵ - فوائد الفواد ص ۳۹۰ -

متوجہ ہوئے اور مرید ہونے لگے - حضرت شیخ نے وہاں خانقاہ بنوائی اور لنگر جاری کیا - چند باغ اور زمین قیمت دے کر خریدی اور لنگر کے لیے وقف کر دی وہ وہاں زیادہ دنوں تک رہے - اس مندر کو دیوہ محل کہتے ہیں - وہاں ایک کنواں تھا - ایک کافر نے بت خانہ بنایا تھا اور بے حد روپیہ خرچ کیا تھا - حضرت شیخ نے اس بت خانے کو توڑ دیا اور اس بت خانے کو اپنا تکیہ بنایا - حضرت شیخ (تبریزی) نے وہاں بہت سے کافروں کو مسلمان کیا -

اس زمانے سے ان کا مقبرۂ مطہرہ[1] اس بت خانے میں ہے اور اس مندر کی نصف آمدنی ان کے لنگر کے لیے وقف ہے -

---

۱ - ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء میں بنگال میں انتقال ہوا - دیوتلہ (دیو محل) میں دفن ہوئے - ان کے لنگر کے آثار آج بھی موجود ہیں - ملاحظہ ہو جنرل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جولائی ۱۹۶۰ع و اکتوبر ۱۹۶۰ع سفر نامہ ابن بطوطہ (عجائب الاسفار) ۲ : ۳۵۸ - ۳۶۱ تذکرۃ الواصلین ۴۳ - ۵۶ (حاشیہ) -

شیخ المشائخ شیخ سماء الدین

آن کشایندۂ در مقصود ۔ واں نمائندہ رہ معبود
لجۂ معرفت ازو در موج اختر نور دیں ازو در اوج
چوں براہ صفا قدم بکشاد گام بر گام مصطفیٰ بنہاد
بادشاہ جہاں بزیر گلیم کلہے چار تر کمش دیہیم [۱ ۷ ۱]
کیست چزوے بملک بے خویشی کہ کند سروری بدرویشی
دو جہاں نزد ہمت والاش کم‌تر از نیم دانۂ خشخاش
باطن او ز طلعت تکریم دادہ نور صفا بہفت اقلیم
خاک درگہ او پناہ ملوک در او سجدہ گاہ اہل سلوک
گوہر معدن صفات خدا قطرہ از ابر کوشش دریا
بر جہاں فیض اقدسش نازل او بداں فیض در جہاں باذل
سرو باغ حدیقۂ تقدیس بگریزاں ز سایہ اش ابلیس
طائر قدس را بلفظ فصیح قوت دادہ زدانۂ تسبیح
ہر کہ داد ارادتش دادہ پا بعرش عظیم بنہادہ
رہبر انس و جاں زروئے یقیں پیشوائے جہاں سماء الدین
چوں دلش ناظر جالی گشت زاں نظر گنج لا یزالی گشت

وہ حقائق کے مخزن، دقائق کے معدن، ذات اقدس کے جلوے کے سمندر، الوہیت کے سرور کے حامل، قناعت کے پہاڑ کے عنقا، آسمان ہدایت کے روشن آفتاب اور جہان تمکیں کے آسمان تھے۔

قطب الملت شیخ سماء الملت و الدین اگرچہ تمام مشائخ کبار میں آخری تھے لیکن علوم ظاہر و باطن کے اعتبار سے ان کے اطوار میں جنید اور بایزید کے آثار نمایاں تھے اور جذب خواطر میں بہت تصرف رکھتے تھے ۔ جس بیمار پر نظر مبارک ڈال دیتے تھے اس کا سینہ امراض باطن سے پوری طرح صحت یاب ہو جاتا تھا ۔ نبوی شفقتیں اور مصطفوی اخلاق ان کے اطوار و عادات سے ظاہر ہوتے تھے۔ جس

---

۱ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۵۹) میں ''شبلی'' بھی ہے۔

مرید کی طرف مسکرا کر دیکھ لیتے تو اس کا مقصد پورا ہو جاتا ۔

فی الحقیقت ہمچو خورشید سپہر بر جہان انداختے انوار مہر

ان کی ذات اللہ کی صفات سے موصوف تھی اور کشف و کرامات میں مشہور ؛ ان کی نظر شفقت مالدار اور غریب اور اپنے اور پرائے پر یکساں تھی ۔ وہ اولاد اور غیر میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے ۔

اخلاق عالیہ

وہ فاسق کو اس معروف کے اظہار کے بغیر نہایت شیریں الفاظ سے فسق و فساد کے راستے سے (ہٹا کر) نیکی اور اعتقاد کے سجادے پر لے آتے ۔ ایک دن سلطان بہلول لودی کے فرمان نویس شہاب خان کا لڑکا، جس کا نام محمد[1] تھا، ان کی مجلس میں آیا اور یہ درویش (جمالی) بھی موجود تھا ، (میں نے) چاہا کہ اس کو مجلس سے باہر کر دیا جائے ۔ حضرت (شیخ سماء الدین) نور باطن سے فقیر (جمالی) کے اس ارادے سے واقف ہو گئے ۔ فوراً میری طرف رخ کیا اور خواجہ حافظ کا یہ شعر ارشاد فرمایا

شعر

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست

ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

اس شعر کے سنتے ہی شیخ محمد مذکور پر جو ایک فاسق شخص تھا حالت طاری ہو گئی ۔ فوراً اس نے زمین پر سر رکھ دیا ، توبہ کی اور حضرت کا مرید ہو گیا ۔ اس کے بعد سے جب تک زندہ رہا ، گناہ کے پاس نہ پھٹکا ۔ اس نے نیکی کا طریقہ اختیار کر لیا اور وہ مقبولان حق سے ہوا ۔

نماز تہجد

حضرت کے سگے بھائی ملک المشائخ و العلماء [۱۷۲] شیخ اسحاق سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت بارہ سال کے تھے (تو اس وقت سے) کبھی نماز تہجد نہ چھوڑی ۔ ان کے پدر بزرگوار نے ان کو ایک ستارہ دکھا دیا تھا کہ جس وقت یہ ستارہ فلاں مقام پر پہنچے تو نماز تہجد ادا کرنی چاہیے ۔ حضرت حجرے کے اندر سے لحاف اوڑھے ہوئے اس ستارے کو دیکھ لیتے تھے اور تازہ وضو کر کے نماز تہجد ادا کرتے تھے ۔

---

۱ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۵۹ ۔ ۶۰) نام شیخ محمد تھا ، شراب پیے ہوئے مستی کے عالم میں آیا ۔

ایثار

میں نے یہ بھی شیخ اسحاق سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط پڑا اور غلہ بالکل ناپید ہوگیا ۔ جرت (جوار) کا دانہ موتی کے دانے کی طرح قیمتی ہوگیا تھا ۔ اس زمانے میں اگر کبھی آدھا سیر جوار یا گیہوں میسر ہو جاتے تو ان کو جوش دیتے اور ان کے دانوں کو گن کر گھر کے آدمیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جو ان کا حصہ ہوتا تھا وہ فقیروں کو دے دیتے تھے۔ وہ فاقے پر فاقہ کرتے تھے لیکن کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ بہت ایثار کیا کرتے تھے۔ ایک درم یا دینار اپنی ملکیت میں نہیں رکھتے تھے ، باوجودیکہ ہزاروں تحفے آتے تھے مستحقین اور اولاد کو برابر حصہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ فقیر (جمالی) مدت دراز تک حضرتؒ کی خدمت میں رہا کبھی ان کو صاحب نصاب نہ پایا ۔

گم شدہ گائے کا ملنا

مولانا عطاء اللہ دانش مند سے کہ جو حضرت کے کم ترین شاگردوں میں سے تھے، میں نے سنا ہے کہ شہر ناگور میں ایک صالحہ عورت تھی جو حضرت کی مرید تھی ۔ اس کے پاس دودھ دینے والی ایک گائے تھی ۔ وہ اس گائے کے دودھ کا دہی بنا کر حضرت ملک المشائخ (بہاء الدین) کے لیے لایا کرتی تھی۔ جب حضرت (شیخ بہاء الدین) شہر ناگور سے گجرات چلے آئے تو اس عورت کی گائے کو (کوئی) چور چرا لے گیا ۔ دو تین روز کے بعد اس عورت نے کہا اے مخدوم بہاء الدین ! کبھی کبھی جس گائے کا دودھ اور دہی میں آپ کے لیے لایا کرتی تھی اس کو چور لے گیا ۔ وہ گائے میرے پاس پہنچا دیجیے ۔ یہ کہہ کر وہ نماز میں مشغول ہو گئی ۔ عین نماز میں اس نے ملک المشائخ (شیخ بہاء الدین) کی آواز سنی کہ اے بی بی ! یہ تمہاری گائے پہنچا دی گئی ہے۔ اس کی حفاظت کرو۔ جب سلام پھیرا تو اس گائے کو گھر کے صحن میں کھڑا دیکھا ۔

کشتۂ سیماب

ایک مرتبہ ایک حکیم بنگالہ سے آیا ۔ اس نے اس فقیر (جمالی) سے ملاقات کی اور پارے کا تھوڑا سا کشتہ مجھے دیا ۔ آدھے جو کے برابر (کشتہ) میں نے کھا لیا ۔ اس زمانے میں میں بہت کمزور ہو گیا تھا ، بھوک بالکل جاتی رہی تھی ۔ آدھے جو کے برابر پارے کا کشتہ کھانے سے میرے کمزور بدن میں قوت آگئی اور بھوک خوب لگنے لگی۔ میں نے (اس حکیم سے) کہا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر تم پارہ کو کشتہ کرنے

کی ترکیب مجھے بتا دو۔ اس نے منظور کر لیا اور یہ بات آخری سفر سے پہلے ہوئی تھی ۔ اسی روز ملک المشائخ (شیخ بہاء الدین) سے ملاقات ہوئی - جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو فوراً فرمایا کہ فلاں شخص کا سیماب پورے طور سے کشتہ نہیں ہوتا ہے ۔ خدا نخواستہ اگر کچا رہ جائے تو جسم کو نقصان پہنچائے گا ۔ اس کے نفع پر نظر نہیں کرنی چاہیے [۱۷۳] میں سمجھ گیا کہ حضرت کو یہ بات بذریعہ کشف معلوم ہو گئی ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کی محبت کی گرمی میرے لیے کافی ہے ، سیماب کی حرارت مجھے کیا نفع دے گی۔ فرمایا کہ انشا اللہ تعالیٰ نور باطن سے تمھیں طاقت حاصل ہو جائے گی ۔ یہ بات سنتے ہی میرے بدن سے سستی زائل ہو گئی ۔

اخلاق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک دن موسم سرما میں دوپہر کے وقت میں دولت خانے پر حاضر ہوا ۔ اس فقیر (جمالی) کو حضرت کی قرابت کی وجہ سے تخلیہ میں جانے کی اجازت تھی میرے متعلق یہ حکم تھا کہ اگر فلاں شخص (جمالی) آئے تو باہر نہ رہے فوراً اندر آنے دو۔ جب میں (گھر میں) داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت ایک تخت پوش پر تشریف رکھتے ہیں ، کھچڑی کا ایک طباق سامنے رکھا ہوا ہے اور حضرت تناول فرما رہے ہیں ۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور ساتھ کھانے کے لیے ارشاد فرمایا اور کہا کہ اس کھانے کے لیے کچھ ریاضت کی ضرورت ہے ۔ میں نے عرض کیا کہ بسر و چشم ! میں حاضر ہوں ۔ جب میں نے لقمہ منہ میں رکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کھچڑی حریصوں کی طبیعت کی طرح کچی ہے اور روغن ایسا تلخ تھا جیسا مہجوروں کا زمانہ تلخی سے گزرتا ہے ۔ حضرت (اس کھچڑی کو) نہایت خوش طبعی سے تناول فرما رہے تھے ۔ میں برداشت نہ کر سکا اور میں نے ساز وارا[1] ملازم کو کہ جو باورچی خانے کا ذمہ دار تھا بہت سخت و سست کہا اور اس کو ملامت کی کہ اے بدبخت ترشرو ! کھانے میں یہ کڑواہٹ اور کچا پن کیسا ہے ۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ میں نے روغن کی کڑواہٹ کی وجہ سے اس (ملازم) پر تلخی اور کڑواہٹ کا اظہار کیا ۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے پہلے ہی تم سے ریاضت کے متعلق کہا تھا اور تم نے قبول بھی کر لیا تھا ، اب اس کو کچھ نہ کہو۔ میں

---

۱ ۔ نسخۂ اول (ص ۲ : ۶۲) اور المشاہیر (ص ۳۶) میں "سازدار" ہے ۔

حکم کے مطابق خاموش ہو گیا ۔ سبحان اللہ اخلاق محمدی ان سے ظاہر تھے اور بزرگی کے آثار ان میں بچپن سے موجود تھے ۔

والد بزرگوار کی دعا

سنا گیا ہے کہ حضرت کے والد ماجد، حضرت صدر الدین محمد کے مرید اور تربیت یافتہ تھے جو نیک اعمال کے آسمان کے آفتاب تھے اور ان کا عرف شیخ راجو قتال تھا اگرچہ میرے مخدوم و مرشد و مولا شیخ سماء الدین بھی ان کے تربیت یافتہ اور محبوب تھے لیکن ان کو خرقہ خلافت حضرت شیخ الاسلام شیخ کبیر الدین اسماعیل (سے ملا تھا) جو ظاہر و باطن میں انوار نبوی کے آئینے اور آثار مصطفوی کے مظہر تھے ۔ میں نے اپنے مرشد سے کہ جو دریائے اسرار کے موتی تھے ، سنا ہے کہ جب میری (شیخ سماء الدین کی) عمر بارہ سال کی تھی اور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو میرے والد ماجد نے آدھی رات کے وقت مجھے اپنے پاس بلایا اور چند نصیحتیں کیں اور فرمایا اے خدا ! سماء الدین کو اپنے کرم عام سے سعادت ابدی اور دولت سرمدی عطا فرما ۔ ظاہر ہے کہ ان باپ کی دعا مجھ بیٹے کے حق میں کس قدر با اثر ثابت ہوئی ۔

شیخ کبیر الدین اسماعیل سے بیعت

حضرت سے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین راجو قتال کے انتقال کے بعد [کہ[1] جو میری والدۂ ماجدہ کے پیر و مرشد تھے] میں ایک دن حضرت [۱۴۷] شیخ المشائخ شیخ اسماعیل کی خدمت میں کہ جو حضرت (صدر الدین راجو قتال) کے ولی عہد تھے ، حاضر ہوا ۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اس ناچیز کو اپنی شفقت و مہربانی سے پرورش فرمائیں اور اپنے ارشاد سعادت آثار سے میری پریشانیوں کو دور کریں تو حضور کے کمالات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی ۔ حضرت نے جواب دیا اور اخلاقاً فرمایا کہ میرے بھائی حضرت شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ بہت اہل کمال و صاحب حال ہیں ۔ تم کو ان کے پاس پہنچائے دیتا ہوں اور خرقہ دلوائے دیتا ہوں ۔ میں نہایت ادب کے ساتھ خاموش ہو گیا ۔ چند روز کے بعد میں نے پھر وہی بات عرض کی، پھر حضرت نے تواضع و انکسار کے ساتھ وہی جواب دیا ۔ اس وقت میں نے اس اعتقاد اور اتحاد کی بنا پر جو میں حضرت سے

---

۱ - نسخۂ اول (۲ : ۶۲) میں یہ جملہ نہیں ہے ۔

رکھتا تھا عرض کیا کہ اے آقا ! ارادت اور پیری و مریدی کا معاملہ قلب اور محبت سے تعلق رکھتا ہے اور میں یہ بات حضور والا میں پاتا ہوں ۔ اس بات کے سنتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوئے اور اپنے خاص حجرے میں لے گئے۔ ذکر کی تلقین کی اور دوگانہ ادا کرنے کے بعد اپنے خرقۂ خاص سے مشرف کیا ۔
ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ اللہ کا فضل ہے جس کو جتنا چاہے دے

ہر گام نبی قدم نہادہ

اسی زمانے میں میرے دل میں خیال آیا کہ فی الحال علم ظاہری کا حاصل کرنا ترک کر دوں اور پورے طور سے صفائی قلب میں مشغول ہو جاؤں ۔ جیسے ہی یہ بات میرے دل میں آئی ، حضرت کو کشف ہوا ، فوراً فرمایا کہ علم ظاہری کو ترک نہیں کرنا چاہیے کہ اس پر تو شرع کی بنیاد اور دین کی اساس قائم ہے ۔ میں خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ اہل ظاہر و باطن تجھ سے فائدہ حاصل کریں ؛ جیسے کہ ہمارے پیر ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ تھے، مجھے امید ہے کہ تو بھی اسی طرح آراستہ و پیراستہ ہو جائے گا ۔ سبحان اللہ (ان کی) دعا کی کیا خوب تاثیر ہے۔

شعر

زاں روز کہ سپہر زادہ ہر گام نبی قدم نہادہ[۱]

معمولات

یہ حقیر (شیخ جمالی) برسوں حضرت کی خدمت میں رہا اور اپنی ظاہری و باطنی دونوں طرح کی آنکھوں سے دیکھتا رہا ۔ اس مرشد آفاق کی روش اور اخلاق سے میری حیرت میں اضافہ ہوتا ۔ حضرت (سماء الدین) آدھی رات کے وقت تجدید وضو فرماتے اور نماز شروع کر دیتے۔ ایک پہر رات تک نوافل ادا کرتے۔ دوسرے نصف پہر میں صبح صادق تک مراقبے میں رہتے اور دیدۂ باطن مشاہدۂ حق میں مصروف رکھتے، اس کے بعد سنت مؤکدہ ادا کرتے اور فجر کی نماز پڑھتے ۔ ظاہری علوم کے علماء اور باطنی علوم کے صلحاء فجر کی نماز میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اور یہ حقیر (جمالی) آدھی رات کی نماز (تہجد) سے اشراق کی نماز تک حضرت کے پاس سے جدا نہ ہوتا تھا ۔ شہر کے باہر سے استنجے کے ڈھیلے ٹوکریوں میں رکھ کر اپنے سر

---

۱ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۹۳) ندارد ۔

پر لاتا ، وضو کے پانی کا انتظام کرتا جس سے حضرت وضو فرماتے [۵۱۷] اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد علماء و صلحاء کے سبق و درس میں مشغول ہو جاتے۔ میں اس وقت بھی حاضر رہتا اور دوپہر تک درس دینے میں مشغول رہتے ۔ حضرت کا درس زیادہ تر قرآن ، احادیث اور اصول فقہ سے متعلق ہوتا تھا [اور ان (کے درس میں) بعض طالب علم بھی ہوتے تھے کہ جو دانشمندی کے درجے کو پہنچ چکے تھے]¹ ۔ اس کے بعد ان مریدوں کی تربیت فرماتے جو اہل یقین اور طالبان حقیقت ہوتے تھے بحکم

کلموا الناس علی قدر عقولهم² لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو

ہر ایک کی استعداد اور تعلق کے مطابق ارشاد فرماتے اور توجہ کرتے ۔ دو طالب علم جو زیادہ ادب کرتے تھے ان سے خصوصیت فرماتے اور وہ فیض یاب ہوتے۔ اہل سعادت کو فائدہ پہنچانے کے بعد عصر کی نماز ادا کرتے ، مشاہدۂ قدرت کے لیے دیدۂ باطن کھولتے اور جمال الٰہی میں مستغرق ہو جاتے۔ جب مغرب کی اذان سنتے تو مراقبہ سے آنکھ کھولتے ، نماز مغرب اور اوابین کے نفلوں کے بعد پھر مراقبے میں مستغرق ہو جاتے ۔ عشاء کی نماز کے بعد قدم مبارک مسجد سے باہر نکالتے اور دولت خانے کو تشریف لے جاتے ۔ وہاں ایک وسیع دستر خوان بچھتا ، طرح طرح کے کھانے چنے جاتے ، حضرت بھی حاضرین کے ساتھ کھانا کھاتے اور ان اہل دل حضرت کی کہ جو ابدی انعام کے خواہش مند ہوتے ، حسب منشاء مرادیں پوری کرتے اور اہل طلب کے سینوں کو مسرور و معمور فرماتے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہر خاص و عام کو رخصت کر دیتے اور ہر ایک ، علم باطن سے مشرف ہو کر اور علم ظاہر کے سرور سے مسرور ہو کر اپنے گھر چلا جاتا اور خود ایک چپر کھٹ پر جو بانوں سے بنا ہوا تھا کچھ دیر آرام کرتے اور اس وقت بھی باطنی اشغال میں مصروف رہتے ۔ اہل ظاہر یہ سمجھتے کہ سو رہے ہیں ، یہ نہ جانتے کہ احدیت کے سمندر میں غرقاب ہیں ۔ جب تک زندہ رہے یہی طریقہ رہا ، ہمیشہ عبادت کی سعادت سے مشرف رہے ۔

---

۱ ۔ قوسین کی عبارت نسخۂ اول (ص ۲ : ۶۳) میں نہیں ہے ۔
۲ ۔ در نسخۂ اول (۲ : ۶۴) ندارد ۔

شفقت علی الخلق

اس عالی وقار (شیخ بہاء الدین) کی نظر میں دنیا کے بادشاہوں کی کوئی منزلت نہ تھی - آن کی حق بین نظر میں فقیر و مالدار یکساں تھے - اگر ایک ہزار تنکے کسی جگہ سے نذرانے میں آتے تو پانسو اور قرض لے لیتے اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے - قرض لینے کا سبب یہ تھا کہ جب فقیروں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کہیں سے نذرانہ آیا ہے تو بہت سے (فقراء) جمع ہو جاتے - آن ہزار دیناروں کو تقسیم کر دینے کے بعد جو اہل حاجت باقی رہ جاتے ، ان کو قرض منگا کر تقسیم کرتے - فقیروں ، غریبوں اور یتیموں پر اس درجہ شفیق تھے کہ ہر میوہ کی فصل میں اس جماعت کو اپنے سامنے بٹھاتے اور طرح طرح کے میوے ان کے سامنے رکھواتے اور خود بھی ان کے ساتھ تناول فرماتے ، حالانکہ ہزاروں شکرانے اور نذرانے متواتر آتے تھے مگر اپنے خور و نوش کے لیے قرض لیتے تھے [۱۷۶] -

ایک مرتبہ اس فقیر (جمالی) کے سامنے دو ہزار تنکے نذرانے میں آئے ، وہ سب مستحقین میں تقسیم کر دیے - اسی دوران میں فقراء کا ایک اور گروہ آ گیا - حضرت نے اپنے صاحبزادے شیخ المشائخ نصیر الملت والدین کو حکم دیا کہ جو لوگ تقسیم کے بعد آئے ہیں ان کو (بھی) محروم نہ جانا چاہیے، مزید ہزار تنکے قرض لے کر ان میں تقسیم کر دو - اس وقت یہ درویش (جمالی) مسکرایا - فرمایا کیوں ہنستے ہو ؟ میں نے عرض کیا ، سبحان اللہ (یہاں یہ حال ہے) لیکن اگر زمانے کے درویشوں کے پاس نذرانے آتے ہیں تو وہ بھی قرض منگا لیتے ہیں تا کہ کوئی (ان کی حقیقت سے) واقف نہ ہو (کہ ان کے پاس دولت ہے)- حضرت مسکرائے -

سلطان حسین شرقی اور سلطان بہلول لودی

میں نے شیخ المشائخ کے سجادہ نشیں مخدوم زادہ شیخ نصیر الدین سے سنا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ قطب عالم بہاء الدین شہر بیانہ میں متوطن تھے ، ایک دن سلطان احمد جلوانی ان عارف ربانی (بہاء الدین) کے حضور میں حاضر ہوا - سید خونده میر رسولدار بھی جس کو مرتضوی خاں کا خطاب تھا ، اس کے ساتھ تھا - اس نے کچھ اور سرداروں کو بھی اندر بلا لیا اور اپنے سامنے بٹھایا - اس زمانے میں سلطان حسین جونپوری نے دارالملک دہلی (خدا اس کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے) کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور سلطان احمد جلوانی اس کی موافقت میں تھا - القصہ وہ حضرت (شیخ بہاء الدین) کے حضور میں

جو گلزار مشیخت کے سرو تھے، کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کرنے لگا کہ حضور کی خدمت میں التماس فاتحہ (دعا) ہے کہ سلطان حسین جونپوری کو آپ کی دعا سے فتح حاصل ہو کہ وہ عالی مرتبہ بادشاہ ہے ۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا ۔ فوراً فرمایا کہ اے احمد ! تیرے باپ دادا پر سلطان بہلول لودی نے نوازشیں کی ہیں اور تو نے بھی اس کا نمک کھایا ہے ۔ تجھ کو یہ نہیں چاہیے کہ اتنے حقوق نعمت کو ایک دم خاک میں ملا دے ، اس وجہ سے کہ نعمت سے انکار کرنا مذلت اور زوال کا سبب ہے ۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ ایسے ظالم کے لیے دعا کروں کہ جس نے ظلم کا ہاتھ بڑھایا ہے اور دائرۂ عدالت سے قدم باہر رکھ دیا ہے ، حالانکہ وہ عزیز (سلطان بہلول لودی) ہمیشہ خدا کی عبادت کرتا ہے اور کبھی زمین عبادت سے سر نہیں اٹھاتا ۔ جب احمد نے یہ بات سنی ، بہت شرمندہ ہوا اور بیٹھ گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ سلطان حسین کا دست مراد دامن مقصود تک کسی طرح نہیں پہنچ سکتا ۔ آہستہ آہستہ خواجہ (سلطان احمد جلوانی) سلطان بہلول لودی سے جا ملا ۔

اس حکایت سے میرا یہ مدعا ہے کہ ایمانداری اور شرع کی پابندی کے لحاظ سے اس طرح بادشاہوں کو بھی نصیحت کرنی چاہیے ۔ باوجودیکہ سلطان احمد مذکور ایسا تیز طبیعت ، بد مزاج اور مغلوب الغضب تھا کہ کفر کے کلمات تک کہہ ڈالتا تھا لیکن اس روز حاضرین مجلس نے [۱۷۷] دیکھا کہ حضرت مخدوم (سماء الدین) کی دہشت کی وجہ سے اس کا یہ حال تھا کہ جب تک وہاں سے رخصت ہوا اپنے آپ کو حرف زاید کی طرح ذلیل سمجھتا رہا ۔

سلطان بہلول لودی کو نصیحت

جس زمانے میں میرے مخدوم اور آقا شیخ سماء الدین دارا لملک دہلی میں رہتے تھے تو یہ حقیر (جمالی) حضرت آدم صفی اللہ کے قدم مبارک کی زیارت سے مشرف ہو کر وہاں آیا تھا اور حضرت کی زیارت سے اکثر مشرف ہوتا رہتا تھا ۔ ایک دن سلطان سکندر کا باپ سلطان بہلول ان کی زیارت کے لیے آیا ۔ خبر کی گئی کہ سلطان (بہلول) حضور کی زیارت کا امیدوار ہے، کیا حکم ہے ؟ فرمایا اندر بلا لو ۔ سلطان اندر داخل ہوا ، اپنا سر حضور کے قدموں پر رکھ دیا اور سامنے بیٹھ گیا ۔ کچھ دیر کے بعد سلطان نے عرض کیا کہ اس معتقد (بہلول لودی) کی چشم ظاہر و باطن حضرت مخدوم (سماء الدین) کی شفقت و کرم کی امیدوار ہے ، اس وجہ سے کہ

(حقیقت میں) بادشاہ درویش ، ہوتے ہیں اور ہم ان کی صورت کے ریزہ چیں ہیں ۔
حضرت نے فرمایا کہ ان کی صورت کے ریزہ چیں ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی میں ان کے سے حالات نہ پیدا ہوں تو افعال و اقوال و اعمال میں ان کی پیروی کرے تا کہ درویشوں کی ظاہری صورت (اختیار کرنے) سے اس کی باطنی کدورت کا زنگ صاف ہو جائے ۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ باری تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں ، اول وہ بوڑھا جو بڑھاپے میں گناہ آلود زندگی گزارتا ہو ، دوم وہ جوان جو توبہ کی امید میں معصیت میں گرفتار ہو، سوم وہ بادشاہ جو جزوی و کلی مرادات کے حصول کے باوجود اپنی سلطنت کے چراغ کو جھوٹ کی آندھی سے گل کر دے ۔

اس بوڑھے کو یہ حکم ہو کہ اے سفید بالوں والے سیاہ باطن! اس ضعف پیری کے باوجود تجھ کو اپنی زندگی کی کیا امید ہے کہ تیری دیوار مضبوط ہو سکے گی اور تو غفلت میں رہ کر گناہوں کی قوت سے اس کی بنیاد کیوں کھود رہا ہے ۔

اس نوجوان سے یہ کہا جائے کہ اے احمق جوان ! تو نہیں جانتا کہ بوڑھے اور بچوں میں سے ہر ایک کی روح باری تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ تو جو بڑھاپے کی امید میں صحرائے معصیت میں گھوم رہا ہے اور انجام پر نظر نہیں کرتا ، کس طرح تجھ کو یقین ہے کہ بوڑھا ہو ہی جائے گا ۔

اس جھوٹے بادشاہ کو تنبیہ کے ساتھ یہ بتایا جائے کہ اے غافل زمانہ! جھوٹ آخرت کی طلب کے لیے نہیں ہے ، صرف اس دنیائے فانی کے ربط و ضبط کے لیے ہے ۔ تو نے کیوں دروغ کا بیج اپنے اعمال کی کھیتی میں ڈالا ہے ۔ تو نے بڑھاپے میں سلطنت کی ہے اپنے دل کو خوف الٰہی سے آگاہ کر اور جہاں تک ممکن ہو سکے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہو کہ

لئن شکرتم لا زیدنکم	اگر تم نے شکر کیا تو میں تمھیں زیادہ عطا کروں گا

کے مطابق تجھ پر نعمتیں نازل ہوں اور گناہوں میں اس طرح مشغول نہ ہو کہ [۱۵۸]

و لئن کفرتم ان عذابی لشدید	اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب بہت سخت ہے

کے مطابق عذاب الٰہی میں آ جائے ۔

مختصر یہ کہ ان کلمات نے سلطان کے دل میں اس طرح اثر کیا کہ اس کے چہرے پر آنسو بہنے لگے اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی چنانچہ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اے حضرت مخدوم ! گناہوں کے باوجود درویشوں کی محبت برابر آہستہ آہستہ میرے دل میں ترقی کر رہی ہے ۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس گروہ کی محبت کی برکت سے وہ مجھ کو بخش دے اور اس نے کچھ اس طرح عاجزی کی کہ حاضرین بھی رونے لگے ۔ آخر کار حضور نے اپنا خاص مصلیٰ اس کو عنایت فرمایا ۔ سلطان نے اس مصلے کو اپنے سر پر رکھا اور واپس چلا گیا ۔

شیخ المشائخ (سماء الدین) کے سجادہ نشیں مخدوم زادہ شیخ نصیر الدین سے میں نے سنا ہے کہ ایک روز حضرت شیخ سماء الدین سلطان بہلول شاہی کی وفات کے بعد اس کی زیارت کے لیے گئے ، قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مراقبہ کیا ۔ کچھ دیر کے بعد سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ یہ شخص دنیا میں بھی کامیاب اور صاحب سلطنت رہا اور مرنے کے بعد بھی اس نے اس فرط محبت کی برکت سے جو اس کو دوستان خدا سے تھی عالی مرتبہ پایا ۔

قاضی بدر الدین بیانوی

ایک دن مغرب کی نماز کے وقت مقررہ امام موجود نہ تھا ۔ حضرت نے قاضی بدر الدین کو جو شہر بیانہ کے حاکم تھے ، امامت کا حکم دیا ۔ قاضی مذکور امامت کی جگہ بہادروں کی سناں (برچھی) کی طرح کھڑے ہو گئے اور ''قد قامت الصلوٰۃ'' سننے کے بعد آراستہ ہوئے اور شمشیر زبان کو زبان شمشیر کی طرح چلانا شروع کیا اور مخرج قرآن کے ادا کرنے میں نہایت تیزی کی ۔ سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ لایلاف کی تلاوت شروع کی اور اتنا تیز پڑھا کہ ''والصیف'' کی بجائے ''والسیف'' ادا کر دیا ۔

اس حقیر (جمالی) نے نماز کے سلام کے بعد امام کی جانب رخ کیا اور کہا کہ اے مخدوم ! عجیب صف شکن مرد ہو کہ سمند سرعت کو قرأت کے میدان میں اس قدر تیز دوڑایا کہ مقتدیوں کی نماز کو اپنی شمشیر زبان سے کاٹ ڈالا ۔ ان الفاظ کے سنتے ہی اس گوہر معدن حیا (شیخ سماء الدین) کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا ۔ اگرچہ حضرت نے اس وقت اظہار نہ فرمایا لیکن دوسرے روز تنہائی میں ارشاد فرمایا کہ قاضی بدر الدین کو تمہاری گفتگو سے شرمندگی ہوئی ، اس کو

خوش کرنا چاہیے ۔ دوسرے روز اس کو خوش کیا گیا ۔ اگرچہ حضرت مخدوم تمام بندگان خدا سے خاص و عام کی تربیت کے لیے ملتے تھے لیکن عام و خاص میں سے جو کوئی بھی ان کے پاس پہنچتا تو ان کی دہشت کا اس پر ضرور اثر ہوتا تھا اور ہر شخص ان کا ادب ضروری سمجھتا تھا ۔

شیخ سماء الدین اور شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی میں ملاقات

حضرت شیخ (سماء الدین) کے بڑے صاحبزادے سلطان المجردین و برہان المتوکلین عالم اسرار ربانی شیخ عبداللہ بیابانی سے میں نے سنا ہے [کہ حضرت (شیخ سماء الدین) اور حضرت شیخ وجیہ الدین احمد میں ، جو قطب زمانہ تھے [۹ ب ۱] اور جن کا مقبرہ گجرات میں ہے ، ملاقات ہوئی ۔ وہ عظیم القدر بزرگ تھے ۔ علم ظاہر میں ابو حنیفۂ وقت اور علم باطن میں بایزید عصر تھے ۔][1] جس زمانے میں حضرت شیخ سماء الدین گجرات تشریف لے گئے تھے اس وقت حضرت شیخ وجیہ الدین احمد زندہ تھے ، ان کی عمر ایک سو تئیس سال کی ہو چکی تھی ۔ شیخ سماء الدین اس زمانے میں پینسٹھ سال کے تھے ۔

وہ ایک دن حضرت شیخ وجیہ الدین احمد کی ملاقات کے لیے گئے ۔ شیخ وجیہ الدین اپنے ایک شاگرد کو بزدوی کا سبق دے رہے تھے ۔ شیخ سماء الدین کے پہنچتے ہی انھوں نے سبق دینا بند کر دیا ، فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت ادب سے دو زانو ہو بیٹھے ۔ باوجودیکہ ان دونوں بزرگوں میں پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی ، نہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے ۔ حضرت شیخ وجیہ الدین احمد ، حضرت (شیخ سماء الدین) کے کمالات و استعداد کو نور باطن سے پہچان گئے اور انھوں نے ایک خاص مصلیٰ بطور تبرک حضرت مخدوم کو پیش کیا ۔ حضرت نے قبول فرما لیا ۔

شیخ وحید الدین احمد گجراتی

حضرت شیخ وجیہ الدین احمد ، بابا اسحاق مغربی کے مرید تھے اور وہ اس طرح مرید ہوئے تھے کہ جب ان کے والد ماجد ملک اختیار الدین محمد نے وفات پائی تو ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی ، ملک اختیار الدین محمد کی سلطان فیروز شاہ سے قرابت تھی اور وہ امرائے کبار میں سے تھے ۔ انھوں نے انتقال کے بعد بڑا خزانہ چھوڑا ۔ شیخ مذکور (وجیہ الدین احمد) کے سوا کوئی اور ان کا وارث نہ تھا ۔

---

۱ ۔ قوسین کی عبارت نسخۂ اول (۲ : ۶۸) میں نہیں ہے ۔

حضرت شیخ (وجیہ الدین) کو لوگ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے یوسف ثانی کہا کرتے تھے وہ فسق و فجور میں مستغرق رہتے تھے اور ہمیشہ شراب پیتے تھے۔ ایک روز سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ان کا گزر بابو اسحاق مغربی کی خانقاہ کے دروازے سے ہوا۔ بابائے مذکور اپنی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے، انھوں نے شیخ (وجیہ الدین احمد) کو دیکھا تو آدھے مثقال کے وزن کا ایک ڈھیلا اٹھا کر شیخ (وجیہ الدین) احمد کے مارا اور کہا کہ اے لڑکے! کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ (وجیہ الدین احمد) بے ہوش ہوگئے اور گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ جب بابو اسحاق نے یہ دیکھا تو ان کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ کچھ دیر کے بعد (ان کو) خانقاہ کے اندر لائے، تھوڑا سا پانی طلب کیا، خود پیا اور بقیہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ شیخ ہوش میں آ گئے اور بیعت کر لی اور جو مال و متاع ان کے پاس تھا وہ سب بابو اسحاق کے سامنے پیش کر دیا جو مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں وہ قطب کے درجے پر فائز ہوئے۔ چنانچہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ ان کے مرید ہوئے۔ شیخ (وجیہ الدین احمد) نے شادی نہیں کی۔ وہ پندرہ سال تک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مجاور رہے اور وہاں سے گجرات آئے۔ سلطان احمد گجراتی کہ جو ایک عالم [۱۸۰] اور حافظ قرآن تھے ان کے مرید ہوئے۔ اس زمانے میں ان کا مقبرہ شہر احمد آباد کے نزدیک قصبہ سرکیچ میں ہے۔ ان کی پائنتی گجرات کے بہت سے بادشاہوں کی قبریں ہیں۔

یہ حقیر (جمالی) بیت اللہ سے واپسی کے وقت ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور جب میں اپنے پیر شیخ سماء الدین کی خدمت میں پہنچا تو نذر پیش کی اور ان کی زیارت سے مشرف ہونے کا حال بیان کیا، حضرت نے فرمایا کہ میری ان سے ملاقات تھی۔

باطنش با نور حق پیراستہ

اسی طرح عارف ربانی شیخ عبداللہ بیابانی سے سنا گیا ہے کہ جس زمانے میں شیخ سماء الدین قصبہ پلانبہ[۱] میں جو رنتھمبور کے نزدیک ہے، رہتے تھے تو میں بیعت کے بعد ابتدائے سلوک میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ حضرت کے خاص حجرے میں جاتا تھا۔ میں کنگھا اور رومال (ان کے) سامنے رکھتا تھا۔ جب حضرت مخدوم

۱۔ نسخۂ اول (۲ : ۶۹) میں ''ملاسہ'' اور المشاہیر (ص ۳۸) میں ''بیانہ'' ہے۔

(شیخ سماء الدین) کی دستک کی آواز سنتا تھا تو اندر داخل ہوتا اور وضو کراتا - میں عرصے تک یہ خدمت انجام دیتا رہا -

ایک دن اشراق کی نماز کے بعد ایک درویش ان کی مجلس میں آیا - اس کے پاس مکتوبات حضرت عین القضاۃ ہمدانی تھے حضرت مخدومی (سماء الدین) نے وہ مکتوبات اس کے ہاتھ سے لے لیے - اس کے ایک دو ورق مطالعہ کیے - اس کے بعد وہ حضرت (ہمدانی) کی تعریف کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ بیس جگہ ان کی دعوت تھی ، وہ مطابق اپنے حجرے سے باہر نہیں آئے مگر اس کے باوجود بیسوں مقامات پر دعوت میں موجود تھے - چونکہ میرے سلوک کا ابتدائی زمانہ تھا اس لیے اس بات کو سن کر مجھے شبہ ہوا کہ ایک شخص ایک ہی مقررہ وقت میں بیس جگہ کس طرح موجود ہو سکتا ہے - اس خطرے کے گزرتے ہی مجھ پر حالت استغراق طاری ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس بات میں مطلق شبہ نہیں ہے کیونکہ حضرت مخدومی (سماء الدین) نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے - القصہ حضرت نے ظہر کی نماز کے وقت حجرے کے اندر سے دستک دی - اس حقیر (جمالی) نے حسب عادت لوٹا اور طشت تیار کیا اور حجرے میں داخل ہوا - میں جیسے ہی حجرے میں پہنچا تو میں نے اس حجرے کے چاروں کونوں میں حضرت کو علیحدہ علیحدہ دیکھا - تھوڑی دیر کے بعد حضرت کو ایک جگہ (ایک وجود میں) دیکھا - میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ جو ظاہر کیا گیا وہ میرے اس شبہ کی وجہ سے تھا جو میرے دل میں گزرا تھا - (حضرت نے) فرمایا کہ درویشوں کی قوت تمثیل اس درجہ ہوتی ہے کہ اگر چاہیں تو ایک ہی وقت میں سو جگہ حاضر ہو سکتے ہیں - اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے اس قسم کی باتوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے - چنانچہ حضرت کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرۂ تحریر میں نہیں آسکتے ، اکثر ان کی پرورش حضرت خلاصۂ موجودات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس سے ہوتی تھی -

باطنش با نور حق آراستہ ظاہرش نیز از رسول پیراستہ
نور حق تابندہ در رخسار او شرع احمد زندہ از کردار او [۱۸۱]

شیخ جمالی سے تعلق خاطر

ان کی فرشتہ خصلت ذات سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے مثل تھی - مجھ جیسے بے سروپا انسان پر اتنی نظر رحمت رکھتے تھے کہ

تحریر میں نہیں آ سکتی ۔ اگرچہ یہ حقیر سالہا سال ان کی ظاہری نظروں سے دور رہا لیکن وقتاً فوقتاً (مجھ پر) حضرت کی توجہ باطنی بے حد اور بے شمار رہی کبھی، بھی تہجد کے وقت میرے لیے مندرجہ ذیل دعا ترک نہیں کی ۔ یہاں تک کہ میں حضرت کے آستانہ کی خاک بوسی سے مشرف ہوا (وہ دعا یہ ہے)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

اللھم ارجع جمالی الینا	اے اللہ اپنی رحمت کے طفیل سے
سالماً و غانماً و ارزقنا	جمالی کو ہمارے پاس صحیح و سالم اور
مشاہدۃ جمالہ و نور عینی	بھرا پرا بھیج اور ہمیں اس کے جمال کا
بنور لقائہ برحمتک	مشاہدہ کرا دے اور اس کی ملاقات کے
یا ارحم الراحمین	نور سے آنکھوں کو منور کر دے ۔

جب میں حضرت کی قدم بوسی سے مشرف ہوا تو مجھ سے بغل گیر ہوئے، میرے چہرے کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ الحمدللہ کہ میری یہ دعا جو میں نے برسوں تہجد کے وقت پڑھی، قبول ہوئی ۔ اسی وقت ان کے سامنے حضرت کے صاحبزادے سجادہ نشین ملک المحققین شیخ نصیر الدین نے فرمایا کہ تم غالباً ابھی سمندر میں جہاز کے اندر ہی ہو گے کہ جناب مخدوم نے فرمایا ۔ الحمدللہ شیخ جمالی بیت اللہ سے واپس ہوئے ۔ شاید اس وقت گجرات کے شہروں میں پہنچے ہوگے چند روز کے بعد ایک مسافر آیا اور اس نے عزیز الوجود (جمالی) کی خبر پہنچائی ۔

سفر میں کبھی جنگل میں اور کبھی آبادی میں میری حالت اتنی خراب ہو گئی کہ امید زیست باقی نہ رہی ۔ حضرت شیخ (سماء الدین) کو بچشم ظاہری میں نے دیکھا کہ نہایت خوش مزاجی کے ساتھ انہوں نے مجھ کو پان کا بیڑا دیا، اسی وقت وہ تکلیف اور بیماری صحت و سلامتی سے بدل گئی ۔

اگر ان کی کرامات، رویت حق تعالیٰ، معیت روح مصطفوی اور بارگاہ نبوی سے بشارت و حکم کہ جو ان کے متعلق ظاہر ہوتے تھے، بیان کیے جائیں تو اس مختصر (کتاب) میں ان کی گنجائش نہ ہو سکے گی ۔

شیخ عبداللہ بیابانی (فرزند اکبر)

حضرت کے صاحبزادے[1] ظاہری علم میں مستثنیٰ اور ممتاز اور معاملہ باطن میں

۱۔ مؤلف المشاہیر نے لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ بیابانی کا انتقال ۹۳٦ھ میں ہوا دیکھیے : ←

ہم پایۂ قدسیان تھے ۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے جو بیشۂ ربانی کے شیر اور دریائے رحمانی کے نہنگ تھے، ان کا نام شیخ عبداللہ بیابانی تھا ، کسی درویش کو مجاہدہ ، ریاضت اور توکل میں ان کی ہم سری کرنا ناممکن ہے ۔ ساٹھ سال سے زیادہ (عرصے) ایک ہی طریقے اور انداز سے جنگل میں زندگی گزار دی اور اسّی (٨٠) گرمی اور برسات (کے موسم) اس طرح گزرے کہ کبھی مکان کا رخ نہ کیا ۔ پانچوں وقت کی نماز بغیر غسل کے نہ پڑھی اور تمام عمر درخت کے پتوں یا جنگل کے میووں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے روزہ افطار نہیں کیا ۔ روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرنا ضروری تھا ۔ اکثر ان کے چاروں طرف شیر ببر ، چیتے ، ہرن اور دوسرے جنگلی جانور جمع رہتے تھے اور کوئی ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاتا تھا ۔

شیخ نصیر الدین (فرزند دوم)

ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت سلطان المحققین برہان المدققین شیخ نصیر الدین تھے جو صورت و سیرت سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ ان بزرگوں نے کبھی حضرت نبی کریم احمد مختار صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت کی خلاف ورزی نہیں کی[1] ۔

شیخ عبدالغفور لاڈن

حضرت شیخ سماء الدین کے پوتے یعنی شیخ نصیر الدین کے بیٹے [١٨٢] جو درگاہ رب العزت میں برگزیدہ ، گلزار حقیقت کے غنچے، اشجار طریقت کے شگوفے، برج الطاف و اشفاق کے ستارے اور درج احسان و اخلاق کے گوہر تھے ۔ وہ علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ ان کا نام شیخ عبدالغفور عرف لاڈن تھا ۔ میرے مخدوم مرشد ، مولا اور آقا شیخ سماء الدین نے ان کی بابت فرمایا کہ شیخ عبدالغفور ہمارے گھر کا چراغ ہے۔ حضرت شیخ (لاڈن) کے والد بزرگوار یعنی شیخ نصیر الدین نے اپنی زندگی میں اس حقیر (جمالی) کے سامنے ان کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا ۔

---

(١) المشاہیر ص ٤٦ - ٤٧ -
(٢) اخبار الاخیار ص ٢١٨ - ٢١٩ -
(٣) خاندان زبیری کنبوی ٢ : ٢٥٥ -
(٤) شمس التواریخ ٢ : ١١ - ١٢ -

١ - ملاحظہ ہو المشاہیر ص ٤٧ ، خاندان زبیری کنبوی ٢ : ٢٥٦ ، شمس التواریخ ٢ : ١٢ - ١٣ ، تاریخ اولیائے دہلی ص ٨٤ -

اس زمانے میں وہ نعمت ان کی سیرت میں موجود اور ان کی ذات گرامی سے ظاہر ہے[1] -

شیخ جمالی کا شیخ عبداللہ بیابانی سے ملاقات کا اشتیاق

مختصر یہ کہ جس وقت یہ حقیر (جمالی) سفر سے حضرت کی خدمت میں پہنچا تو اچانک مجھ کو شیخ امانی ، دریائے معانی کے نہنگ شیخ عبداللہ بیابانی سے ملنے کا اشتیاق ہوا - اس حقیر (جمالی) کو شیخ عبداللہ سے نہایت محبت و مؤدت تھی - حضرت جنگل میں رہا کرتے تھے - میں نے بہت سفر کیا تھا اور بیت اللہ کے بیابان میں گھوما تھا - میں نے حضرت مخدومی سے عرض کیا کہ اگر حضور کی اجازت ہو تو میں یہ سفر کروں ، ان کی دست بوسی سے مشرف ہوں -

اس بات کے سنتے ہی حضرت خوش ہو گئے اور فرمایا کہ یہاں آؤ - مجھ سے بغل گیر ہوئے ، اپنا خاص لباس عنایت فرمایا ، طرح طرح کی عنایتیں کیں اور ایک اشتیاق نامہ اپنے درد و فراق کا اس برگزیدۂ عالم (شیخ عبداللہ بیابانی) کو تحریر کیا - یہ شعر اس خط کا عنوان تھا :

طاقت صبر مرا نیست دریں بحر طویل قدمے زود بنہ بر سر ایں پیر علیل

مختصر یہ کہ میں آمادہ ہو گیا کہ ہندوستان کے شہروں کی طرف اور اس ویران بیابان کی طرف جاؤں جہاں وہ گنج معانی (شیخ عبداللہ بیابانی) مقیم تھا -

وصال

دوسرے روز چاشت کے وقت مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ واللہ اعلم ، فرزند شیخ عبداللہ کا دیدار نصیب ہو یا نہ ہو ، میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے جدا ہو (بلکہ) میرے جنازے کی نماز میں موجود رہو - یہ بات سنتےہی مجھ پر رقت طاری

---

۱ - مؤلف خاندان زبیری کنبوی (۲ : ۲۵۶) نے لکھا ہے کہ شیخ لاڈن کی پیدائش ۸۸۶ھ اور وفات ۹۴۵ھ میں ہوئی - شیخ عبدالغفور لاڈن نامور عالم اور شیخ طریقت تھے ، مشہور علماء ان کے شاگرد تھے - ملاحظہ ہو :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۵۳ ، ۱۶۶ -

(۲) شمس التواریخ ۲ : ۱۲ - ۱۳ -

(۳) المشاہیر ص ۴۸ - ۴۹ -

ہو گئی - میں نے سر زمین پر رکھ دیا اور واپس ہوا - اس کے بعد تقریباً ایک ہفتے تک استغراق میں رہے - کسی شخص سے بات نہیں کرتے تھے - قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے - مشاہدۂ حق تعالیٰ میں مستغرق رہتے تھے - ہر نماز کے وقت تجدید وضو کرتے اور اپنے آپ کو بحر احدیت میں ڈال دیتے تھے - حضرت نے عشاء کی نماز کے بعد آنکھ کھولی ، مسکرائے اور انتقال فرما گئے - حضرت کی وفات سترہویں ماہ جمادی الاولیٰ کو ہوئی - حضرت شیخ کی تاریخ وفات یہ ہے[1] :

۱۹٦
مرشد انس و ملک شاہ سماء الدین چو رفت
اے جمالی بر سریر عرش آمد گام او [۱۸۳]
ہشت خلد آمد بنام او اگر پرسد کسے
سال تاریخش بگو ہشت امدہ بر نام او
۷۰۵+۱۹٦=۹۰۱ھ

حضرت کے غسل کے وقت تمام درویش جو برج سعادت کے ستارے اور درج سیادت کے گوہر ، حضرت حاجی الحرمین حاجی عبدالوہاب ، حضرت مخدوم مولانا عبداللہ الہداد، سلطان المحققین برہان المدققین حضرت مخدوم زادہ شیخ نصیر الدین حضرت زبدۃ العارفین ملک المحققین سلطان المدققین شیخ عبدالغفور اور یہ احقر الانام خاک پائے خاص و عام (جمالی) سب حاضر تھے- سب تبرکاً ان کے جسم مبارک پر پانی ڈالتے تھے - چنانچہ سب نے دیکھا کہ (انھوں نے) کلمۂ شہادت پڑھنے کے لیے انگشت شہادت کو کھڑا کیا اور کئی مرتبہ اللہ اللہ کہا ، چنانچہ حاضرین نے سنا - سب پر ایک عجیب و غریب حالت طاری ہو گئی - حضرت کا مدفن حوض شمسی (دہلی) پر واقع ہے[2] -

حضرت (شیخ سماء الدین) نے اپنی وفات سے چند سال پہلے سلطان (شمس الدین التتمش) کو خواب میں دیکھا کہ وہ گویا حوض شمسی کے کنارے کھڑے ہیں

---

۱ - حامد علی خان بیرسٹر ولد حکیم امجد علی خان ساکن امروہہ نے ۱۳۱۴ھ میں جمالی کا یہی قطعہ تاریخ پتھر پر کندہ کرا کے شیخ سماء الدین کے مزار پر نصب کرا دیا ہے- (لسٹ آف محمڈن اینڈ ہندو مونیومینٹس جلد سوم نمبر ۹۲)-

۲ - شیخ سماء الدین کے حالات میں ایک کتاب احمد خان اکبر شاہی نے شجرۂ سہرورو لکھی ہے جس کا واحد خطی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں خاکسار ←

اور چبوترے کی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ تمھاری یہ جگہ ہے ۔ حضرت مخدومی (شیخ سماء الدین) کا مقبرہ مطہرہ اسی مقام پر ہے ۔

پنجم ترا شمرد نبی در چهار یار

حضرت کی وفات کے بعد حضرت خلاصۃ الابرار زبدۃ الاخیار شیخ معمور پر نور حضرت شیخ عبدالغفور نے حضرت خلاصۃ المشائخ و الاولیاء شیخ جمال ہانسوی کو جو حضرت سلطان المشائخ قطب العالم شیخ فرید الدین کے خلیفہ ہیں ۔ خواب میں دیکھا ۔ انہوں (عبدالغفور) نے حضرت (ہانسوی) سے دریافت کیا کہ ہمارے شیخ ، شیخ سماء الدین کا کونسا مقام ہے ۔ انہوں نے فرمایا کہ تمھارے شیخ ہمیشہ حضرت خلاصۂ موجودات (سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم) کے چار یاروں میں رہتے ہیں ۔ چنانچہ کاتب (جمالی) نے یہ شعر ان کے مرثیے کے ترکیب بند میں لکھا ہے :

بیت

پنجم ترا شمرد نبی در چهار یار　　　از جان و دل قبول نمودند ہر چهار

اے دنیا کو پناہ دینے والے اور بخشنے والے خدا ! اس گنہ گار بد کردار اور سیہ کار کو ان درویشوں کے واسطے سے کہ جن کا ذکر اس کتاب میں ہے ، بخش دے ۔

بیت

گر نیک آیم مرا ازیشان گیری　　　ور بد باشم مرا بدیشان بخشی [۱۸۴]

مترجم محمد ایوب قادری کی نظر سے گزرا ہے ۔ اس کے علاوہ شیخ سماء الدین کے سلسلے میں ملاحظہ ہو :

(۱) اخبار الاخیار ص ۲۱۷ - ۲۱۹ -
(۲) المشاہیر ص ۲۷ - ۳٦ -
(۳) خاندان زبیری کنبوی ۲ : ۲۵۴ - ۲۵۵ -
(۴) تاریخ خان جہانی ۲ : ۲۲٦ - ۲۲۸ -
(۵) سلسلۂ عالیہ ص ۱۱ - ۱۲ -
(٦) خلاصہ شمس التواریخ از حکیم نواب علی خان ۲-۱۳ -
(۷) شمس التواریخ جلد دوم ص ۳ - ۱۱ -

ضمیمه

عہد سلطنت

غلام خاندان

۱ -	قطب الدین ایبک	۶۰۲ھ	۱۲۰۶ء[1]
۲ -	آرام شاہ	۶۰۷ھ	۱۲۱۰ء
۳ -	شمس الدین التتمش	۶۰۷ھ	۱۲۱۰ء
۴ -	رکن الدین فیروز	۶۳۳ھ	۱۲۳۵ء
۵ -	جلالۃ الدین رضیہ	۶۳۴ھ	۱۲۳۶ء
۶ -	معز الدین بہرام	۶۳۷ھ	۱۲۴۰ء
۷ -	علاء الدین مسعود	۶۳۹ھ	۱۲۴۲ء
۸ -	ناصر الدین محمود	۶۴۴ھ	۱۲۴۶ء
۹ -	غیاث الدین بلبن	۶۶۴ھ	۱۲۶۶ء
۱۰ -	معز الدین کیقباد	۶۸۶ھ	۱۲۸۷ء
۱۱ -	شمس الدین کیومرث	۶۸۹ھ	۱۲۹۰ء

خلجی خاندان

۱۲ -	جلال الدین فیروز	۶۸۹ھ	۱۲۹۰ء
۱۳ -	رکن الدین ابراہیم	۶۹۵ھ	۱۲۹۶ء
۱۴ -	علاء الدین محمد	۶۹۵ھ	۱۲۹۶ء
۱۵ -	شہاب الدین عمر	۷۱۵ھ	۱۳۱۶ء
۱۶ -	قطب الدین مبارک شاہ	۷۱۶ھ	۱۳۱۶ء
	شمس الدین محمود (مدعی)	۷۱۸ھ	۱۳۱۸ء
۱۷ -	ناصر الدین خسرو	۷۲۰ھ	۱۳۲۰ء

---

۱ یہ سنین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب ''دی ایڈمنسٹریشن آف سلطنت آف دہلی'' سے لیے گئے ہیں ۔ (م-ا-ق)

تغلق خاندان

۱۸ -	غیاث الدین تغلق (اول)	۷۲۰ھ	۱۳۲۰ء
۱۹ -	محمد بن تغلق	۷۲۵ھ	۱۳۲۵ء
۲۰ -	فیروز شاہ	۷۵۲ھ	۱۳۵۱ء
۲۱ -	غیاث الدین تغلق (دوم)	۷۹۰ھ	۱۳۸۸ء
۲۲ -	فیروز شاہ ظفر	۷۹۱ھ	۱۳۸۹ء
۲۳ -	ابوبکر	۷۹۱ھ	۱۳۸۹ء
۲۴ -	محمد بن فیروز	۷۹۲ھ	۱۳۹۰ء
۲۵ -	سکندر	۷۹۵ھ	۱۳۹۳ء
۲۶ -	محمود بن محمد	۷۹۵ھ	۱۳۹۳ء
۲۷ -	نصرت (درمیانی وقفہ)	۷۹۷-۸۰۲ھ	۱۳۹۵ء
۲۸ -	دولت خاں لودی	۸۱۵ھ	۱۴۱۳ء

سید خاندان

۲۹ -	خضر خاں	۸۱۷ھ	۱۴۱۴ء
۳۰ -	مبارک شاہ	۸۲۴ھ	۱۴۲۱ء
۳۱ -	محمد بن فرید	۸۳۷ھ	۱۴۳۴ء
۳۲ -	عالم شاہ علاء الدین	۸۴۹ھ	۱۴۴۵ء

لودی خاندان

۳۳ -	بہلول	۸۵۵ھ	۱۴۵۱ء
۳۴ -	سکندر	۸۹۴ھ	۱۴۸۹ء
۳۵ -	ابراہیم	۹۲۳ھ	۱۵۱۷ء

مغل شہنشاہ

۳۶ -	ظہیر الدین بابر	۹۳۲ھ	۱۵۲۶ء
۳۷ -	نصیر الدین ہمایوں	۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ	۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء

[شیر شاہ نے ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء میں ہمایوں کو ہندوستان بدر کر دیا۔ تقریباً پندرہ سال کے بعد ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے دوبارہ تخت دہلی حاصل کیا] -

تاریخ طبع سیر العارفین

(اردو ترجمہ)

از مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات)

این کتاب پاک سیر العارفین — در طریق فقر و عرفان بے مثال
در کمالات و حقائق بے نظیر — بہر درویشان حق آب زلال
داد ترتیبش جناب، قادری — آنکہ ایوب است مرد با جمال
در علوم ناہری فخر زمن — در فن تحقیق حق فرخندہ فال
علم تاریخ است از وے مفتخر — مشتہر گشتہ بعالم خوش مقال
کرد تبویب کتاب و ترجمہ — ہم بطبعش سعی بنمودہ کمال

چوں شرافت از خرد تاریخ جست
گفت ، ملفوظ مبارک لازوال[1]

۱۳۹۴ھ

---

۱ - کتاب کی طباعت کا منصوبہ ۱۳۹۴ھ میں تھا مگر طباعت ۱۳۹۵ھ میں ہوئی - (م - ا - ف) -

کتابیات

۱ - آب کوثر ، شیخ محمد اکرام ، فیروز سنز ، لاہور ۱۹۵۲ع -
۲ - آثار بدایوں ، حافظ محمد فضل اکرم بدایونی ، وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۹۱۵ع-
۳ - آثار الصنادید ، سرسید احمد خان ، سنٹرل بکڈپو ، دہلی ۱۹۶۵ع -
۴ - آثار الصنادید ، سرسید احمد خاں ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ، ۱۹۶۶ع -
۵ - آداب المریدین ، ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی ،
(اردو ترجمہ ملا عبدالباسط) حیدر آباد دکن ۱۹۶۵ع
۶ - آئینہ حقیقت نما ، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ، نفیس اکیڈیمی ، کراچی ۱۹۵۸ع -
۷ - آئینہ ملتان ، منشی عبدالرحمان ، مکتبہ اشرف المدارس ملتان ۱۹۷۲ع -
۸ - ابجد العلوم ، نواب صدیق حسن خان ، مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ
۹ - احسن السیر ، محمد اکبر جہاں شگفتہ ، مطبع آفتاب جہانتاب اجمیر ۱۲۹۴ھ
۱۰ - احوال و آثار عبداللہ خویشگی، محمد اقبال مجددی ، دارالمورخین لاہور ۱۹۷۲ع
۱۱ - اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ، شیخ عبدالحق دہلوی ، کتب خانہ رحیمیہ دیو بند -
۱۲ - اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ، شیخ عبدالحق دہلوی ، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ
۱۳ - اخبارالجہل معروف بہ اشجار الجہال (قلمی)، راجی محمد ، مملوکہ شیخ اقبال احمد بن ارشد علی ، علی گڑھ
۱۴ - اذکار الابرار ، محمد تقی حیدر ، آستانہ عالیہ کاظمیہ کاکوری ۱۳۵۷ھ
۱۵ - استاذالعلماء (سوانح مفتی لطف اللہ) ، حبیب الرحمان خان شروانی ، شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ ۱۳۵۶ھ
۱۶ - اسرار الاولیاء (ملفوظات منسوب بہ بابا فرید)، بدر الدین اسحاق، نول کشور پریس کانپور ۱۹۱۷ع -

۱۷ - اعلانِ سیادت فریدی ، پیر سید رشید احمد رضوی ، رضوی پریس امروہہ ۱۳۳۲ھ -
۱۸ - افضل الفوائد (ملفوظات منسوب بہ نظام الدین اولیاء)، امیر خسرو (اردو ترجمہ محمد لطیف ملک) ، سجاد پبلشرز لاہور ۱۹۶۰ع -
۱۹ - افضل الفوائد (راحت المحبین) (ملفوظات منسوب بہ نظام الدین اولیاء) ، امیر خسرو، اللہ والے کی قومی دوکان لاہور -
۲۰ - اقتباس الانوار ، شیخ محمد اکرم براسوی ، لاہور ۱۸۹۵ع -
۲۱ - اکبر نامہ ، ابوالفضل ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۸۶ - ۱۸۷۷ع -
۲۲ - الدرالمنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہاں گشت)، (دو جلد) علاء الدین علی حسین (اردو ترجمہ ذوالفقار احمد) ، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ -
۲۳ - الفرع النامی من الاصل السامی ، نواب صدیق حسن خان ، مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۱ھ -
۲۴ - الفوئد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی ، لکھنؤ ۱۲۹۳ھ -
۲۵ - المشاہیر ، فیض احمد ، نامی پریس میرٹھ ۱۹۰۰ع -
۲۶ - انوار الصفا ، محمد خصلت حسین صابری ، مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹۶۶ع -
۲۷ - انوارالعارفین ، مولوی محمد حسین مراد آبادی ، مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ -
۲۸ - بابا فرید الدین مسعود ، جعفر قاسمی (ترجمہ طاہر اسدی) ، لاہور ۱۹۷۱ع
۲۹ - برکات الاولیاء ، امام الدین گلشن آبادی ، افضل المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ
۳۰ - برہان المآثر ، سید علی طباطبا ، مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۶ع -
۳۱ - بزم صوفیہ ، صباح الدین عبدالرحمان ، دارالمصنفین علی گڑھ ۱۹۴۹ع -
۳۲ - بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا ، اختر اورینوی ، پٹنہ ۱۹۵۷ع -
۳۳ - تاریخ اوچ ، مولوی حفیظ الرحمان ، دہلی ۱۹۳۱ع -
۳۴ - تاریخ افاغنہ (حصہ اول) ، محمد شہاب الدین خاں ، حمیدیہ پریس لاہور ۱۳۲۰ھ -
۳۵ - تاریخ افاغنہ (حصہ دوم) محمد شہاب الدین خاں ، حمیدیہ پریس لاہور ۱۳۲۳ھ -
۳۶ - تاریخ اولیائے دہلی ، احمد سعید ، مطبع محبوب المطابع دہلی ۱۳۵۴ع -

۳۷ - تاریخ بدایوں ، رائے بختاورسنگھ ، ٹائپ شدہ مملوکہ محمد ایوب قادری ، کراچی -
۳۸ - تاریخ جدولیہ ، خادم علی ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۸ع -
۳۹ - تاریخ جلیلہ ، غلام دستگیر نامی ، لاہور ۱۹۶۰ع -
۴۰ - تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی ، خواجہ نعمت اللہ ہروی (مرتبہ ڈاکٹر امام الدین) - ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ ، ۱۹۶۲ع -
۴۱ - تاریخ دعوت و عزیمت (جلد سوم) ، ابوالحسن علی ندوی ، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ، لکھنؤ ۱۹۶۳ع ،
۴۲ - تاریخ سلسلہ فردوسیہ ، محمد معین دردائی ، تاج پریس ، گیا ۱۹۶۲ع -
۴۳ - تاریخ السلف ، عبد الباری معنی اجمیری ، آگرہ ۱۳۴۴ھ -
۴۴ - تاریخ شیراز ہند جونپور ، اقبال احمد ، ادارہ شیراز ہند جونپور ۱۹۶۳ع -
۴۵ - تاریخ فرشتہ، محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ، نو لکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۴ع -
۴۶ - تاریخ فرشتہ ، محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ، بمبئی ۱۸۳۲ع -
۴۷ - تاریخ فیروز شاہی ، ضیاء الدین برنی (سرسید اڈیشن) ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۶۲ع -
۴۸ - تاریخ کمبوہان ، چوہدری وہاب الدین کمبوہ امرتسری ، حجازی پریس لاہور ۱۹۳۸ع -
۴۹ - تاریخ مشائخ چشت ، خلیق احمد نظامی ، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ع -
۵۰ - تاریخ معصومی ، محمد معصوم بھکری (مرتبہ ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتہ) بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ پونا ۱۹۳۸ع -
۵۱ - تاریخی مقالات ، پروفیسر محمد اسلم ، ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۰ع -
۵۲ - تحفۃ الطاہرین ، شیخ محمد اعظم تتوی (مرتبہ بدر عالم درانی) ، سندھی ادبی بورڈ ، کراچی ۱۹۵۶ع -
۵۳ - تحفۃ الکرام، علی شیر قانع تتوی، (بہ تصحیح و حواشی امیر احمد و نبی بخش بلوچ) ، (اردو ترجمہ اختر رضوی) ، سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۹ع -
۵۴ - تحقیقات اولاد خواجہ صاحب (حصہ اول) ، حافظ محمد حسین اجمیری ، مطبع ابوالعلائی آگرہ -
۵۵ - تحقیقات اولاد خواجہ صاحب (حصہ سوم) حافظ محمد حسین اجمیری ، مطبع

ابوالعلائی آگرہ ۱۸۸۶ء -
۵۶ - تحقیقی مطالعے ، ڈاکٹر نذیر احمد ، دانش محل لکھنؤ ۱۹۵۴ء -
۵۷ - تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ، مرزا محمد اختر دہلوی ، سیٹھ آدم جی عبد اللہ سنز ، لاہور -
۵۸ - تذکرہ بہاء الدین زکریا ، نور احمد خاں فریدی ، قصر الادب جگو والہ ۱۹۵۴ء -
۵۹ - تذکرہ شاہ رکن عالم ، نور احمد فریدی ، قصر الادب جگو والہ ، ۱۹۶۱ء -
۶۰ - تذکرہ صدر الدین عارف (حصہ اول) ، نور احمد خاں فریدی ، قصر الادب جگو والہ ۱۹۵۸ء -
۶۱ - تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) ، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی ۱۹۶۱ء -
۶۲ - تذکرہ مصنفین اہل دہلی ، شیخ عبد الحق دہلوی (مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری) ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۰ء -
۶۳ - تذکرۃ الابرار والاشرار، اخوند درویزہ ، ادارہ اشاعت سرحد پشاور ۱۹۶۰ء -
۶۴ - تذکرۃ الصلحاء ، محمد عبد الحی بدایونی ، نظامی پریس بدایوں ۱۹۱۱ء -
۶۵ - تذکرۃ العابدین امداد العارفین ، نذیر احمد دیوبندی ، دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۳۳ء -
۶۶ - تذکرہ مراۃ الخیال ، شیر خاں لودی ، مطبع مظفری بمبئی ۱۳۲۶ھ -
۶۷ - تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین ، غلام زین العابدین ، پرنٹنگ کمپنی پریس اجمیر ۱۸۹۰ء -
۶۸ - تذکرۃ المفسرین (جلد اول) ، قاضی محمد زاہد الحسینی ، دارالارشاد ، کمیبل پور ، ۱۹۶۶ء -
۶۹ - تذکرۃ الواصلین ، محمد رضی الدین بسمل بدایونی ، نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء -
۷۰ - تغلق نامہ (مثنوی) ، امیر خسرو دہلوی ، (مرتبہ سید ہاشمی فرید آبادی) مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۳ء -
۷۱ - ثمرات القدس من شجرات الانس (قلمی) ، لعل بیگ بخشی ، مخزونہ نشنل میوزیم آف پاکستان ، کراچی -
۷۲ - جمعات شاہی (قلمی) ، مرتبہ مقبول عالم ، مخزونہ نیشنل میوزیم آف

پاکستان ، کراچی -
۷۲ - جواہر فریدی ، محمد علی اصغر ، وکٹوریہ پریس لاہور ۱۳۰۱ھ -
۷۳ - جواہر فریدی (اردو ترجمہ) ، محمد علی اصغر ، اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور
۷۴ - حدیقۃ الاولیاء ، عبد القادر تتوی (مرتبہ پیر حسام الدین راشدی) سندھی ادبی بورڈ ، حیدر آباد ۱۹۶۷ع -
۷۵ - حدیقۃ الاولیاء ، مفتی غلام سرور لاہوری ، مطبع نولکشور کانپور ۱۸۷۷ع -
۷۶ - حیات بندہ نواز ، احمد ادریس قادری ، کراچی ۱۹۶۵ع -
۷۷ - حیات شیخ شاہی ، محمد ابرار حسین قادری ، نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۰ع -
۷۸ - خاندان زبیری کنبوی (دو جلد) ، حسین احمد زبیری کنبوی ، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۵۱ع -
۷۹ - خزینۃ الاصفیاء (دو جلد) ، مفتی غلام سرور لاہوری ، مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۸۷۲ع -
۸۰ - خلاصہ شمس التواریخ ، حکیم نواب علی خاں ، مطبع گلزار ابراہیم مراد آباد -
۸۱ - خلاصۃ العارفین ، (احوال و واقعات بہاء الدین زکریا ملتانی) ، اللہ والے کی قومی دوکان لاہور ۱۹۰۹ع -
۸۲ - خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام ، محمد عبد الحی بدایونی ، وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۸۹۹ع -
۸۳ - خیر المجالس (ملفوظات چراغ دہلی) ، حمید قلندر (مرتبہ خلیق احمد نظامی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۹ع -
۸۴ - خیرالمجالس (ملفوظات چراغ دہلی) ، حمید قلندر (اردو ترجمہ احمد علی) ، واحد بکڈپو کراچی ،
۸۵ - دلیل العارفین ، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ معین الدین) ، (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ -
۸۶ - ذکر سادات بخاری و سادات بھکر و سادات رسولدار ، (قلمی تالیف ۱۰۳۹ھ) (مملوکہ خلیفہ الہ داد خاں اوچ) -
۸۷ - راحت القلوب ، (ملفوظات منسوب بہ بابا فرید) ، (نظام الدین اولیاء بدایونی) اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور -
۸۸ - رجال السند و الہند ، قاضی اطہر مبارکپوری ، بمبئی ۱۹۵۸ع -

۸۹ - رشحات ، علی بن حسین واعظ کاشفی ، نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ع -
۹۰ - روایح المصطفے من ازہار المرتضیٰ ، صدر الدین بوہاری ، مطبع کانپور ۱۳۰۷ھ -
۹۱ - روضۃ الاتقیاء فی ذکر الاصفیاء ، نبی بخش علوی دلاوری (مرتبہ میجر شمس الدین محمد) ، بہاول پور ۱۹۶۸ع -
۹۲ - روضۃ الاقطاب ، محمد بولاق ، محب ہند پریس دہلی ۱۸۸۷ع -
۹۳ - سبع سنابل ، میر عبدالواحد بلگرامی ، مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ -
۹۴ - سفر نامہ ابن بطوطہ (دو جلد) ، (اردو ترجمہ محمد حسین) ، بک لینڈ ، کراچی ۱۹۶۱ع -
۹۵ - سفینۃ الاولیاء (فارسی) ، شہزادہ دارا شکوہ ، نولکشور پریس کانپور ۱۸۸۴ع -
۹۶ - سفینۃ الاولیاء (قلمی) ، شہزادہ دارا شکوہ ، مملوکہ محمد ایوب قادری ، کراچی
۹۷ - سفینۃ الاولیاء (اردو) ، شہزادہ دارا شکوہ ، اردو ترجمہ غلام دستگیر نامی) ، اسٹار بک ڈپو - لاہور -
۹۸ - سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، خلیق احمد نظامی ، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۸ع -
۹۹ - سلسلۃ الذہب ، محمد احتشام الدین عثمانی ، لاہوز ۱۳۷۰ھ -
۱۰۰ - سلسلہ عالیہ ، حکیم عنایت حسین مارہروی ، (ترتیب و اضافہ فیض احمد) ، مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۰۶ھ -
۱۰۱ - سلطان التارکین ، احسان الحق فاروقی ، دائرہ معین المعارف کراچی ۱۹۶۳ع -
۱۰۲ - سلک السلوک ، ضیاء الدین نخشبی ، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۹ھ -
۱۰۳ - سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ، وحید احمد مسعود ، پاک اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۵ع -
۱۰۴ - سوانح خواجہ معین الدین چشتی ، وحید احمد مسعود ، سلمان اکیڈیمی ، کراچی ۱۹۶۱ع -
۱۰۵ - سیر الاقطاب ، الہدیہ چشتی ، نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ع -
۱۰۶ - سیر الاولیاء ، مبارک علوی میر خورد ، مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ -
۱۰۷ - سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ، مبارک علوی میر خورد ، اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور -

۱۰۸ ـ سیرت بایزید ، پروفیسر فضل احمد عارف ، سنگ میل پبلی کیشنز ، لاہور ۱۹۶۵ء ـ

۱۰۹ ـ شاہجہان نامہ (تین جلد) ، محمد صالح کنبوہ ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۵۸ـ۶۰ء ـ

۱۱۰ ـ شجرۂ سہرورد (قلمی تالیف ۱۰۰۵ھ) احمد خان اکبر شاہی ، مخزونہ رضا لائبریری ، رام پور ـ

۱۱۱ ـ شمس التواریخ (جلد دوم) ، حکیم نواب علی خان ، مطبع رائے صاحب منشی گلاب سنگھ لکھنؤ ۱۸۹۸ء ـ

۱۱۲ ـ طبقات اکبری ، خواجہ نظام الدین ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۹۳۱ء ـ

۱۱۳ ـ طبقات ناصری منہاج سراج ، (مرتبہ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی) ، کتاب خانۂ نورس لاہور ۱۹۵۲ء ـ

۱۱۴ ـ طبقات ناصری منہاج سراج ، (مرتبہ عبد الحی حبیبی) ، انجمن تاریخ افغانستان ، کابل ۱۳۴۲ھ ـ

۱۱۵ ـ علم و عمل ، (وقائع عبد القادر خانی) جلد دوم ، مرتبہ محمد ایوب قادری ، ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۶۱ء ـ

۱۱۶ ـ علمی نقوش ، ڈاکٹر غلام مصطفے خان ، اعلیٰ کتب خانہ ، کراچی ۱۹۵۷ء ـ

۱۱۷ ـ عمدة التواریخ (تاریخ بدایوں) ، محمد عبدالحی بدایونی ، مطبع مطلع العلوم مراد آباد ۱۸۷۹ء ـ

۱۱۸ ـ عہد اسلامی کا ہندوستان ، ریاست علی ندوی ، ادارة المصنفین ، پٹنہ ۱۹۵۰ء ـ

۱۱۹ ـ عین الولایت ، عزیز اللہ شاہ ، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۴ء ـ

۱۲۰ ـ فوائد السالکین ، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) (بابا فرید الدین گنج شکر) ، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ ـ

۱۲۱ ـ فوائد السالکین (اردو)، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) بابا فرید الدین گنج شکر (اردو ترجمہ ، محمد بیگ) مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۸ء ـ

۱۲۲ ـ فوائد الفواد (ملفوظات نظام الدین اولیاء) ، امیر حسن سجزی ، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۰۸ء ـ

۱۲۳ ـ فوائد الفواد ، (ملفوظات نظام الدین اولیاء) ، امیر حسن سجزی ، (مرتبہ

محمد لطیف ملک) ، ملک سراج الدین لاہور ۱۹۶۶ع -
۱۲۴ - فوائد الفواد (قلمی) ، (ملفوظات نظام الدین اولیاء) ، امیر حسن سجزی ، (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری - کراچی) -
۱۲۵ - قران السعدین ، امیر خسرو ، (بہ تنقید مولوی محمد اسماعیل میرٹھی) ، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۱۸ع -
۱۲۶ - کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت ، (اشرف الحکماء حکیم عظیم اللہ قادری) (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری ، کراچی) -
۱۲۷ - کشف المحجوب (اردو) ، ابوالحسن علی ہجویری ، (اردو ترجمہ مولانا ابو الحسنات قادری) ، رضوی کتب خانہ لاہور ۱۳۹۳ھ -
۱۲۸ - کلام منظور اولیاء ، (بہارستان منقبت) ، منشی منظور علی ، (امیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۳۷ھ) -
۱۲۹ - کلیات جدولیہ فی احوال اولیاء اللہ ، (تحفۃ الابرار جلد چہارم) ، مرزا آفتاب بیگ ، مطبع رضوی دہلی ۱۳۲۳ھ -
۱۳۰ - کنز التاریخ ، (تاریخ بدایوں) ، محمد رضی الدین بسمل ، نظامی پریس بدایوں ۱۹۰۷ع -
۱۳۱ - گلزار ابرار (قلمی) ، محمد غوثی مانڈوی ، مملوکہ سید سخاوت علی خسرو ، کراچی
۱۳۲ - گلزار ابرار (اردو) ، محمد غوثی مانڈوی ، (اردو ترجمہ مولوی فضل احمد) ، مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۶ھ -
۱۳۳ - لاہور کے اولیائے چشت ، محمد دین کلیم ، مکتبہ نبویہ ، لاہور ۱۹۶۸ع -
۱۳۴ - لاہور کے اولیائے سہروردیہ ، محمد دین کلیم ، مکتبہ نبویہ ، لاہور ۱۹۶۹ع -
۱۳۵ - لباب المعارف العلمیہ ، مولوی عبدالرحیم، مطبع آگرہ اخبار ، آگرہ ۱۹۱۸ع
۱۳۶ - لطائف اشرفی ، (ملفوظات شاہ اشرف جہانگیر) ، نظام یمنی ، نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۹ھ -
۱۳۷ - مجموعہ کرامات ہفت احمد ، (محمد یعقوب) ضیاء القادری بدایونی ، نظامی پریس بدایوں ، ۱۳۶۴ھ -
۱۳۸ - مخبر الواصلین ، ابو عبداللہ محمد فاضل اکبر آبادی ، کتب خانہ نذیریہ دہلی ، ۱۳۸۵ھ -
۱۳۹ - مختصر سیر ہندوستان ، حکیم محمد وحید اللہ بدایونی ، مطبع احمدی (لکھنؤ) ۱۲۷۳ھ -

۱۳۰ - مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، محمد ایوب قادری ، ادارہ تحقیق و تصنیف ، کراچی ۱۹۶۳ء -
۱۳۱ - مراۃ احمدی ، (حالات شیخ احمد نہروالی) منشی قدرت اللہ بدایونی ، اسیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۲۷ھ -
۱۳۲ - مراۃ الانساب ، ضیاء الدین علوی ، مطبع رحیمی جے پور ۱۳۳۵ھ -
۱۳۳ - مراۃ العالم (قلمی) ، بختاور خاں ، نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی -
۱۳۴ - مرقع سلاطین معروف بہ آثار المتاخرین ، منشی عبد الغفور دہلوی ، مطبع افتخار دہلی ۱۲۹۱ھ - ۱۸۷۴ ع -
۱۳۵ - مزارات اولیائے دہلی ، محمد عالم شاہ بخاری ، جید برق پریس دہلی ۱۳۴۶ھ -
۱۳۶ - معارج الولایت (قلمی) ، غلام معین الدین عبد اللہ خویشگی ، (مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ، علی گڑھ) -
۱۳۷ - معین الارواح ، خادم حسن ، اجمیر ۱۹۵۶ ع -
۱۳۸ - مفتاح التواریخ ، طامس ولیم بیل ، نولکشور پریس کانپور ۱۸۶۷ ع -
۱۳۹ - مقالات الشعراء ، علی شیر قانع تتوی ، (مرتبہ حسام الدین راشدی) سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۷ ع -
۱۵۰ - ملحق خلاصۃ السیر ، شیخ محمد بیگ نقشبندی برہانپوری ، (مرتبہ ظہور احمد اظہر) کتاب خانہ نورس لاہور ۱۹۷۰ ع -
۱۵۱ - ملفوظات شاہ عبد العزیز ، مرتبہ قاضی بشیر الدین میرٹھی ، مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ -
۱۵۲ - مناقب الاصفیاء ، شعیب فردوسی ، مطبع نور الآفاق ـ کلکتہ ۱۸۹۵ ع
۱۵۳ - مناقب الولایت ، (قلمی) حامد گنج بخش ، مملوکہ خلیفہ الہ داد اوچ -
۱۵۴ - منتخب تنقیح الاخبار ، راجا کندن لال اشکی ، سلطان المطابع لکھنؤ ۱۲۶۷ھ -
۱۵۵ - مونس الارواح ، جہاں آرا بیگم ، (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری) -
۱۵۶ - مونس الارواح ، جہاں آرا بیگم ، (اردو ترجمہ : محمد فضل حق) ، مطبع نامی لکھنؤ ۱۳۱۵ھ -
۱۵۷ - میخانہ ، ملا عبدالنبی قزوینی ، (مرتبہ مولوی محمد شفیع) لاہور ۱۹۲۶ ع -
۱۵۸ - نزہۃ الخواطر ، (جلد اول) حکیم عبدالحی حسنی ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۴۷ ع -

۱۵۹ - نفحات الانس ، نور الدین عبد الرحمان جامی ، مطبع نولکشور لکھنؤ ، ۱۸۸۵ ع -
۱۶۰ - نفحات الانس ، (اردو ترجمہ) نور الدین عبد الرحمان جامی ، اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور -
۱۶۱ - نقوش سلیمانی ، مولانا سلیمان ندوی ، کراچی ۱۹۵۱ ع -
۱۶۲ - نور الدین عبدالرحمن الجامی ، (فہرس مولفات) نصر اللہ مبشر الطرازی، مطبع دارالکتب قاہرہ ۱۹۶۴ ع -
۱۶۳ - وفیات الاخیار ، محمد احسن وحشی نگرامی ، مطبع شام اودھ لکھنؤ ۱۳۲۰ھ -
۱۶۴ - وقایع شاہ معین الدین چشتی ، بابو لال ، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۶ع -
۱۶۵ - ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ، صباح الدین عبدالرحمن ، دارا لمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۴ع -
۱۶۶ - ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (دو جلد) مولانا مناظر احسن گیلانی ، ندوة المصنفین ، دہلی ۱۹۴۳ع -

رسائل

۱ - تجلیات اولیائے سہرورد ، (محمد یعقوب) ضیاء القادری بدایونی ، آستانہ زکریا ملتان جنوری ۱۹۵۸ ع -
۲ - تذکرہ علمائے جونپور (مسلسل) خیر الدین جونپوری (مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری) ، سرحد ، کراچی اپریل ۱۹۶۴ع -
۳ - خسرو ثانی شیخ جمالی دہلوی ، ڈاکٹر نذیر احمد ، اردو ادب علی گڑھ جولائی تا ستمبر ۱۹۵۴ ع -
۴ - دیوان جمال الدین ہانسوی ، معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۵۹ ع -
۵ - مدرسہ فقیر والی اور ریاست بہاول پور کے کتب خانے ، محمد ایوب قادری ، البلاغ ، کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ -
۶ - مولانا ضیاء نخشبی ، خلیق احمد نظامی ، برہان دہلی ، نومبر ۱۹۵۱ ع -

English Books And Articles

1. Cambridge History of India, Vol. III. edited by Sir. W.Hag (1928).
2. Development of Muslim Religious Thought in India by Mohd Noor Nabi. Aligarh, 1964
3. Hazrat Amir Khusrau of Dehli, prof. Mohd. Habib (Bombay, 1927)
4. History of the Khaljis, Kishori Saran Lal (Bombay, 1967)
5. List of Mohammadan and Hindu Monuments, Vol. II & III, Zafar Hasan, (Delhi, 1918)
6. Life and Works of Amir Khusrau, Waheed Mirza, Calcutta, 1935)
7. Nasiruddin Chiragh-i-Dehli-as a great historical personality, Prof. Mohd. Habib, Islamic Culture. Hyderabad Deccan, (April, 1926)
8. Persian Literature in the Indo-Pakistan Sub-Continent, by Dr. Ghulam Mustafa Khan. (Lahore, 1972)
9. Sheikh Jalaluddin Tabrizi, by Dr. A. Rahim, Journal of the Pakistan Historical Society, Karachi, July 1960.
10. Sheikh Jalaluddin Tabrizi, by Dr. A. Karim, Journal of the Pak. Historical Society, Karachi, October, 1960.
11. The Administration of the Sultanate of Dehli, Dr. Ishtiaq Husain Qureshi (Lahore, 1944)
12. The Imperial Gazetteer of India Vol. II (Historical) (Oxford 1909)
13. The Life and Time of Sheikh Fariduddin Ganj-i-Shakar by Khaliq Ahmad Nizami, Aligarh, 1955.
14. The Sharqi Sultanate of Jaunpur by Mian Mohd. Said (University of Karachi, Karachi. 1972)
15. The Suhrawardi Silsilah and its Influence on Medieval Indian Politics by Khaliq Ahmad Nizami (Delhi, 1957)

اشاریه

اعلام

ت - ث

ج - چ

غ

ف

ق

ک - گ

ل

م

ن

و - ہ

اماکن

الف

ب - پ

ر - ز

س - ش

ص

ط

ع - غ

ف - ق

ک - گ

ل

م

ن - و

ہ - ی

کتب

قبائل و فرق

****